بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

# اکرمُ التّفاسیر

## اَمَّنْ خَلَقَ


الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی


20

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

# اکرم التفاسیر

## اَمَّنْ خَلَقَ


الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی


20

## بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یادرکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

**www.QuranTafseer.net**

**0092 323 520 5255**

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

**اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کر کے ڈھیروں ثواب حاصل کریں**

# از دلِ خیزد بر دلِ ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود شنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسرِ قرآن کہے نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں! یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم ومعارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقتِ نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب وکتاب جنت ودوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو راہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لیے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے اس لیے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کردیا یعنی Global Village اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آگئی ہے اس لیے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو

رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی، ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقامِ ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہلِ بصیرت نے دیکھا کہ فہمِ قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپردِ قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالاتِ حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لیے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجاتِ اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارلعرفان منارہ ضلع چکوال

# امیر المکرم بحیثیت مفکرِ قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسرینِ کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدُنّی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدُنّی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ، ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔ حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکرِ قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنانِ اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے

لیے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں، قانون وراثت سے پریشان ہیں، جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرآنی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکرِ قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لیے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ، قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔ قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فردِ جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہلِ حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالمِ اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دور اسی فکرِ قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لیے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لیے یہ آیۂ کریمہ قیامت تک کے لیے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور ان شاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار اندازِ بیان میں فکرِ قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کر دیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکرِ قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لیے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ اُمت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خونِ مسلم کو گرم اور اُمتِ مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔

امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسرِ قرآن سے آگے مفکرِ قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسرِ قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے، آپ کا تعارف بطور ''مفکرِ قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکرِ قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

# فہرست مندرجات


| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 1 | سورۃ النمل رکوع 5 آیات 60 تا 66 | 15 |
| 2 | تفسیر و معارف | 16 |
| 3 | خالق اور معبود صرف اللہ ہے: | 16 |
| 4 | قدرتِ باری کی طرف نظر کرو: | 17 |
| 5 | شرک کا سبب: | 20 |
| 6 | بے قرار کی دعا کون سنتا ہے؟ | 22 |
| 7 | خالق صرف اللہ ہے، وہی معبود ہے: | 23 |
| 8 | صرف اللہ ہی رازق ہے: | 25 |
| 9 | علم غیب کیا ہے؟ | 26 |
| 10 | آخرت کے ادراک کا ختم ہو جانا: | 28 |
| 11 | تشکیک اخروی حقائق سے اندھا کر دیتی ہے: | 29 |
| 12 | سورۃ النمل رکوع 6 آیات 67 تا 82 | 31 |
| 13 | تفسیر و معارف | 33 |
| 14 | کفار کی کج بحثیاں: | 33 |
| 15 | عبرت کے نشان: | 33 |
| 16 | کافر کی برائی پر دُکھی ہونے والی کریم ذات صلی اللہ علیہ وسلم: | 34 |
| 17 | قیام قیامت کا جاہلانہ مطالبہ اور اللہ کریم کا حکیمانہ جواب: | 35 |
| 18 | انسانوں کی اکثریت ناشکر گزار ہے: | 36 |
| 19 | اللہ کریم کا شکر کیسے ادا ہوتا ہے: | 37 |
| 20 | علمِ الٰہی: | 38 |
| 21 | قرآنِ کریم کی شان: | 39 |
| 22 | فیصلہ اللہ کریم فرمائیں گے: | 40 |
| 23 | سماع موتیٰ: | 41 |
| 24 | اندھا پن: | 42 |
| 25 | سماعتِ نافع کا سبب ایمان ہے: | 43 |
| 26 | لمحۂ فکریہ: | 43 |
| 27 | قیامت کی ایک نشانی: | 44 |
| 28 | سورۃ النمل رکوع 7 آیات 83 تا 93 | 46 |
| 29 | تفسیر و معارف | 48 |
| 30 | اُخروی گروہ بندی: | 48 |
| 31 | پُرسش: | 48 |
| 32 | قیامِ قیامت: | 49 |
| 33 | قیامت کے دن نیکی اور بدی کا انجام: | 50 |
| 34 | عبادت اور تعمیلِ ارشاد کا حکم: | 51 |
| 35 | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی: | 52 |
| 36 | سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں: | 52 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| 37 | سورۃ النمل رکوع 8 آیات 1 تا 13 | 54 |
| 38 | تفسیر و معارف | 56 |
| 39 | حق وہی قبول کرے گا جس میں نورِ ایمان ہوگا: | 57 |
| 40 | اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں: | 58 |
| 41 | واقعۂ فرعون: | 59 |
| 42 | حقیقی فساد وہ: | 60 |
| 43 | دورِ حاضر کے فساد کی صورتیں اور اُن کا علاج: | 60 |
| 44 | اللہ کریم جب اور جو چاہیں ہو جاتا ہے: | 61 |
| 45 | اسباب کیوں ہیں؟ | 62 |
| 46 | اللہ قادر ہے، مسبب الاسباب ہے: | 65 |
| 47 | رابطہ: | 67 |
| 48 | رابطے کا حاصل کیا ہے؟ | 67 |
| 49 | تصوف میں رابطہ اور اس کا حاصل: | 68 |
| 50 | اللہ کا وعدہ سچا ہے: | 68 |
| 51 | سورۃ القصص رکوع 2 آیات 14 تا 21 | 70 |
| 52 | تفسیر و معارف | 72 |
| 53 | واقعہ کا تسلسل: | 72 |
| 54 | ولایتِ نبوت: | 72 |
| 55 | اعلیٰ حضرت کی تحقیق: | 73 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| 56 | لفظ شیعہ: | 74 |
| 57 | سورۃ القصص رکوع 3 آیات 22 تا 28 | 79 |
| 58 | تفسیر و معارف | 80 |
| 59 | ہر حال میں اللہ ہی کو پکارنا چاہیے: | 80 |
| 60 | ایک اہم یاد دہانی: | 82 |
| 61 | مدین میں آمد اور قیام: | 82 |
| 62 | با حیا خاتون بہت بڑا انعام ہے: | 83 |
| 63 | حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات: | 85 |
| 64 | ملازم کے لیے دو اہم اوصاف: | 86 |
| 65 | حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح اور شرط: | 86 |
| 66 | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کا قدرتی اہتمام: | 88 |
| 67 | سورۃ القصص رکوع 4 آیات 29 تا 42 | 90 |
| 68 | تفسیر و معارف | 93 |
| 69 | شبانی سے کلیمی: | 93 |
| 70 | کیا تجلیات ذاتی تھیں یا صفاتی؟ | 94 |
| 71 | معجزات عطا ہوئے: | 95 |
| 72 | اللہ کے بندوں میں جراتِ رندانہ کہاں سے آتی ہے؟ | 96 |
| 73 | ہمارا المیہ: | 97 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 74 | دورِ حاضر کا المیہ: | 98 |
| 75 | حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست: | 99 |
| 76 | عطائے باری: | 100 |
| 77 | بات میں اثر: | 101 |
| 78 | فرعون کو دعوتِ حق اور اُس کا جواب: | 102 |
| 79 | تکبر اور انسان: | 103 |
| 80 | تکبر میں مبتلا ہونے کا سبب: | 104 |
| 81 | تکبر کا نتیجہ: | 104 |
| 82 | امام: | 105 |
| 83 | سورۃ القصص رکوع 5 آیات 43 تا 50 | 107 |
| 84 | تفسیر و معارف | 109 |
| 85 | تورات کا نزول اور خصوصیات: | 109 |
| 86 | کرنے کا کام: | 111 |
| 87 | آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل: | 112 |
| 88 | ایک ضمنی بات: | 114 |
| 89 | کلامِ الٰہی قصے کہانیاں نہیں: | 114 |
| 90 | مقصدِ نزولِ کلام: | 116 |
| 91 | ہمارا المیہ: | 117 |
| 92 | اتمامِ حجت: | 117 |
| 93 | نافرمانوں کا رویہ: | 119 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 94 | نزولِ قرآن میں تدریج کی حکمتیں: | 119 |
| 95 | معترضین کا کردار: | 120 |
| 96 | گمراہی کا وبال: | 121 |
| 97 | ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام: | 122 |
| 98 | سورۃ القصص رکوع 6 آیات 51 تا 60 | 123 |
| 99 | تفسیر و معارف | 125 |
| 100 | اللہ کا احسان: | 125 |
| 101 | نورِ ایمان کی برکت: | 125 |
| 102 | دوہرا اجر: | 126 |
| 103 | صبر کا معنیٰ اور صابرین کے اوصاف: | 127 |
| 104 | ہدایت کا مدار: | 129 |
| 105 | ایک اہم تنبیہہ: | 130 |
| 106 | مشرکین کو مادّی نقصان کا خوف اسلام سے روکتا ہے جبکہ یہی روش آج مسلمانوں کی ہے: | 131 |
| 107 | مکہ مکرمہ، امن اور رزق کا گہوارہ: | 132 |
| 108 | منعم سے لاعلمی اور اس کا وبال: | 133 |
| 109 | تباہی کا سبب: | 133 |
| 110 | متاعِ دنیا: | 134 |
| 111 | سورۃ القصص رکوع 7 آیات 61 تا 75 | 136 |
| 112 | تفسیر و معارف | 138 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 113 | تم کس کا ساتھ چاہتے ہو؟ | 138 |
| 114 | دنیا میں برائی پر متحد، آخرت میں ملامتِ باہمی: | 139 |
| 115 | حشر کے روز یہ سوال ہوگا: | 140 |
| 116 | جب تک دنیا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے: | 140 |
| 117 | توبہ کیا ہے؟ | 141 |
| 118 | سب کام اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں: | 142 |
| 119 | اللہ کی ذات پاک اور بلند تر ہے: | 142 |
| 120 | سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے: | 143 |
| 121 | شب و روز کا نظام اللہ کے دستِ قدرت میں ہے اور رحمت ہے: | 144 |
| 122 | غیر اللہ کی فرمانبرداری کا کوئی جواز نہیں: | 145 |
| 123 | سورۃ القصص رکوع 8 آیات 76 تا 82 | 147 |
| 124 | تفسیر و معارف | 149 |
| 125 | فساد کا سبب کیا ہے؟ | 151 |
| 126 | قارون کا جرم: | 152 |
| 127 | سرکشی کا انجام، ایک مثال: | 152 |
| 128 | اللہ کریم ہر کام سے ذاتی طور پر آگاہ ہیں: | 153 |
| 129 | بُری سوچ بُرا انجام: | 154 |
| 130 | سورۃ القصص رکوع 9 آیات 83 تا 88 | 157 |
| 131 | تفسیر و معارف | 158 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 132 | جنتیوں کی صفات: | 158 |
| 133 | اللہ کریم بھی ہیں اور رحیم: | 159 |
| 134 | ہجرت کا سبب: | 160 |
| 135 | خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید امت کو: | 163 |
| 136 | سورۃ العنکبوت رکوع 1 آیات 1 تا 13 | 166 |
| 137 | تفسیر و معارف | 168 |
| 138 | حروفِ مقطعات: | 168 |
| 139 | ایمان کو پرکھا جائے گا: | 168 |
| 140 | ایک سوال اور اس کا جواب: | 169 |
| 141 | مجرموں کی غلط فہمی: | 171 |
| 142 | یہ ہے مومن کی زندگی: | 172 |
| 143 | اللہ کریم سننے والے جاننے والے اور بے نیاز ہیں: | 173 |
| 144 | ایمان اور صالح کردار پر اللہ کی عطا: | 174 |
| 145 | والدین سے حُسنِ سلوک: | 174 |
| 146 | سب کو لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے: | 175 |
| 147 | ایمان اور اعمال صالح کا انجام: | 176 |
| 148 | صحتِ عقیدہ اور منافقین کا حال: | 177 |
| 149 | اللہ کریم دلوں کے احوال جانتے ہیں: | 179 |
| 150 | کفار کی پیشکش: | 181 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 151 | کفر کا بارِ گراں: | 182 |
| 152 | سورۃ العنکبوت رکوع 2 آیات 14 تا 22 | 183 |
| 153 | تفسیر و معارف | 184 |
| 154 | تاریخ کی گواہی: | 184 |
| 155 | حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام اور جدوجہد: | 186 |
| 156 | اتفاق و یگانگت صرف اسلام میں ہے: | 187 |
| 157 | دنیا کا فائدہ بھی اللہ کی اطاعت میں ہے: | 188 |
| 158 | ہر دور میں انبیاؑ کی تکذیب کی گئی: | 189 |
| 159 | انبیاؑ کی ذمہ داری: | 190 |
| 160 | تخلیقِ باری میں غور کرنا: | 191 |
| 161 | اللہ کریم کی مرضی: | 192 |
| 162 | اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں: | 193 |
| 163 | سورۃ العنکبوت رکوع 3 آیات 23 تا 30 | 194 |
| 164 | تفسیر و معارف | 195 |
| 165 | رحمتِ الٰہی سے مایوسی کا مفہوم: | 195 |
| 166 | ایک سوال: | 196 |
| 167 | حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا رویہ: | 197 |
| 168 | دنیادار کی دوستی کی حقیقت: | 198 |

| نمبر شمار | مندرجات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 169 | اللہ کی راہ میں ہجرت: | 200 |
| 170 | قومِ لوطؑ اور اُن کا حال: | 202 |
| 171 | سورۃ العنکبوت رکوع 4 آیات 31 تا 44 | 204 |
| 172 | تفسیر و معارف | 206 |
| 173 | حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد: | 206 |
| 174 | نتائج کا انحصار قلبی فیصلوں پر ہے: | 207 |
| 175 | قومِ لوطؑ پر عذاب: | 208 |
| 176 | حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت: | 210 |
| 177 | عہدِ حاضر کی اک مثال: | 211 |
| 178 | حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا جواب اور انجام: | 211 |
| 179 | عاد و ثمود کا حال: | 212 |
| 180 | قارون، فرعون اور ہامان کا حال: | 213 |
| 181 | اللہ کریم کسی پر ظلم نہیں کرتے: | 213 |
| 182 | کمزور سہارے: | 214 |
| 183 | علم والے کون ہیں: | 215 |
| 184 | مومنین کے لیے دلیل: | 216 |

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:32)

مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

# پارہ 20 امن خلق

## سورۃ النمل رکوع 5 آیات 60 تا 66

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا
بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ۝٦٠ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا
وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝٦١ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ
وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٦٢ اَمَّنْ
یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ
رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝٦٣ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝٦٤ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝٦٥ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی
الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝٦٦

بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور (کس نے) آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا۔ پس اس کے ذریعے ہم نے سرسبز باغ اگائے تم ان کے درختوں کو اگا نہیں سکتے تھے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ راستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ ﴿۶۰﴾ بھلا کس نے زمین کو (مخلوق کے لیے) قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں (دریا) بنائیں اور اس کے ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان حدِ فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں زیادہ تو (اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں ﴿۶۱﴾ اور بے قرار آدمی کی دعا کون سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور وہ (اس کی) مصیبت کو دور فرماتا ہے اور تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (جو یہ سب کچھ کرتا ہے؟ ہرگز نہیں مگر) ﴿۶۲﴾ تم بہت کم غور کرتے ہو۔ بھلا تم کو کون راہ دکھاتا ہے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں اور کون ہواؤں کو اس کی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود (بھی) ہے؟ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے ﴿۶۳﴾ بھلا کون مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور آسمان سے (پانی برسا کر) اور زمین سے (کھیتیاں اور پھل اُگا کر) تم کو کون رزق عطا فرماتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ فرما دیجیے کہ (مشرکو!) اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو ﴿۶۴﴾ فرما دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے ﴿۶۵﴾ بلکہ آخرت کے بارے میں خود ان کا ہی علم (فکر) ختم ہو چکا بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں ﴿۶۶﴾

# تفسیر ومعارف

## خالق اور معبود صرف اللہ ہے:

الحمدللہ بیسویں پارے کی ابتدا ہے اور سورۃ النمل جاری ہے۔ توحید اور اللہ کی وحدانیت کی بات چل رہی

تھی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور (کس نے) آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا۔ پس اس کے ذریعے ہم نے سرسبز باغ اُگائے تم ان درختوں کو اُگا نہیں سکتے تھے۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ راستے سے الگ ہو رہے ہیں۔

دلائلِ حقہ ارشاد ہو رہے ہیں کہ جنہیں اللہ پر ایمان لانے میں عُذر ہے ذرا ان سے پوچھیے کہ یہ زمین وآسمان کس نے بنائے ہیں؟ ساری مخلوق انہی میں بستی ہے، جنّ، انسان، فرشتے، جانور، چرند، پرند، آبی جانور، جمادات، نباتات ہر شئے زمین وآسماں میں ہے۔ خود زمین وآسمان بھی مخلوق ہیں، انہیں کس نے پیدا کیا؟ جن کو یہ اللہ کے سوا معبود مان کر اُمیدیں وابستہ کرتے ہیں جن کی اطاعت کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں بھلا وہ زمین وآسمان کیا بنائیں گے؟ ان سے پوچھا جائے کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو، ان کو تو تم پتھر سے تراش کر بت کی صورت دیتے ہو۔ اب جو اپنی صورت بنانے میں تمہارے محتاج ہیں وہ دوسری مخلوق کے خالق کیسے ہو سکتے ہیں؟

منکرین سے پوچھیے تم انسانوں میں سے کسی کی پوجا شروع کر دیتے ہو حالانکہ انسان خود مخلوق ہے۔ جنّات کی پوجا کرتے ہو جو خود مخلوق ہیں۔ کچھ لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے تو فرشتے بھی مخلوق ہیں۔ بھلا مخلوق عبادت کروانے کا حق کہاں رکھتی ہے کیونکہ وہ خود محتاج ہے اور جو اپنے وجود میں محتاج ہوتا ہے وہ دوسرے کی مدد کیا کرے گا؟

## قدرتِ باری کی طرف نظر کرو:

اللہ کریم نے اتنا وسیع نظام بنایا کہ کوئی شمار نہیں کر سکتا: وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً۔۔۔ اس نے ایسا نظام بنا دیا کہ سمندروں سے پانی اٹھتا ہے، وہ ٹنوں پانی دھوئیں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس دھوئیں کا وزن نہیں ہوتا اُسے ہوائیں اٹھائے پھرتی ہیں اور اس میں بجلی بھی ہوتی ہے، پانی بھی ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر بسنے والے جانتے ہیں کہ برسات اور سردیوں میں بادل زمین پر آجاتے ہیں اور لوگ اُن میں سے گزرتے رہتے ہیں، گاڑیاں گزرتی ہیں، حیوان گزرتے ہیں لیکن کسی کو بجلی کا جھٹکا محسوس نہیں ہوتا نہ ہی کوئی بھیگتا ہے۔ بس ایک دھواں سا ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز میں سفر کرنے والے بارہا بادلوں سے گزرتے ہیں لیکن ان میں بجلی یا پانی کا احساس نہیں ہوتا لیکن جب بجلی چمکتی ہے تو پتا چلتا ہے۔ اگر کہیں بجلی گرتی ہے تو وہ بھی بادلوں سے گرتی ہے اور تباہ کر دیتی ہے۔ بادلوں سے ہی پانی برستا ہے اور زمین پر جل تھل کر دیتا ہے اور کبھی سیلاب آجاتے ہیں جس میں مکان بہہ جاتے ہیں لوگ غرق ہو جاتے ہیں، شہر

ڈوب جاتے ہیں۔ یہی پانی ہوائیں اٹھائے پھرتی ہیں، دھواں سا اڑ رہا ہوتا ہے تو پانی کو بادلوں کی شکل کون دیتا ہے؟ کون بادلوں کو تہہ بہ تہہ جما دیتا ہے، کس کے حکم سے برستے ہیں، کون برساتا ہے؟ کون جانتا ہے کہ پانی کے کس قطرے کو کہاں پہنچنا چاہیے اور اس سے کہاں کیا نتیجہ آئے گا؟ اس سے کہاں روئیدگی ہوگی، کس کی غذا بنے گا؟ اس سے کوئی نہائے گا، لباس دھوئے گا، کسی درخت کی غذا بنے گا یا کسی پھل کا حصہ بنے گا، یہ کہاں جائے گا؟

یہ سب محض اتفاقاً تو نہیں ہوتا، کوئی کرتا ہے تو ہوتا ہے۔ ایک ایک قطرے کی منزل مقرر ہے، جہاں اُسے پہنچنا ہے۔ کس نے مخلوق کو غرق کرنا ہے اور کس نے مخلوق میں حیات تقسیم کرنی ہے؟ دونوں کو اللہ کا حکم ملا ہے اور وہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ اس حقیقی قادرِ مطلق کو چھوڑ کر تم کسی اور سے اُمیدیں وابستہ کر لو تو کس قدر حماقت ہے! اللہ کریم نے تو اس برسات سے زمین پر بے پناہ روئیدگی پیدا کر دی: فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَـكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ۔۔۔ اس کے ذریعے سرسبز باغ، درخت، پھل پھول اور کھربوں تنکے گھاس کے اُگائے۔ جب بارش ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی نے مخملیں فرش بچھا دیا ہو۔ ہر تنکا گل بکف اور ہر پھول کا رنگ جُدا ہے۔ زمین ایک سی ہے پانی ایک سا برسا ہے، یہ رنگ کس نے ملا دیے ہیں؟ ہر پھول کی تاثیر الگ ہے، خوشبو اور خصوصیت اپنی ہے۔ ہر تنکے کی تاثیر اور خوشبو اپنی ہے۔ تم انسان ہو کر بھی یہ پیدا نہیں کر سکتے تو جو تم سے کم تر مخلوق ہے وہ کیسے کر سکتی ہے؟ کیسی بے وقوفی کرتے ہو کہ کبھی بندروں کو پوجتے ہو، کبھی پتھروں کو پوجتے ہو جو تم سے بہت گھٹیا ہیں، تم اُن کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ حق یہ ہے کہ انسان جیسی برتر مخلوق ہو یا حیوانات جیسی کم تر مخلوق کوئی بھی کچھ تخلیق نہیں کر سکتا۔ مخلوق کبھی خالق نہیں ہو سکتی تو سوچو اور عقل سے کام لو بھلا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود کیسے ہو سکتا ہے! کہیں کسی کتاب سے، کسی نقل میں یا کہیں سے عقل سے دلیل تو لاؤ کہ اس کارگاہِ حیات کو بنانے میں کوئی اللہ کے ساتھ شریک تھا پھر تو وہ عبادت میں بھی شریک ہونے کا مستحق ہے لیکن جب اللہ تخلیق میں وحدہٗ لاشریک ہے اور باقی سب اُسی کی مخلوق ہے، اس کے بنانے سے بنی ہے تو وہ عبادت کی مستحق کیسے ہو گئی؟ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ۝۶۰ فرمایا، بلکہ یہ لوگ راستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ بھٹک رہے ہیں حق کی راہ چھوڑ رہے ہیں۔

فرمایا: اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا ۔۔۔ بھلا کس نے زمین کو (مخلوق کے لیے) قرارگاہ بنایا۔ یعنی زمین کو کس نے فضا میں یوں ٹھہرایا ہے، زمین کو کس نے پکڑ رکھا ہے، اسے کس نے قرار دیا ہے؟ یہ ہوا میں معلق ہے اس کے گرداگرد فضا ہی فضا ہے کسی جگہ کوئی میخ نہیں گاڑی گئی۔ آج تو ایسے وسائل میسر ہیں، راکٹ ہیں جو چند گھنٹوں میں پوری زمین کے گرد چکر لگا لیتے ہیں اور یہی پتا چلتا ہے کہ زمین فضا میں معلق ہے۔ حرکت کرتی ہے تو اللہ نے اس کی حرکت مقرر کر دی ہے، شب و روز کا نظام معین ہے، ماہ و سال کا سفر معین ہے۔ کیا مجال ہے کہ اپنے راستے سے ذرا ہٹ

جائے یا وقت سے پہلے یا دیر سے گردش مکمل کرے۔ اس مالک نے مقرر کر دیا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے اتنا گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔ زمین نے سورج سے کتنا فاصلہ رکھنا ہے یہ بھی مقرر کردہ ہے ورنہ اگر دور ہو جائے تو ہر شے منجمد ہو کر ختم ہو جائے اسی طرح اگر قریب ہو جائے تو ہر شئے جل کر ختم ہو جائے۔

صدیوں سے یہ زمین جو بغیر کسی ستون کے فضا میں معلق ہے مسلسل اپنا کام کیے جا رہی ہے اور چھوٹا سا کُرّہِ ارض ہے جس کے گرد ایک چھوٹا ہوائی جہاز چند گھنٹوں میں چکر لگا لیتا ہے۔ نہ جانے کب سے ربّ العالمین نے زمین کو تخلیق فرما رکھا ہے اور اس کے پیٹ سے نعمتیں نکل رہی ہیں۔ اجناس اور دھاتیں ہی نہیں تیل بھی نکل رہا ہے اور کوئی چیز ختم نہیں ہوتی بلکہ گاہے گاہے کوئی نیا خزانہ دریافت ہو جاتا ہے۔ اس کے دامن میں انسانی ضرورت کے تمام وسائل پنہاں ہیں۔ اگر حساب لگایا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کتنی مخلوق تھی اور کتنے کھربوں ٹن اناج انسان کھا چکے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ اسی زمین سے نکلا ہے اور نکل رہا ہے۔ کتنا مزید ابھی زمین میں دفن ہے اس میں کس نے رکھا ہے اور کہاں چھپایا ہے؟ ساری زمین کھود ڈالو تو ایک دانہ نہیں نکلتا لیکن فصل بیجتے ہو تو منوں نکل آتا ہے۔ تو غور کرو کہ اس کو فضا میں کس نے معلق کر رکھا ہے؟ یہ فضا میں کھڑی ہے اپنے راستے پر تیر رہی ہے، کس نے اسے سنبھال رکھا ہے؟

فرمایا: وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا ۔۔۔ اور اس کے درمیان نہریں (دریا) بنائیں۔ یعنی زمین میں تو اللہ کریم نے دریا بہادیے اور حیرت ہے کہ برتن میں پانی لے کر زمین پر گراؤ تو وہ بھی نالی سی بناتا ہے اور مٹی کو بہالے جاتا ہے لیکن یہاں صدیوں سے دریا بہہ رہے ہیں۔ اب تک تو ساری مٹی بہہ جانی چاہیے تھی لیکن کچھ بھی نہیں بگڑا۔ اس قادرِ مطلق نے پانی کو حیات کا سبب بنا دیا ہے چنانچہ زمین میں سمندر بھرے کھڑے ہیں دریا اور نہریں بہہ رہی ہیں لیکن اس سے زمین کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ آب پاشی ہوتی ہے، فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ فرمایا: وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ ۔۔۔ اور اس کے ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے۔

جس طرح ہم کسی چیز کو متوازن رکھنے کے لیے اس کے اوپر وزن رکھ دیتے ہیں پھر دوسری طرف پلڑا جھک رہا ہو تو ایک وزن ادھر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح اوزان رکھ کر ہم کسی چیز کو متوازن رکھتے ہیں اسی طرح اللہ کریم نے اپنی حکمت سے زمین پر بڑے بڑے پہاڑ رکھ دیے ہیں کہ وہ زمین کو لرزنے نہیں دیتے۔ اگر زمین متوازن نہ ہوتی اور جھٹکے کھاتی رہتی تو اس پر زندگی ممکن نہ رہتی کہ ہر ذی روح لڑھکتا رہتا۔ سو اللہ کریم نے اس پر پہاڑ رکھ کر اوزان پورے کر دیے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جدھر جاؤ یہی لگتا ہے کہ زمین کا سیدھا پہلو یہی ہے۔ جب زمین بیضوی ہے تو کوئی پہلو تو نیچے بھی ہو گا مگر جہاں بھی جائیں یہ چپٹی ہی ہے۔ امریکہ کے کئی علاقوں کا پاکستان سے وقت کا فرق بارہ

گھٹنے ہے۔ یعنی زمین کے ایک طرف پاکستان ہے تو دوسری طرف امریکہ کے مغربی ساحل ہیں۔ زمین دونوں جگہ چپٹی ہے۔ اب اگر ایک طرف سے اوپر ہے تو دوسری طرف تو نیچے ہونی چاہیے سائنس کہتی ہے کہ یہ بیضوی ہے فضا میں معلق ہے لیکن کوئی سائنسدان یہ نہیں سمجھاتا کہ یہ ہر طرف سے سیدھی کیوں ہے؟ آخر ایک طرف سے تو اُلٹی ہونی چاہیے، بندوں کے پاؤں اوپر اور سر نیچے ہونے چاہیں فرش اوپر فضا نیچے ہونی چاہیے لیکن جہاں جاؤ سیدھی ہے، کس نے کر رکھی ہے؟ بھلا یہ قدرت کسی مخلوق میں ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

فرمایا: وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۔۔۔ اور دو دریاؤں کے درمیان حدِ فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟

اللہ کریم نے دریاؤں اور پانیوں کے درمیان ایک آڑ قائم کر رکھی ہے۔ سمندر کا پانی کڑوا ہے اور روئے زمین کے کم وبیش تین چوتھائی حصوں پر سمندر ہے اور سارا کڑوا پانی ہے۔ اسی سے سارے بخارات اٹھتے ہیں اور پھر بارش برستی ہے جس کا پانی میٹھا ہوتا ہے۔ دریا کا پانی بھی میٹھا ہے اور برف بھی میٹھا پانی ہی ہے۔ زمین کے اندر بھی سمندر کا پانی موجود ہے۔ اسی زمین میں کڑوا پانی بھی ہے اور میٹھا بھی ہے تو انہیں آپس میں مل جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ اس مالک الملک نے دونوں پانیوں کو اپنی حدود میں پابند کر رکھا ہے۔ اس نے ایک حدِ فاصل بنا رکھی ہے جس سے دونوں اپنی حد میں رہتے ہیں۔ سو کوئی جو اس کام میں اللہ کے ساتھ شریک تھا، کوئی ہے جس نے یہ سارے کام اللہ کے ساتھ کیے ہوں؟ کوئی نہیں ہے، کسی نے نہیں کیے، اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر عبادت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے، معبود پھر اس کے سوا کون ہوسکتا ہے؟

## شرک کا سبب:

فرمایا: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ بلکہ ان میں زیادہ تو (اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں۔

اس حقیقت کو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، نہ ہی کسی کو عبودیت حاصل ہے لوگوں کی اکثریت سمجھ نہیں پاتی۔ اللہ کریم نے انسان کو بہترین دماغ دیا، جاننے کی قوت دی، اعضا و جوارح دیے، حواسِ خمسہ عطا فرمائے جن میں چکھنے، سونگھنے، دیکھنے، سننے اور ہاتھ لگا کر محسوس کرنے کی صلاحیتیں شامل ہیں۔ اسی طرح قلب عطا فرمایا اور اس میں لطائفِ خمسہ عطا فرمائے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ انسان پانچ چیزوں سے بنا ہے یعنی مٹی پانی آگ، ہوا اور ان کے ملنے سے نفس بن گیا تو ان پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے یہ درست نہیں ہے۔ فرماتے ہیں انسان میں

پانچ لطائف عالمِ امر کے بھی ہیں قلب، روح، سرّی، خفی اور اخفا سو انسان دراصل ان دس چیزوں کا مرکب ہے۔

اب اگر ایک پہلو کو ہم چھوڑ دیں تو وہ مردہ ہو جائے گا۔ جس طرح ایک بازو کو باندھ کر گلے میں لٹکا لیں تو تھوڑے ہی عرصے میں وہ بے کار ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک پاؤں پر کوئی چلتا رہے دوسری ٹانگ استعمال نہ کرے تو وہ بھی کام کرنا چھوڑ دے گی۔ ایک آنکھ پر پٹی باندھ دیں اُسے استعمال نہ کریں تو کچھ عرصے بعد اس کی بینائی ختم ہو جائے گی۔ یہ قانونِ فطرت ہے اس لیے اگر کوئی ساری زندگی لطائف ربانی کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو وہ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے پاس مادّی دنیا کا ہی پہلو رہ جائے گا۔ وہ محض مادّی حواس سے دیکھے گا اور جانوروں کی طرح پھرتا رہے گا۔ فرمایا، ہم نے تو انہیں علم حاصل کرنے کے ذرائع دیے لیکن انہوں نے استعمال ہی نہیں کیے چنانچہ وہ ضائع ہو گئے اور یہ جاہل رہ گئے: لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ یعنی کچھ نہ جاننے والے۔ اگر انہوں نے زندگی میں صرف یہی جانا کہ روٹی کیسے کمانی ہے، کپڑا کیسے پہننا ہے، گھر کیسے بنانا ہے، بچے کیسے پالنے ہیں تو ایسی زندگی تو سارے جانور، پرندے اور حشرات الارض بھی بسر کر لیتے ہیں۔ وہ بھی خوراک حاصل کر لیتے ہیں ٹھکانہ بنا لیتے اور بچے پال لیتے ہیں تو یہ حیوانی زندگی ہے پھر انسان اور جانوروں میں فرق کیا ہوا؟

انسان کو تو انسانی خصوصیات عطا کی گئیں تھیں۔ اُسے بدن کی ضروریات سے زیادہ روح کی ضروریات کو جاننا تھا۔ انسانو! تم تو بدن اور روح کا مرکب ہو۔ تمہاری روح تو عالمِ امر سے ہے۔ اس کی غذا بھی عالمِ امر سے ہو گی اس کی دوا بھی عالمِ امر سے ہوگی اور اس کا لباس بھی عالمِ امر سے آئے گا۔ بدن مادّی ہے لہٰذا اس کی غذا، دوا اور لباس بھی زمین سے آئے گا۔ روح کے اسباب تو عالمِ امر سے ہی آئیں گے تو کیا وہاں سے کوئی رابطہ کوئی تعلق یا رشتہ استوار کیا ہے کہ وہاں سے کوئی چیز لا سکو، پیدا کر سکو یا خرید سکو؟ اگر یہ شعبہ ہی چھوڑ دیا تو تم جاہل رہ گئے خواہ دس بار ایم اے (M.A) کر چکے ہو یا ڈاکٹری یا دیگر اعلیٰ علوم حاصل کر چکے ہو۔ اس لیے کہ یہ سارا تو مادّی علم تھا گویا تم ایک طرف کے ہی ہو کر رہ گئے بلکہ حقیقتِ علم تو یہ تھی کہ معلوم کرتے کہ انسان کیا ہے اور اس کی ضروریاتِ حقیقی کیا ہیں۔ وہ سب تو تمہاری نظر سے اوجھل رہیں تو پھر جاہل ہی رہے۔ آخر سب علوم پڑھ لکھ کر کمانا، پیٹ بھرنا اور مر جانا ہی مقصد اور حاصل رہا تو کیا فائدہ؟ یاد رہے کہ علم ظاہر بھی تب مفید ہوگا جب نورِ باطن بھی نصیب ہو ورنہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ مرتے ہوئے لوگوں کے کفن چھینتے رہتے ہیں۔

کیا آج کل یہ عام نہیں ہے کہ مریض مفلسی سے مر رہا ہوتا ہے اور کتنے قابل ڈاکٹر ہسپتالوں میں ہوتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ پہلے اتنے پیسے جمع کراؤ تو مریض کو داخل ہونے دیں گے ورنہ مریض کو باہر ہی رکھو۔ بیماری کی تشخیص کے لیے کہتے ہیں کہ اتنے ٹیسٹ کراؤ پھر دیکھیں گے کہ مریض کو کیا بیماری ہے۔ اس میں لاکھوں روپے لگ

جاتے ہیں اور کئی مہینے گزر جاتے ہیں۔

بات چل رہی تھی کہ لوگ اللہ سے شرک کیوں کرتے ہیں، فرمایا: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ یہ جاہل لوگ ہیں۔ ان میں بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ جاہل ہیں۔ ان کے علم کی انتہا یہی ہے کہ بدن کو کیسے پالنا ہے۔ یہ سارا تو اخبار ہے جبکہ حقیقتِ علم تو یہ ہے کہ روح کو بھی جانتے، اس کی حیات، پرورش اور صحت کی بھی فکر کرتے۔ یہ پورا علم تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ عالی ہے اَلْعِلْمُ عِلْمَان حقیقی علم یا مکمل علم کے دو حصے ہیں، عِلْمُ الْاَبْدَان و عِلْمُ الْاَدْیَانِ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ ادیان کا علم (NORMATIVE SCIENCES) عقیدہ، ایمان، اخلاق اور کردار کا علم یہ آدھا علم ہے جبکہ علم الابدان (PHYSICAL SCIENCES) میں مادّیات اور وجودوں کا علم ہے۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے علم تقسیم ہو گئے ہیں۔ آدھے لوگ وہ ہیں جو مادّی علوم پڑھتے ہیں انہیں کلمہ بھی نہیں آتا اور آدھے لوگ دین پڑھتے ہیں اُن کے پاس مادّی علوم نہیں ہیں۔ اب دونوں طبقے آپس میں لڑتے رہتے ہیں اس لیے کہ دونوں کے پاس آدھا آدھا علم ہے۔ اگر دونوں میں BRIDGING ہو جائے، دونوں مل جائیں یہ اُنہیں دین سکھائیں وہ انہیں دنیا سکھائیں تب جا کر قوم بنے گی، معاشرہ سدھرے گا۔ تب جا کر عظمتِ باری کا ادراک ہوگا اور لوگ شرک سے باز رہیں گے۔

اب جو آدمی دین کا علم حاصل کرتا ہے اُسے تو نیک ہونا چاہیے جبکہ دینی طبقے میں بھی ایسے نیک لوگ تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ آج ان لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن کو بیچ رہے ہیں، فتوے بیچ رہے ہیں اور اللہ کے کرم سے ایسے بھی ہیں جو ایک ایک امرِ الٰہی پر جان دیتے ہیں۔ اصولاً تو سارے دینی طبقے کو ہی ایسا ہونا چاہیے لیکن سارا ایسا کیوں نہیں ہے؟ اس لیے کہ آدھا علم اُدھر ہے آدھا اِدھر ہے لوگ جاہل رہ گئے۔ ایک شخص سارا دن وعظ کرتا ہے کہ اللہ سے مانگو، لوگوں کو اللہ کا دروازہ دِکھاتا ہے اور جب تقریر ختم ہوتی ہے تو خود لوگوں سے مانگنے بیٹھ جاتا ہے کہ مجھے دو۔ اس کی تقریر سننے والے کیسے اللہ سے مانگیں گے جب خود اُسے اللہ نظر نہیں آرہا وہ خود کیوں نہیں اللہ سے مانگتا؟

اس طرح کرنے سے واعظ کی باتوں کی کوئی قیمت نہیں رہتی اور سب سننے والے سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اگر اللہ دینے والا ہے تو یہ کیوں اللہ سے نہیں مانگتا؟ ہم سے کیوں مانگ رہا ہے! اللہ کریم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت جاہل ہے کچھ نہیں جانتی۔

## بے قرار کی دعا کون سنتا ہے؟

فرمایا: اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ﴿۶۲﴾

مشرکینِ عرب جب کشتیوں میں بیٹھ کر سمندری سفر پر جاتے اور کبھی طوفانوں میں گھر جاتے تو صرف اللہ کو پکارتے۔ خشکی پر بھی جب کوئی ایسی ناگہانی تکلیف یا بیماری آجاتی تو یہ مشرکین کہتے کہ اللہ تُو وحدہٗ لاشریک ہے، میری مدد فرما۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جب تم مضطر ہو جاتے ہو، بے قرار ہو جاتے ہو کوئی تمہارا آسرا نہیں رہتا کہ کسی کو اپنی بات سنا سکو، جیسے سمندر کے گرداب میں پھنس گئے اب کوئی آسرا نہیں پھر پکارتے ہو اے اللہ! ہماری مدد فرما، تُو تو ہماری سن رہا ہے، ہماری مدد فرما۔

مضطر اُسے کہتے ہیں جس کے پاس کوئی ظاہری سبب نہ بچا ہو، بے قرار ہو چکا ہو کوئی آسرا نہ ہو۔ فرمایا، اس وقت تو اللہ ہی یاد آتا ہے اور پھر وہ ایسا کریم ہے کہ اگر کوئی مشرک بھی بے قرار ہو کر درِدل سے اُسے پکارے تو اس کی مشکل بھی دور کر دیتا ہے۔ جب وہ مشکل سے، گرداب سے نکال دیتا ہے تو یہ لوگ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیسے عجیب لوگ ہیں جب حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں بت نے مدد کی، فلاں ستارے نے مدد کی۔ جب موت سامنے ہوتی ہے اس وقت بت بھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو بت اور دیگر سہارے یاد آتے ہیں۔ بھلا جب انسان ہر طرف سے نا اُمید ہو کر بے قراری میں پکارتا ہے تو اس کی کون سنتا ہے؟ کون اُسے اس بے قراری سے نکال کر سکون دیتا ہے؟

## خالق صرف اللہ ہے، وہی معبود ہے:

فرمایا: وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ۔۔۔ ذرا یہ سوچ لو کہ کیا تم روزِ اوّل سے، جب سے یہ زمین بنی ہے، اس پر بستے تھے؟ تم سے پہلے کھربوں لوگ گزر چکے تم اُن کے جانشین ہو تو کس نے تمہیں جانشین بنا دیا؟ کوئی تو ہے جس نے تمہیں اُن کی اولاد سے پیدا کیا، کوئی تو ہے جس نے بسے بسائے شہروں میں تمہیں آباد کر دیا۔ بسانے والے چلے گئے اور تم مالک بن گئے، کل تم چلے جاؤ گے آنے والے مالک بن جائیں گے۔ آج گھر تمہارے ہیں، بنگلے اور محل تمہارے ہیں سواریاں تمہاری ہیں۔ کل تم قبر کی خوراک بن جاؤ گے تو گھر کسی اور کا ہوگا، بنگلہ کسی اور کا ہوگا۔ یہ تمہیں کس نے مالک بنا دیا، کس نے تمہیں پہلوں کا جانشین بنایا ہے کوئی اللہ کے ساتھ دوسرا جس نے تمہیں پیدا کیا ہو پہلوں کا جانشین بنایا ہو؟ کیا کوئی ہے اللہ کے ساتھ جس کی عبادت کی جائے؟ ہرگز نہیں۔

فرمایا: قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ﴿۶۲﴾ مگر تم بہت کم غور کرتے ہو۔ باتیں بڑی سیدھی سیدھی ہیں لیکن میری مخلوق میں بڑے قلیل، بہت تھوڑے لوگ ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ باقی جانوروں کی طرح پیٹ بھر کر اور مذہب کی

خانہ پُری کر کے دنیا سے گزر جاتے ہیں۔

فرمایا: اَمَّنۡ یَّہۡدِیۡکُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ مَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ ءَ اِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ ؕ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۶۳﴾ بھلا تم کو کون راہ دکھا تا ہے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں اور کون ہواؤں کو اس کی رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود (بھی) ہے؟ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔

زمین کی تاریکیوں میں کون تمہاری راہنمائی کرتا ہے؟ آج تو بے شک تم نے ایسے کمپیوٹر اور مواصلاتی سیارے بنا لیے ہیں کہ ایک جگہ بیٹھ کر دنیا کا کونا کونا دیکھ لیتے ہو لیکن یہ علوم تمہیں کس نے عطا کیے؟ کس نے تمہیں دماغ دیا جس سے تم نے یہ چیزیں بنالیں؟ جن اجزا کو تم جوڑ کر چیزیں بناتے ہو وہ کس نے پیدا کیے؟ تم تو تخلیق شدہ چیزوں کو جوڑ کر نئی چیزیں بناتے ہو خود کوئی چیز پیدا نہیں کرتے۔ یہ چیزیں کس نے پیدا کی ہیں؟ تمہیں شعور کس نے دیا ہے؟ تم جہاز تو بنا لیتے ہو کوئی جانور کیوں نہیں بنا لیتے؟

تم ایک قسم کی گندم سے کتنی چیزیں بناتے ہو، ایک قسم کے چاول سے کتنے کھانے بنا لیتے ہو، تو یہ راہنمائی کس نے کی، یہ شعور کس نے عطا کیا؟ زمین کی تاریکیوں میں اور سمندر میں جب اندھیری راتوں میں طوفان آتے ہیں تو کون تمہاری راہنمائی کرتا ہے؟ کس نے آسماں پہ ستارے چمکائے کہ انہیں دیکھ کر بھی تم راستے کا تعین کر لیتے ہو۔ کس نے ہر شئے کی منزل مقرر کی؟ پھر جب وہ رحمت کرنا چاہتا ہے، لوگ پیاس اور گرمی سے مر رہے ہوتے ہیں تو وہ اپنی رحمت کی بارش بھیجتا ہے اور اس سے پہلے خوشخبری دینے کے لیے ہوائیں بھیج دیتا ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو انسان معلوم کر لیتا ہے کہ آج ہوا کس رخ سے آئی ہے اس میں خنکی اور نمی بھی ہے لہٰذا بارش ہوگی۔ ہوا کے چلنے سے انسان ہی نہیں جانور تک خوش ہو جاتے ہیں کہ آج بارش ہوگی۔ یہ ہوا کون چلاتا ہے؟ کس نے پیدا کی ہے، کس کے حکم سے چلتی ہے؟ کون اسے حکم دیتا ہے کہ جا خوشخبری دے؟ کیا کوئی اللہ کے ساتھ دوسرا ہے جو یہ سارا نظام چلاتا ہے؟ اگر ہے تو وہ بھی عبادت کا حقدار ہے اور اگر کوئی بھی نہیں تو پھر اللہ کے سوا کسی کی عبادت بھی نہیں ہو سکتی۔ جو شرک کرتے ہیں اللہ کی ذات اس سے وراء الوراء ہے، بہت بلند ہے۔ فرمایا: اَمَّنۡ یَّبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ۔۔۔ بھلا کون مخلوق کو عدم سے وجود دیتا ہے نئے سرے سے پیدا کرتا ہے؟ پھر اُسے کئی بار لوٹاتا ہے۔ بے شمار درخت ہیں جو اس نے عدم سے پیدا کیے درخت تھا نہ پتّے تھے، مادّہ تھا نہ کسی شے کا وجود تھا۔ اس نے مخلوق کو عدم سے پیدا کیا اب اُن کو کتنی بار لوٹا رہا ہے۔ خزاں آتی ہے۔ ہر پتا گر جاتا ہے، گل سڑ کر مٹی بن جاتا ہے پھر جب بہار آتی ہے تو اُسی مٹی سے وہ اجزا جمع ہو کر

پھر ایک ایک جز کو مٹی سے نکال کر اس درخت پر لگا دیتا ہے۔ ایسا کون کرتا ہے؟ جو پتے جھڑے تھے اگر اُن کے اجزا کا تجزیہ کیا جائے اور نئے نکلنے والے پتوں کا بھی تجزیہ کر لیں تو دونوں کے اجزا ایک جیسے ہیں۔ اللہ کے سوا اگر کوئی اور ہے تو اُسے کہو کہ ایسا کر کے دکھائے۔ کس نے مخلوق کو عدم سے پیدا کیا اور اُسے لوٹا تا رہتا ہے؟ نسلِ آدم مسلسل چل رہی ہے، جانوروں کی نسل مسلسل چل رہی ہے، مر رہے ہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ درختوں کے پتے گھاس پھوس ہر چیز فنا ہو رہی ہے، پھر بن رہی ہے اور کائنات کا کوئی لمحہ حیات و موت کے عمل سے خالی نہیں ہے۔ یہ سلسلہ کبھی نہیں رُکتا مسلسل جاری رہتا ہے۔ مخلوق جا بھی رہی ہے، آ بھی رہی ہے۔ ایک لمحے کتنی مخلوق جاتی ہے یہ وہ خود ہی جانتا ہے اور کتنی مخلوق آتی ہے اس کا علم بھی صرف اُسی ذات کو ہے۔ آخر کون ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے؟

## صرف اللہ ہی رازق ہے:

فرمایا: وَمَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ۔۔۔ ذرا دیکھو کہ وہ کون ہے جس نے تمہاری روزی کو زمین اور آسمان دونوں میں خلط ملط کر دیا؟ آسمان سے رحمت کی بارشیں برستی ہیں، زمین پر روئیدگی ہو جاتی ہے۔ پانی تمہارا رزق ہے، کھانا بھی تمہارا رزق ہے تو اُس نے تمہارے لیے کتنی اقسام کے کھانے بنا دیے۔ انار کو ہی دیکھیں کہ اگر کوئی انار کو کھول کر اس کے دانے نکال دے پھر کسی کاریگر سے کہہ کر دیکھے کہ سارے دانے اسی طرح چن کا انار میں واپس بند کر دے، کہ نکلے تو سارے اُسی میں سے ہیں۔ اب کوئی سارا زور بھی لگا لے وہ دانے اس انار کے چھلکے میں نہیں آتے۔ اس ترتیب سے کس نے جوڑے ہیں کہ اس میں بند ہو گئے ہیں؟ کس نے مٹھائی جیسے میٹھے پھلوں کو چھلکوں میں بند کر دیا؟ اب کیلے کو دیکھیں تو لگتا ہے کہ بنا بنایا حلوہ کسی نے اس میں بند کر دیا ہے۔ کس نے اس میں مٹھاس ڈالی، کس نے اس میں نرمی اور ذائقہ رکھ دیا، کس نے اس میں خوشبو رکھ دی، کس نے انار میں ٹھنڈک اور آم میں گرمی رکھ دی؟ کس نے آم کو بنایا اس میں شیرینی رکھ دی کہ اس میں ایک گھٹلی ہے اور اس کے گرداگرد شہد بھرا ہوا ہے جس کے اوپر چھلکا چڑھا ہوا ہے؟ آخر یہ کس نے بھر دیا، کون کاریگر تھا؟ آسمانوں سے پانی برسا کر زمین کے اجزا ملا کر کیسی کیسی خوبصورت چیزیں پیدا کیں۔ کتنے خوبصورت درخت جھاڑیاں، پھول اور پھل پیدا کیے اور ہر شئے تمہارا رزق ہے۔ تم گھاس بھی استعمال کر لیتے ہو کہ تمہارے جانور گھاس چرتے ہیں، تم انہی کا دودھ پیتے ہو، انہی کا گوشت کھاتے ہو۔ گھاس بھی آخر تمہاری خوراک میں ڈھل جاتی ہے۔ غلّہ تم کھا لیتے ہو جبکہ بھوسا تمہارے جانور کھا لیتے ہیں۔ اتنے مراحل سے چیزوں کو گزار کر، انہیں خوبصورت شکلیں، خوبصورت ذائقہ اور خوشبو دے کر کون تمہارے لیے بناتا ہے؟ پھر سوچو: ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔۔۔ ہے کوئی دوسرا معبود اللہ کے ساتھ؟ اگر کوئی اللہ کی اس کاریگری میں شریک ہے تو اُسے اللہ کے ساتھ عبادت کروانے کا بھی حق حاصل ہے لیکن جب کوئی نہیں ہے اور یہ سارا کام اس وحدہٗ لاشریک کا ہے پھر

عبادت بھی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی ہوگی۔فرمایا: قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۶۴﴾ یہ جوتم بت پوجتے اور اللہ کے شریک بناتے ہو اگر تم دعوے میں سچے ہو تو اس پر کوئی دلیل پیش کرو۔اللہ نے تو قرآن میں اپنے وحدہٗ لاشریک ہونے پر کتنی دلیلیں عطافرمائیں۔تم کسی اور کو اس کا شریک بناتے ہو تو اس طرح کی کوئی دلیل پیش کرو۔کوئی دلیلِ عقلی لاؤ کوئی دلیلِ نقلی پیش کرو۔

## علم غیب کیا ہے؟

فرمایا: قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۶۵﴾ فرمایا یہ چیزیں علومِ غیبیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔علمِ غیب کون سا علم ہے؟ غیب کی تعریف یہ ہے"مَاغَابَ عنِ الْحَوَاسِ"یعنی جو چیز حواس سے بالاتر ہو۔پوشیدہ ہو وہ غیب ہوتی ہے۔سو انسان کے حواسِ خمسہ میں جو آئے وہ غیب نہیں رہتا وہ معلوم ہو جاتا ہے۔کوئی اطلاع دے دے بتادے تو پتا چل جائے۔مثلاً حکیم مریض کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہے تو اُسے نبض کے آثار بتادیتے ہیں کہ مریض کا جگر خراب ہے۔یہ حکیم کے لیے علمِ غیب نہ رہا کیونکہ اُسے ایک ذریعے سے،حواس سے پتا چلا۔جو چیزیں حواس سے بالاتر ہیں وہ غیب ہیں اور غیب صرف اللہ تبارک تعالیٰ کا خاصہ ہے کہ اس کا علم حضوری ہے،ہر چیز اس کے سامنے حاضر ہے اور وہ چیزوں کو ترتیب دیتا رہتا ہے۔اب جس کو یہ خبر ہی نہ ہو کہ یہاں جو ذرّہ استعمال ہونا ہے وہ کہاں ہے،یہاں جو پانی کا قطرہ استعمال ہونا ہے وہ کہاں ہے۔یہ بھی معلوم نہیں کہ یہاں پانی کا قطرہ استعمال ہوگا یا مٹی کا کوئی ذرّہ یا مادّے کی کوئی اور صورت استعمال ہوگی۔جب انسان کا علم اتنا محدود ہے تو مخلوق کیسے پیدا کرے گا؟

علمِ غیب کے موضوع پر ہم طبقوں میں بھی بٹ چکے ہیں،فرقے بھی بن گئے ہیں حالانکہ یہ بہت سادہ سا موضوع ہے،سادہ سی بات ہے۔اللہ کریم ہی مادّی وجود کے بارے،مادّی علوم سے معلومات عطا کرتے ہیں۔ڈاکٹر، طبیب،سائنسدان بے پناہ چیزیں جانتے ہیں جو عام آدمی نہیں جانتا۔ایک شخص بیمار ہوتا ہے،تکلیف میں ہوتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ یہ تکلیف کیوں ہے۔اس کی بیماری کی وجہ ڈاکٹر یا طبیب جان سکتا ہے۔جو خود بیمار ہے اُسے نہیں پتا چلتا۔اب ڈاکٹر معائنہ کرتا ہے،ٹیسٹ کر کے دیکھ لیتا ہے یا طبیب نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیتا ہے تو کیا یہ علمِ غیب ہے؟ ہر گز نہیں۔یہ حواس کی رسائی میں ہے،یہ غیب نہیں ہے۔اسی انسان کے وجود کے Cell یا ذرّات کی غذا کہاں سے آ رہی ہے،کس غذا سے کون سا سیل (Cell) بنا،کتنے سیل (Cell) سلامت ہیں،کتنے گزر چکے ہیں کتنے پیدا ہو رہے ہیں کتنے مر رہے ہیں یہ سب تو کسی ڈاکٹر یا طبیب کو پتا نہیں چل سکتا تو علمِ غیب کیسے ہوگیا؟ یہ معلومات تو انسان کے پاس نہیں ہیں۔یہ علم صرف اللہ کریم کو ہے اس لیے کہ ہر سیل (Cell) وہ خود بنا رہا ہے تو بن رہا ہے۔

جس طرح مادّے کو سمجھنے کے لیے اللہ کریم مادّی علوم عطا فرماتا ہے انبیاؑ کو ایسے علوم عطا فرماتا ہے جو روح اور مادّے دونوں پر محیط ہوتے ہیں۔ انبیاؑ دونوں شعبوں کے مُعلم ہوتے ہیں اور اللہ کریم انہیں خود اپنی بارگاہ سے علوم عطا فرماتے ہیں۔ ہر نبیؑ کی جتنی ذمہ داری ہوتی ہے جتنا دائرۂ نبوت ہے اس کے بارے جتنی روحانی اور مادّی معلومات انسانوں کو چاہیے وہ تمام اللہ کے نبیؑ کے پاس ہوتی ہیں لیکن وہ علمِ غیب نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کریم کا عطا کردہ علم ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ کریم نے اس کے بارے ارشاد فرمایا: مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔۔۔(ال عمران:179) اللہ کو زیب نہیں دیتا کہ تم کو غیب پر اطلاع دیں ولیکن اللہ اپنے پیغمبروںؑ میں سے جسے چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں۔

یعنی تم میں سے ہر کس و ناکس کو غیب پر مطلع نہیں کرتا بلکہ اللہ اپنے خالص بندوں کو چُن لیتا ہے۔ اُن ہستیوں کے پاس جو امورِ غیبیہ آتے ہیں وہ لِيُطْلِعَكُمْ ۔۔۔ اطلاع عنِ الغیب بن جاتی ہے، علمِ غیب نہیں رہتا۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل بے شمار مغیبات انسانوں تک پہنچے۔ روح کی خبر، روح کی ضروریات بلکہ ساری روحانی زندگی کی معلومات سوائے انبیاؑ کے کوئی بتا ہی نہیں سکتا، یہ بغیر وحی الٰہی کے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ سارا غیب انبیاؑ نے مخلوق تک پہنچایا بلکہ مادّی وجود یا بدن کے بارے بھی جو معلومات انبیاؑ نے دی ہیں کوئی سائنسدان وہاں تک نہیں پہنچ سکا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کھانا کھاتے ہوئے تین انگلیوں اور انگوٹھے کو ملا کر اس سے لقمہ سالن میں ڈبو کر کھایا کرو اور کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ کپڑے سے صاف کرنے یا دھونے سے پہلے انگلیوں کو چوس لیا کرو۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمائی۔ آج سائنسدان یہ کہتے ہیں کہ اگر چھری کانٹے کی بجائے ہاتھ سے لقمہ کھایا جائے اور جو کھانے کی باقیات انگلیوں کے ساتھ رہ جائے اگر اسے چوس لیا جائے تو کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سالن اور روٹی لگنے سے ان انگلیوں کے مساموں سے ایسا مواد نکلتا ہے کہ اگر چوس لیا جائے تو وہ ہاضم ہوتا ہے۔ وہ دوا بن جاتا ہے اور کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ آج سائنس ساڑھے چودہ سو سال کے بعد اس بات پر پہنچی ہے جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ساڑھے چودہ صدیاں پہلے بتا دی تھی۔

آج تو سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم مشین کی مدد سے پتا کر لیتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی ہے لیکن ذرا سوچا جائے کہ تب کون سی مشین تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے وحیٔ الٰہی سے فرمایا کہ منی سے خون کی پھٹکی بنتی ہے اس سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر اس سے ہڈی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر کھال چڑھائی جاتی ہے پھر اس کے اعضا بنتے ہیں اور اس میں پھر روح پھونکی جاتی ہے۔ کیا آج کے سائنسدان نے کوئی نئی چیز دریافت کی؟ انسانی

مادّی علوم نے قرآن کے ارشاد کردہ اس سارے عمل میں کوئی تبدیلی دریافت کی؟ کیا کسی نے کہا کہ قرآن نے غلط کہا تھا؟ اُس وقت کون سی مشین تھی؟ وہ علومِ غیبیہ تھے جو اللہ کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے تھے مادّے کے بارے بھی اور روح کے بارے بھی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری اُمّت کو ان سے نوازا لیکن یہ علمِ غیب نہیں بلکہ اطلاع عن الغیب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے لے کر قیامت تک تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں، آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت ہے تو آج بھی بدن اور روح کی ساری معلومات کی صداقت کی ضمانت یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ چونکہ اللہ کریم شانِ نبوت کے مطابق انبیاؑ کو غیب سے اتنا علم عطا فرماتے ہیں جتنا اُن کو چاہیے ہو اس لیے قیامت تک پیدا ہونے والے سوالات کے جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو بخشے جو علوم کا بہت بڑا خزانہ ہے لیکن علمِ غیب نہیں ہے اطلاع عن الغیب ہے جسے اللہ نے عطا فرمایا۔

اللہ کو کوئی دیتا نہیں ہے بلکہ اس کی ذات کا وصف ہے کہ وہ ہر غیب کو جانتا ہے۔ عالم الغیب ہونا خاصۂ خداوندی ہے جبکہ انبیاؑ کو روح اور بدن دونوں کی اطلاع عن الغیب، اللہ عطا فرماتا ہے۔ صلحا اور اولیا کو نبیؑ کی وساطت سے عطا فرماتا ہے۔ بدن کے مادّی علوم اطبا کو دیتا ہے۔ ڈاکٹروں کو دیتا ہے، اشیا کی خصوصیات اور فوائد کا علم سائنسدانوں کو عطا کرتا ہے۔ یہ سب علوم اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ کسی کے پاس غیب کا علم نہیں ہے۔ فرمایا: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! علی الاعلان سب کو بتا دیجیے کہ ارض و سما میں انسان، جن، فرشتہ کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور: وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴿۶۵﴾ پوری مخلوق میں کوئی نہیں جانتا کہ کب اٹھ کر کھڑا ہونا پڑے گا۔ اگر کسی فرشتے سے پوچھ لو کہ کب قیامت ہوگی، وقت یا تاریخ بتاؤ؟ تو کسی کو نہیں پتا۔ کسی نبیؑ کسی رسولؑ کو اللہ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ قیامت کی تاریخ اس کے وقوعہ کا لمحہ بتا دیں۔ یہ بات کہ قیامت کب قائم ہوگی صرف وہ وحدہٗ لاشریک جانتا ہے۔ مخلوق اس کو جاننے سے قاصر ہے۔

## آخرت کے ادراک کا ختم ہو جانا:

فرمایا: بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔۔۔ بلکہ آخرت کے بارے میں خود ان کا ہی علم (فکر) ختم ہو چکا۔ یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر اعتراض کرنے والے ہیں اور قرآنی علوم پر اعتراض کرنے والے ہیں ان کو تو آخرت کا ادراک ہی نہیں ہے۔

ایک چیز کا بندے کو کچھ ادراک ہو مثلاً ایک راستہ ہے ہمیں اگر پتا ہو کہ اس راستے پر ڈاکے پڑتے ہیں تو

کچھ ادراک تو ہوتا ہے، ہم اپنی بندوق ساتھ رکھ لیتے ہیں کوئی محافظ ساتھ لے لیتے ہیں کہ مجبوراً وہیں سے گزرنا ہے تو حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں اس لیے کہ ادراک ہوتا ہے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اب جسے پتا ہی نہیں وہ تو بغیر احتیاط اور انتظام کے چل پڑے گا۔ فرمایا، آخرت کے بارے ان کے ادراک ہی ختم ہوگئے ہیں۔ یہ اسی دنیا میں مگن ہیں۔ کھانا پینا، بچے پیدا کرنا اور مرجانا ہے، بس! انہیں آخرت کا ادراک ہی نہیں ہے۔

## تشکیک اخروی حقائق سے اندھا کردیتی ہے:

فرمایا: بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا ۔۔۔ ان کے دلوں میں تو شکوک ہیں کہ پتا نہیں ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔ جب مرجائیں گے مٹی ہوجائیں گے تو کیا پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ کتنے ہی لوگ مرگئے، صدیاں بیت گئیں مگر کوئی زندہ ہوکر نہیں اُٹھا تو ہم کیوں ہونے لگے! یہ لوگ تو اس طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں اور اس شک اور عدمِ علم نے انہیں اندھا بنادیا ہے۔ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ یہ آخرت کے معاملے میں اندھے ہوچکے ہیں۔ جہاں تشکیک بھی ہو اور عدمِ علم بھی آجائے تو دو شدید نقصان ہوتے ہیں۔ ایک تو ایسا بندہ حقائق نہیں جانتا دوسرا حق کی چھوٹی سی بات بھی ہو تو اس میں اُسے تشکیک یعنی شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ سچی ہے یا نہیں اور یوں اس بات سے وہ ایسا غافل ہوجاتا ہے جیسے اس نے آنکھ ہی بند کرلی، اندھا ہوگیا۔

فرمایا، یہ نامراد آخرت سے اندھے ہوچکے ہیں۔ یہاں قرآن کافروں کو اندھا کہہ رہا ہے لیکن کیا سارے کافر اندھے تھے؟ نہیں۔ ان کی ظاہری آنکھیں تھیں۔ بینائی بھی تھی۔ دنیا کے سارے کام کرتے تھے لیکن قرآن کریم فرماتا ہے جس نے حق کو نہیں دیکھا اس کی آنکھوں میں بینائی کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ بینائی حق کو پانے کے لیے تھی جبکہ کافر نے جانوروں کی طرح صرف خوراک حاصل کرنے کے لیے استعمال کی گویا اس نے آنکھ استعمال ہی نہ کی اور اندھا رہا۔ اسی طرح قرآن کریم ایسے لوگوں کو بہرہ کہتا ہے جو باتیں تو ساری سنتے تھے لیکن جب حق نہیں سنا، حق نہیں سمجھا تو قوتِ سماعت کو تو استعمال ہی نہ کرسکے، بہرے ہی رہے۔ اسی طرح قرآن کریم کافروں کو مردہ کہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قبرستانوں میں جاکر وعظ کرتے تھے کہ یہ آیت نازل کی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ لوگوں کو وعظ فرماتے تھے لیکن جن کے دلوں میں نہیں اترتا تھا اللہ کریم فرماتے ہیں یہ مردے ہیں۔ ان کی روحیں مرچکی ہیں اور یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ ان میں وہ حیات نہیں ہے جو روح کو زندہ رکھتی ہے۔ ان میں حیاتِ حیوانی ہے جو ہر جاندار میں ہے۔ جانوروں میں بھی ہے پرندوں اور آبی جانوروں میں بھی ہے لیکن ان کی حیاتِ انسانی نہیں ہے۔

حیاتِ انسانی یہ ہے کہ جس میں بھوک کا بھی ادراک ہو، اللہ کی عظمت کا بھی ادراک ہو۔ اپنے جینے مرنے اوراس کے حقائق کاادراک بھی ہواور مابعدالموت کی کیفیات کا بھی ادراک ہو۔ یہ حقیقی حیات ہے۔ اگر یہ ساری باتیں نہیں ہیں تو پھر یہ مُردوں کی طرح ہیں۔

یہاں فرمادیا یہ کفار اندھے ہیں حالانکہ بظاہر تو دیکھ سکتے تھے لیکن جوحق کو نہیں پہچان سکتا اس کی نظر کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔جس نے اپنی عمر باطل میں ضائع کردی، کفروشرک میں برباد کردی جو اللہ کی عظمت کو نہ پہچان سکا اپنی حقیقت نہ جان سکا اپنے آنے والے سفر سے واقف نہ ہوسکا، اپنے کردار کو سنبھال نہ سکا تو اگر اس کی آنکھیں تھیں تو کیا ہوااور نہ ہوتیں تو کیا ہوتا؟ وہ تو اندھا ہی ہے۔

اللہ کریم توفیق دیں کہ ہم حواس خمسہ کو بھی، اعضاو جوارح کو بھی اور قلبی ادراک کو بھی اللہ کی راہ پر اس کے نام پر استعمال کرسکیں۔ بدن کو زندہ رکھنے کے لیے غذا اور دوا ضروری ہے۔ اسی طرح روح کی غذا قلب کا اللہ کے نام سے ذاکر ہونا ہے، فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ۔۔۔اللہ کے ذاتی نام کی تکرار کرو۔ کتنی کرو: وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل:8) اتنی تکرار کرو کہ صرف اللہ کے نام کا خیال رہ جائے، کائنات محو ہو جائے۔جس طرح، کھانا، پانی، دوابدن کی حیات اور سلامتی کی ضامن ہے، ذکرِ قلبی روح کی حیات، غذا اور دوا کی ضمانت ہے۔ جولوگ اس سے محروم رہتے ہیں قرآن کریم کبھی انہیں اندھا کہتا ہے، کبھی بہرہ کہتا ہے۔ کبھی مردہ کہتا ہے۔ اللہ کریم ہمیں شعور عطا فرمائیں اور توفیقِ عمل بھی عطا فرمائیں۔ اللہ کریم ہمیں اپنے نیک اور مقبول بندوں کے ساتھ زندہ رکھیں اور انہی لوگوں کے ساتھ موت دیں اور اپنے مقبول بندوں کے ساتھ حشر فرمائیں۔

# سورۃ النمل رکوع 6 آیات 67 تا 82

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ
وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ
سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا
مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ
يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى
وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ
الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى
الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾
وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ
اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور کافر لوگ کہتے ہیں جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم (پھر زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جائیں گے ﴿۶۷﴾ اس کا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے پہلے بھی وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ تو صرف پہلے لوگوں کی بے سند کہانیاں ہیں ﴿۶۸﴾ فرما دیجیے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ گناہگاروں کا انجام کیا ہوا؟ ﴿۶۹﴾ اور ان کا غم نہ کیجیے اور ان کی چالوں سے تنگ دل مت ہوئیے ﴿۷۰﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو یہ وعدہ (قیامت کا) کب پورا ہوگا؟ ﴿۷۱﴾ فرما دیجیے کہ جس (عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے ہو شاید اس میں سے کچھ تمہارے قریب آ پہنچا ہو ﴿۷۲﴾ اور یقیناً آپ کا پروردگار تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے ولیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے ﴿۷۳﴾ اور بے شک آپ کا پروردگار سب جانتا ہے جو باتیں ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۴﴾ اور آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ چیز (بھی) نہیں ہے جو واضح کتاب میں (لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی) نہ ہو ﴿۷۵﴾ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے کہ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿۷۶﴾ اور یقیناً وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ﴿۷۷﴾ بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا اور وہ غالب (اور) جاننے والا ہے ﴿۷۸﴾ پس اللہ پر بھروسہ کیجیے بے شک آپ واضح حق پر ہیں ﴿۷۹﴾ بے شک آپ مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو (اپنی) آواز سنا سکتے ہیں (خاص طور پر) جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں ﴿۸۰﴾ اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھا سکتے ہیں۔ آپ تو صرف انہیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہوں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں ﴿۸۱﴾ اور جب ان کے بارے (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم اُن کے لیے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے وہ ان سے باتیں کرے گا۔ (اس لیے) کہ (کافر) لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ لاتے تھے ﴿۸۲﴾

# تفسیر و معارف

## کفار کی کج بحثیاں:

فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ کافر کہتے ہیں کہ جب ہم خاک ہوجائیں گے یا مر کر مٹی میں مل جائیں گے تو کیا پھر زندہ کھڑے کر دیے جائیں گے؟ ہمارے باپ دادا خاک ہو چکے تو کیا پھر ہمیں زندہ کر دیا جائے گا اور کھڑے ہو جائیں گے؟ کہتے ہیں: لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ یہ تو ہم بہت پہلے سے سنتے آرہے ہیں ہمارے باپ دادا سے بھی کہا گیا تھا اور ہم سے بھی کہا جا رہا ہے لیکن ابھی تک کسی کو زندہ ہو کر آتے نہیں دیکھا۔ لوگ تو مر کر مٹی ہوتے جا رہے ہیں لیکن کوئی دوبارہ زندہ نہیں ہوا۔ یہ باتیں محض قصے کہانیاں ہیں جو مدت سے پرانے لوگوں سے چلی آرہی ہیں۔

گزشتہ رکوع میں چونکہ اس موضوع پر دلائل گزر چکے تھے اللہ کریم نے اس میں ساری باتیں ارشاد فرمائیں کہ دیکھ لو زمین پر کتنی روئیدگی ہوتی ہے۔ درختوں پر کتنے پھل اور پتے ہوتے ہیں۔ زمین پر کتنی فصلیں اُگتی ہیں پھر ایک وقت آتا ہے کہ چٹیل میدان بن جاتی ہے، کچھ نہیں رہتا ہر چیز خاک میں مل جاتی ہے۔ پھر جب اللہ کریم چاہتے ہیں تو پھر وہی روئیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ درخت بھی پتوں سے، پھلوں سے لد جاتے ہیں۔ زمین بھی سبزے اور فصلوں سے بھر جاتی ہے کہ جب وہ قادرِ مطلق چاہتا ہے دوبارہ پیدا کر دیتا ہے۔ شب و روز کائنات میں موت و حیات کا سلسلہ جاری ہے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ بے شمار اموات نہ ہوتی ہوں اور بے شمار چیزیں نہ پیدا ہوتی ہوں۔ یہ فنا و بقا، موت و حیات کا عمل پورے تسلسل سے جاری و ساری ہے اور یہ اللہ جل شانہٗ جو واحد و لاشریک ہے اسی کی شان ہے، اس لیے کہ اُس کے سوا ان حقائق کو کوئی نہیں جانتا کہ مادہ مٹ کر کیا شکل اختیار کرتا ہے یا چیزیں مٹ کر مادے میں کس طرح تبدیل ہوتی ہیں۔ کون سا عنصر کہاں ہے، کس کو کہاں سے کہاں ملانا ہے تو وہ پتا بنے گا یا کون سے اجزا آپس میں یکجا ہوں گے تو گھاس بنے گی، پھول بنے گا، یہ صرف اللہ کا کام ہے اور وہ جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ سارے دلائل پہلے گزر چکے اس لیے یہاں دہرائے نہیں گئے۔

## عبرت کے نشان:

فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ فرمایا ذرا ان کفار کو بتا دیجیے کہ زمین پر چل پھر کر، سیر کر کے دیکھیں کہ یہ جو تم انکار کی راہ اختیار کر رہے ہو اس پر چلنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

تم سے پہلے دنیا میں بہت طاقتور قومیں ہوئی ہیں، بہت عظیم بادشاہ ہوئے ہیں، بہت جابر قومیں ہوئی ہیں لیکن جب انہوں نے عظمتِ الٰہی کا انکار کیا تو اُن کا انجام کیا ہوا۔ ذرا زمین پر سفر کر کے دیکھو اُن کے آثار، اُن کی اُجڑی ہوئی بستیاں دیکھو، اُن کی بربادی کے اسباب دیکھو کہ جس انکار کے راستے پر تم جا رہے ہو یہی وہ تباہی اور بربادی کا راستہ ہے جو تم سے پہلے نافرمانوں نے اختیار کیا تھا۔

## کافر کی برائی پر دُکھی ہونے والی کریم ذات صلی اللہ علیہ وسلم:

کفار بھی جب عظمتِ الٰہی کا انکار کرتے اور کفر پر اصرار کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد دکھ ہوتا تھا اور اتنا دکھ ہوتا تھا کہ ارشاد ہوا: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ۝ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دُکھ کیوں کرتے ہیں، ان کا غم کیوں کرتے ہیں؟ انہیں تو انتخاب کا موقعہ دیا گیا ہے کہ یہ حق اور باطل میں سے ایک چیز چُن لیں۔ جب یہ اپنی پسند سے باطل کو چُن رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل پر اتنا دکھ کیوں محسوس کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے غم میں اپنا دل تنگ نہ کیجیے۔ یہ لوگ صرف انکار ہی نہیں کرتے بلکہ ایسے بے وقوف ہیں کہ اسلام کے خلاف چالیں چلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم دین کو شکست دے دیں گے۔ یہ ایسے جاہل ہیں کہ صرف احکامِ الٰہی کا انکار نہیں کر رہے بلکہ اسلام کے خلاف چالیں چل رہے ہیں اور اسلام کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات چونکہ رحمۃ العالمین ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے کفر پر اصرار سے بھی دُکھ ہوتا تھا۔

اللہ کریم ہمیں توفیق دیں اور ہم کبھی بیٹھ کر یہ سوچیں کہ اُس ذاتِ کریم کو کافروں کے کفر اور گناہ کی زندگی اختیار کرنے پر دُکھ ہوتا ہے تو ہم بحیثیت مسلمان جب برائی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا دُکھ پہنچاتے ہوں گے!

کافر جب برائی میں، کفر میں آگے بڑھتے ہیں، مُصر رہتے ہیں تو قلبِ اطہر کو دکھ ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دل ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دلِ پاک گھبراتا ہے کہ آخر یہ بھی بنی آدم ہیں، اللہ کی مخلوق ہیں یہ جہنم کیوں جائیں۔ اللہ کریم اس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ وَلَا تَحْزَنْ۔۔۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا دُکھ کیوں کرتے ہیں کہ انہیں کسی نے زبردستی تو جہنم میں نہیں بھیجا بلکہ انہیں اختیار دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کی راہ چُن لیں یا نافرمانی کی راہ۔ انہوں نے اپنی پسند سے یہ راستہ اختیار کیا ہے سو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِن کا دکھ نہ فرمائیں اور اپنے قلبِ اطہر کو تنگی میں مبتلا نہ کریں۔ یہ لوگ تو وہ ہیں کہ انہوں نے نہ صرف کفر اختیار کیا ہے بلکہ یہ اسلام کے خلاف

سازشیں کر رہے ہیں، اسے مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے کفر پر دکھ ہوتا ہے تو ہم جو کلمہ پڑھنے کے بعد کافروں جیسا کردار و اعمال اختیار کر لیتے ہیں، ہم پر کتنا دکھ ہوتا ہے!

ہر گناہ اللہ کی نافرمانی ہے اور بہت بڑا جرم ہے۔ علمائے حق نے بعض گناہوں کو کبیرہ اور بعض کو صغیرہ لکھا ہے لیکن وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر گناہ کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ وہ نافرمانی کس ذات کی ہے، وہ اللہ کی نافرمانی ہے تو پھر سارے ہی کبیرہ ہیں کوئی صغیرہ نہیں رہتا۔ اللہ کی گرفت میں آنے کے لیے ایذائے نبیؐ سب سے بڑا جرم ہے۔

آج اُمّتِ مرحومہ میں سے اگر تعداد نکالی جائے تو نماز پنجگانہ ادا کرنے والے، باقاعدہ زکوۃ ادا کرنے والے، روزہ رکھنے والے اور سود نہ لینے والے کم ہی ہیں۔ لوگوں نے تو سود کو روزگار بنالیا ہے۔ پیسے بینک میں رکھ دیتے ہیں ہر ماہ اس پر رقم مل جاتی ہے اور اُسے سود نہیں کہتے بلکہ منافع کہہ کر کھاتے ہیں۔ کتے کو کتا کہہ کر نہیں کھاتے بلکہ دنبہ کہہ کر کھا جاتے ہیں۔ بھلا کتے کو دنبہ کہنے سے وہ دنبہ بن جاتا ہے؟ سود کو سود جان کر حرام جان کر کھاؤ تو گناہ ہے لیکن اگر سود کو حلال جان کر کھاؤ تو کفر ہے۔ اللہ کریم نے جو چیزیں حرام کی ہیں انہیں حلال ماننا اور جو چیزیں حلال فرمائی ہیں انہیں حرام کہنا کفر ہے۔ ہم یہ زیادتی کرتے ہیں کہ بینک سے ملنے والے منافع کو جائز کہتے ہیں اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اپنے پیسوں پر منافع ہے۔ بھلا جو پہلے سود لیتے تھے وہ کیا دوسروں کے پیسوں پر لیتے تھے؟ ہر کوئی اپنے ہی پیسوں پر سود لیتا ہے۔

ہم خطا کار ہیں، غلطی ہو جاتی ہے بندہ توبہ کرتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے اصلاحِ احوال کر لیتا ہے تو درست لیکن عملاً مجرمانہ زندگی اختیار کر لینا، حلال حرام کی تمیز نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ ہمیں تھوڑا سا احساس ہونا چاہیے ہمیں یہ فکر ضرور ہونی چاہیے کہ میرے کردار سے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ نہ پہنچے۔ اپنے نفع نقصان کی فکر ہو نہ ہو ہر مسلمان کو کم از کم یہ احساس ضرور ہونا چاہیے کہ وہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بچے۔

## قیام قیامت کا جاہلانہ مطالبہ اور اللہ کریم کا حکیمانہ جواب:

فرمایا: وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو یہ وعدہ (قیامت کا) کب پورا ہوگا؟ کفار کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں اور قیامت کی بات فرما رہے ہیں اور یہ بات سچی اور درست ہے تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا قیام کس دن کس لمحے ہوگا۔ آپ اس کے قیام کا دن، وقت اور تاریخ بتا دیجیے، اگر آپ سچے ہیں۔ اگر آپ کو یہ ہی نہیں پتا کہ قیامت کب آئے گی

تو پھر آپ نے قیامت کی رٹ کیوں لگا رکھی ہے جبکہ آپ جانتے ہی نہیں کہ یہ کب واقع ہوگی۔ اگر آپ سچے ہیں تو بتائیے یہ وعدۂ قیامت کب پورا ہوگا؟

فرمایا: قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴿۷۲﴾ فرما دیجیے کہ جس (عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے ہو شاید اس میں سے کچھ تمہارے قریب آ پہنچا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے فرما دیجیے کہ ہوسکتا ہے کہ قیامت کے کچھ آثار تمہارے بالکل ساتھ کھڑے ہوں، عذابِ الٰہی تمہارے سر پر منڈلا رہا ہو۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے: 'اِذَا مَاتَ اَحَدُ كُمْ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (طبرانی) کہ جو مرتا ہے اس کی تو ایک طرح سے قیامت قائم ہوجاتی ہے کہ اعمال ختم ہو گئے اور جزا و سزا شروع ہوگئی۔ اس کے لیے ایک قیامتِ صغریٰ، اس کی ذاتی قیامت تو قائم ہو ہی جاتی ہے تو جب تمہارے سر پر موت کھڑی ہے اور یہ پتا نہیں ہے کس لمحے واقعہ ہوجائے تو یہ مطالبہ کتنا عجیب ہے۔ رَدِفَ لَكُمْ ۔۔۔ ردیف کہتے ہیں جو ساتھ جُڑا ہو دوسرے کے۔ مثلاً سواری پر ساتھ بیٹھ جائے تو ردیف کہلاتا ہے جیسے دو بندے موٹر سائیکل پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح موت بھی تمہارے ساتھ ہے۔ قیامت صغریٰ تو تمہارے ساتھ ہے اور کیا خبر کب واقعہ ہوجائے، تم کتنے بدنصیب ہو کہ بجائے بخشش مانگنے کے تمہیں عذاب کی جلدی ہے، عذاب مانگ رہے ہو۔ کہتے ہو کہاں ہے قیامت؟ قائم کردیں۔ جب قیامت قائم ہوگی تو تمہارے بس میں کچھ نہیں رہے گا۔ اعمال کی فرصت ختم ہو جائے گی اور جزا سزا کا وقت شروع ہوجائے گا۔ موت سے پہلے قیامتِ صغریٰ سے پہلے اور قیامِ قیامتِ کبریٰ سے پہلے ابھی تمہارے پاس توبہ کرنے کا وقت ہے، رجوع الی اللہ کرنے کا، گناہوں کے لیے بخشش طلب کرنے اور نیکی کرنے کی مہلت ہے سو اس طرف پلٹو۔ تم نیکی کی طرف پلٹنے کی بجائے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہو کہ عذاب واقع کرو، عذاب آجائے۔ آخر تمہیں جلدی کیا ہے؟

## انسانوں کی اکثریت ناشکر گزار ہے:

فرمایا: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴿۷۳﴾ اور یقیناً آپ کا پروردگار تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے ولیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔

اللہ کریم تو لوگوں پر بہت مہربانی کرنے والے ہیں۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ انہیں مہلت دیتے ہیں، صحت، فرصت اور رزق عطا فرماتے ہیں۔ اولاد دیتے ہیں، عہدے دیتے ہیں، سہولتیں دیتے ہیں۔ انسان نافرمانی کیے جا رہے ہیں اللہ انہیں مہلت دیے جا رہے ہیں یہ تو اس کا کرم ہے کہ اگر ہر گناہ پر گرفت فرماتا

توزمین پر کوئی ذی روح رہ نہ پاتا۔ یہ اللہ کا کرم ہے لیکن یہ لوگ اس پر بگڑ رہے ہیں۔

آپ کے پروردگار بہت بڑے مہربان ہیں النَّاسِ ۔۔۔تمام لوگوں پر کرم کرتے ہیں۔ سب کو رزق، صحت، روزی دیے جارہے ہیں۔ ساری کائنات کو ایک انسان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ سارے ستارے، سیارے، سورج چاند سمیت سب کے اثرات زمین پر مرتب ہوتے ہیں۔ کسی سے روئیدگی پیدا ہوتی ہے، کسی سے پرورش ہوتی ہے، کسی سے مٹھاس بنتی ہے تو زمین پر جتنی تبدیلیاں آتی ہیں اس میں سارے ستارے سیارے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ سارا اہتمام ایک انسان کے لیے ہے۔ جانوروں کو اور پرندوں کو ذبح کر کے کھاتا ہے جو حلال جانور کسی اللہ کے بندے نے ذبح کر لیا وہ جانور اپنا مقصدِ حیات پا گیا کہ اُسے اللہ کریم نے اسی لیے پیدا کیا تھا۔ دنیا میں زمین سے جو چیز اُگتی ہے انسان اُسے استعمال کرتا ہے، لباس بناتا ہے غذا اور دوا بناتا ہے اور یہ نعمتیں سب کو ملتی چلی جا رہی ہیں۔ لوگ کفر اور نافرمانی کرتے ہیں لیکن اللہ کریم دیے جارہے ہیں لیکن جب ان کے اپنے گناہ ایک حد عبور کر جائیں تو پھر گرفت ہو جاتی ہے۔ نافرمانی کی ایک حد، ایک Limit ہے جب اس سے انسان گزر جاتے ہیں تو گرفت آجاتی ہے ورنہ اللہ تو بہت مہربان ہیں۔ لوگوں کی اکثریت ہی اللہ کی ناشکر گزار ہے۔ انسانی آبادی میں کثرت اُن لوگوں کی ہے جو اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

## اللہ کریم کا شکر کیسے ادا ہوتا ہے:

قرآن کریم نے اس لفظ کو بکثرت استعمال فرمایا ہے۔ شُکر کیا ہے، کیسے ادا ہوتا ہے؟ اس پر علمائے حق نے بہت طویل باتیں لکھی ہیں اور بہت خوبصورت بحثیں کی ہیں۔ ان سب کا حاصل اگر تلاش کیا جائے تو یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنا اور نافرمانی سے بچنا ہی اللہ کا شکر ہے۔ اُس کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اُس کی نافرمانی کی جرأت نہ کی جائے۔ زبانی تکرار کرنا کہ اللہ تیرا شکر ہے اور عملاً نافرمانی کرتے رہنا، شکر نہیں ہے۔

خلوصِ دل سے، دل کی گہرائی سے احکامِ الٰہی کی اطاعت کرنا شکر ہے۔ احکامِ الٰہی کہاں سے ملیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، چنانچہ اتباعِ رسالت پورے صدقِ دل سے کیا جائے تو یہ اللہ کا شکر ہے۔ جب دل کی گہرائی میں بھی احساناتِ الٰہی کا احساس ہو صدقِ دل سے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کیا جائے تو یہ شُکر ہے۔

فرمایا: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔۔۔(النسآء:89) جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا اسی نے اللہ کی اطاعت کی اور فرمایا یہ بھی جان لیجیے کہ: وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۝ آپ کا پروردگار سب جانتا ہے جو باتیں ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں۔ جو باتیں

دل کی گہرائیوں میں دفن ہیں یا وہ پوشیدہ ہیں اللہ کے سامنے وہ سب ظاہر ہیں، اس سے نہیں چھپ سکتیں۔ جو باتیں یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں وہ تو ظاہر ہیں ہی اور اللہ کریم جانتے ہیں اور جو باتیں یہ اپنے دل کی بڑی گہرائی میں، دل کی گہرائیوں میں چھپاتے ہیں اللہ کریم وہ بھی جانتے ہیں لہٰذا شکرِ رب ادا ہوگا جب خلوصِ دل سے اللہ کریم کے احسانات اور احکامات مانے جائیں اور صدقِ دل سے اتباعِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کیا جائے۔

## علمِ الٰہی:

فرمایا: وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ۝ آسمان اور زمین میں کوئی ایسی پوشیدہ چیز نہیں ہے جو واضح کتاب میں (لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی) نہ ہو۔

جس طرح اللہ کریم کی ذات، انسانی اندازوں، انسانی معلومات اور علم کے دائرہ کار سے وری الوریٰ ہے ویسے ہی اُس کی صفات بھی انسانی علم میں نہیں سماتیں۔ اس کی جیسی ذات ہے ویسی صفات بھی ہیں اور اس کی صفات بھی انسانی اندازوں یا انسانی علوم کی حدود میں نہیں سما سکتیں۔ علمِ الٰہی کا تو کسی کو اندازہ بھی نہیں ہے بلکہ آسمانوں کی وسعتوں میں اور زمین کے سینے میں کتنی چیزیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انسانی کاوشوں نے انسانی دماغوں نے گو بے شمار چیزیں دریافت کیں، زمین کو کھود کر مختلف اجناس نکالیں، دھاتیں اور تیل یا گیس نکالی لیکن کون جانتا ہے کہ اس میں مزید کیا کیا دفن ہے۔ ہر آنے والی نسل کو ایک نیا خزانہ مل جاتا ہے۔

اس علاقے میں ہماری نسلیں گزر گئیں ہمارے آباء و اجداد کو پتا ہی نہیں تھا کہ ان پہاڑوں میں کوئلہ دفن ہے۔ نجانے اس زمین کے سینے میں اور کیا کچھ دفن ہے اور وسعتِ سماوی میں کیا ہے۔ ستاروں اور سیاروں کی تحقیقات کرتے کرتے سائنسدان کہتے ہیں کہ لاکھوں، کروڑوں کہکشائیں ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ ہم اُن کی تعداد اور وسعت کے متعلق نہیں جانتے۔

فرمایا جتنا دائرۂ تخلیق ہے اس کی ساری چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ آسمانوں میں غائب ہیں یا زمین کے سینے میں دفن ہیں یہ سب تو لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ ساری تو ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ تو لوحِ محفوظ کا علم ہے اللہ کا علم تو وسیع تر ہے۔ علمِ الٰہی تو لوحِ محفوظ میں محدود نہیں بلکہ اللہ کا علم تو اُس کی شان کے مطابق ہے۔ یہ جہانوں کی وسعتیں اور دنیا بھر کے غیوبات، آسمانوں کی وسعتوں میں جو چیزیں گم ہیں اور جو زمین کے سینے میں گم ہیں اُن کی سب تفصیل تو اللہ کی ایک کتاب، لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔ علمِ الٰہی تو بہت بلندی کی بہت دور کی بات ہے۔

## قرآنِ کریم کی شان:

فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے کہ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور یقیناً وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ بنی اسرائیل نے تعلیماتِ نبوت میں اپنی پسند سے تبدیلیاں کر دی تھیں اور یوں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ انہوں نے اپنی پسند سے کچھ احکام خارج کر دیے اور کچھ نئے بنا لیے تھے اور پھر اُن پر لڑتے تھے۔ کوئی کہتا کہ حق یہ ہے کوئی کہتا کہ حق وہ ہے۔ قرآن کریم نے نازل ہو کر اُن کے سارے جھگڑوں میں جو حق بات تھی وہ بتا دی۔ جن باتوں پر بنی اسرائیل میں اختلاف تھا وہ جھگڑتے تھے اُن میں جو قولِ فیصل تھا، جو سچائی تھی وہ قرآن نے بیان کر دی۔ قرآن نے اُن کے اختلاف کا فیصلہ کر دیا جو کھری بات تھی وہ بتا دی تو کیا یہ بنی اسرائیل کے لیے دلیل نہیں ہے کہ قرآنِ کریم اللہ کی کتاب ہے کہ یہ حق بتا رہی ہے؟

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یہ قرآن ہدایت کا سامان ہے اور رحمتِ الٰہی کا بہت بڑا سبب ہے، اُن کے لیے جن کے سینوں میں نورِ ایمان ہے۔ ایمان نہ ہو تو فائدے کا تصور ہی نہیں ہے۔

اللہ کریم ہمیں معاف فرمائیں کہ مسلمانوں میں بھی بنی اسرائیل کی طرح بے شمار گروہ بن گئے، فرقے بن گئے۔ ہر فرقہ اپنے حق پر ہونے کا مدعی ہے اور دوسروں کو جھوٹا کہتا ہے لیکن ہم میں اور اُن میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ اُن کے پاس تحریف شدہ کتابیں تھیں جن میں آیات بدل دی گئی تھیں۔ ہمارے پاس جو اللہ کی کتاب ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے لیا سو یہ محفوظ ہے اپنے ایک ایک زیر زبر، ایک ایک شوشے اور نقطے کے ساتھ محفوظ ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہماری بدبختی آئی تو ہم نے مفاہیم بدل دیے جس سے فرقے وجود میں آ گئے۔

اس فرقہ بندی اور گروہ بندی کا علاج بھی بہت آسان سا تھا۔ سب سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا اور مخلوق تک پہنچانے کا حکم دیا، یہ فرائضِ نبوت ہیں۔ دوسرا فریضۂ نبوت ہے: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: 44) کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو بیان فرمائیں جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ آپ لوگوں پر مفاہیم واضح کر دیں، اُنہیں بتائیں کہ اُن پر جو نازل ہوا ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے قرآن وصول کیا کیونکہ جس نے نبی علیہ السلام سے سنا وہ صحابیؓ ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ وہ مقدس جماعت ہے جس نے قرآن براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کی تفسیر فرمائی، صحابہؓ نے اُسے سمجھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور تصدیق فرمائی کہ اس سے یہی مراد ہے چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تو سند ہو گئے۔ آج جتنے فرقے ہیں اگر یہ قرآنی آیات کا مطلب صحابہ کرامؓ سے سمجھیں اور جیسے انہوں نے عمل کیا ویسے کریں تو اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ جب اپنی پسند کے معانی داخل کیے جائیں تو اختلاف بنتا ہے اور یہی ہماری بدنصیبی ہے۔ بہر حال جسے اللہ حق کی طلب دے وہ ضرور قرآن کے مفاہیم، ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہؓ سے سیکھے تو اختلافات ختم ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کی صفت یہ ہے کہ وَاِنَّهٗ لَهُدًى۔۔۔ یہ ہر کام کے کرنے کا صحیح طریقہ بتاتا ہے۔ ھدیٰ کہتے ہیں کام کرنے کے صحیح طریقے کو اور جو طریقہ صحیح ہوتا ہے وہ سہل بھی ہوتا ہے، آسان بھی ہوتا ہے جبکہ اُس کام کو کرنے کے جتنے غلط طریقے ہوتے ہیں وہ مشکل اور لمبے ہوتے ہیں۔ اگر دو نقطوں کو ملانے کے لیے ایک سیدھی لکیر کھینچیں تو وہ خطِ مستقیم ہو گی لیکن اگر اُنہی دو نقطوں کو ملانے کے لیے گھما پھرا کر لکیریں کھینچی جائیں تو نقطے تو مل جائیں گے لیکن اس میں خواری ہو گی اور ٹیڑھا پن بھی ہو گا۔

کام کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ آسان بھی ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ دین آسان ہے۔ لوگوں کا یہ بہت عجیب وہم ہے کہ جنت جانا بڑا مشکل ہے، جنت مصیبتوں سے ملتی ہے۔ حالانکہ محنت اور مشقت تو دوزخ جانے کے لیے اٹھانی پڑتی ہے۔ جھوٹ بولنا، چوری کرنا، حرام کھانا، لوگوں کو لوٹنا، قتل و غارت گری کرنا مشکل ہے یا شرافت سے رہنا، حلال کھانا، اللہ کی عبادت کرنا مشکل ہے؟ لوگ تو بڑی مُشکل سے ساری عمر محنت کر کر کے جہنم میں پہنچتے ہیں۔ جنت میں جانا تو آسان ہے اللہ کریم نے رعایت دی ہے کہ جتنی غلطیاں ہو گئیں آج صدقِ دل سے توبہ کرو آئندہ کے لیے گناہ چھوڑ دو تو ساری تقصیریں معاف ہو گئیں۔ یہاں تو بڑی رعائتیں ہیں۔ سو یہ کتاب ہدایت ہے اور ہدایت یہ ہوتی ہے کہ پھر اُس کے مطابق عمل بھی کیا جائے۔ یعنی کسی کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور وہ اس طریقے کو یاد تو کرتا رہے لیکن اُس کے مطابق کام نہ کرے تو اُسے کیا فائدہ ہو گا؟ فائدہ صرف تب ہو گا جب اُسی طریقے کے مطابق کام بھی کیا جائے۔

قرآنِ کریم زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ ایمان و عقیدے سے لے کر اعمال تک اگر اس کے مطابق عمل کیا جائے تو یہ کتابِ ھدیٰ بھی ہے اور رحمتِ الٰہی کا خزانہ بھی ہے۔ جو لوگ اس پر یقین کر لیتے ہیں، ایمان لے آتے ہیں اُن کے لیے اللہ کی رحمت کا خزانہ ہے۔

## فیصلہ اللہ کریم فرمائیں گے:

فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ

اپنے حکم سے اُن کے درمیان فیصلہ کریں گے۔ کس کو سزا ہوگی، کس پر عطا ہوگی اس کا فیصلہ اللہ کریم خود فرمائیں گے کہ وہ غالب ہیں جو چاہے کر سکتے ہیں۔ وہ علیم ہیں ہر بات خود ذاتی طور پر جانتے ہیں کہ کس نے کیا نیکی کی ہے، کس نے کیا برائی کی ہے۔ وہ سب جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کتنا خلوص ہے، کتنا ایمان ہے۔ کون کیا سوچتا ہے، کیا ارادے رکھتا ہے کیا چاہتا ہے یہ سب اللہ کریم جانتے ہیں اور غالب بھی ہیں لہٰذا اپنے حکم سے فیصلہ کریں گے۔

فرمایا: فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ پس اللہ پر بھروسہ کیجیے بے شک آپ واضح حق پر ہیں۔ اگر یہ آپ کی بات نہیں سنتے تو ان کی مثال تو مُردوں کی سی ہے۔

## سماعِ موتیٰ:

فرمایا: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ بے شک آپ مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو (اپنی) آواز سنا سکتے ہیں۔ (خاص طور پر) جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔

میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مُردوں کو تو نہیں سنا سکتے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ۔۔۔ جو مر چکے ہیں اُنہیں آپ کیا سنائیں گے اور اگر کوئی بہرہ ہو کان کام نہ کرتے ہوں پھر وہ آپ کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھی چل دے تو آپ اُسے کیا سنائیں گے۔ اُسے آواز سنائی نہیں دیتی اگر دیکھ رہا ہو تو اشارہ سمجھ لیتا ہے لیکن جب اس نے آپ کی طرف پیٹھ پھیر دی، منہ دوسری طرف کر لیا ہے تو اب وہ اشارہ دیکھ سکتا ہے نہ آواز سُن سکتا ہے۔ آپ ایسے بندے کو کیا سنائیں گے!

بعض حضرات نے یہاں سماعِ موتیٰ کا مسئلہ لانے کی کوشش کی ہے جو درست نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستانوں میں وعظ نہیں فرماتے تھے کہ اللہ نے روکا ہے بلکہ یہاں مُردوں سے مراد کفار ہیں کہ اُن کے دل اُن کی روحیں مر چکی ہیں۔ "سنانے" سے مرادِ علمِ نافع ہے یعنی مُردے کے لیے کوئی علم نافع نہیں ہے کہ اب مُردے کو تلقین کی جائے کہ یہ کرو کیونکہ وہ تو کوئی عمل نہیں سکتا۔ قبر پر جا کر وعظ کرو تو وہ سنتا رہے لیکن پھر وہ کیا کرے گا اُس کے پاس تو فرصتِ عمل ختم ہو چکی ہے۔ یہاں تو سماعِ موتی ثابت ہوتا ہے کہ مُردے سنتے ہیں عمل نہیں کر سکتے اور کفار کی مثال دی جا رہی ہے کہ جس طرح مردہ سنتا ہے عمل نہیں کر سکتا اسی طرح ان کی روحیں مر چکی ہیں، ان کے مادّی کان سنتے ہیں ان کی روحوں میں بات نہیں اُترتی اور اُس مردے کی طرح یہ عمل نہیں کر سکتے یعنی ان کفار کو سماعتِ نافع نصیب نہیں ہے، ان کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا ورنہ کیا کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

آوازِ مبارک نہیں سنتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کی کوشش نہیں کرتے تھے؟ اگر وہ سُن نہ رہے ہوتے تو کیوں روکتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرتے تھے یقیناً سنتے تھے تو کرتے تھے لیکن وہ سننا نافع نہیں تھا جیسے مُردہ سنتا رہے مگر اُٹھ کر کام نہیں کر سکتا، اُس پر عمل نہیں کر سکتا۔ سوان کفار کی روحیں مر چکی ہیں اب ان کے پاس توفیقِ عمل نہیں ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سنانا انہیں نافع نہیں ہے۔ اس لیے یہاں مراد نافع سے ہے۔ قرآن نے اُنہیں مردہ کہا ہے جن کی ارواح مر چکی ہیں اور قرآن نے بعض ایسے لوگوں کو جو مادّی طور پر مر چکے ہیں، زندہ کہا ہے جیسے شہید کے بدن کے پرخچے اُڑ گئے، ٹکڑے جمع کر کے کفن میں ڈال کر دفن کر دیا گیا لیکن قرآن ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (ال عمران:169) اُن کے لیے سوچو بھی نہیں کہ وہ مر گئے۔ جو اللہ کی راہ میں مارا گیا، قتل ہوا اس کے بارے میں یہ سوچنا بھی حرام ہے کہ وہ مر گیا بلکہ وہ زندہ ہے اور اللہ انہیں رزق بھی دیتے ہیں۔ گویا ہم جسے موت کہتے ہیں بعض لوگ اس کی منازل سے گزر جاتے ہیں تو بھی قرآن انہیں زندہ کہتا ہے بلکہ مردہ کہنے سے بھی منع کر دیتا ہے۔ بعض زندہ زمین پر چلنے پھرنے والوں کو یہاں قرآن مردہ کہہ رہا ہے اس لیے کہ انہیں علم نافع نصیب نہیں ہے یعنی کافر کو کفر کی حالت میں مردہ کہا ہے کہ ایک میّت کی طرح سنتے ہیں توفیقِ عمل نہیں ہے۔ روح کی حیات ایمان باللہ سے ہے اب جو ایمان ہی نہ لایا روح میں حیات پیدا ہی نہ ہوئی تو وہ مردہ ہی ہے لہٰذا یہاں مسئلہ سماع موتی کا نہیں ہے۔ سماع موتی کے بارے میں علمائے حق کا ارشاد ہے کہ مُردہ سنتا ہے تو ہے لیکن اس کی سماعت نافع نہیں ہوتی ورنہ تو سنت میں قبرستان سے گزرنے پر سلام دینے کا حکم نہ ہوتا۔ اگر مُردے سنتے ہی نہیں تو پھر سلام کیسا اور کسی پتھر کو سلام دینے کا کیا فائدہ؟ بہرحال یہ بحثیں فضول ہیں اصل بات عمل کی ہے کہ اللہ اس زندگی میں موت نہ دے دے، روح نہ مر جائے اور ہمارے جسم روحوں کی قبریں نہ بن جائیں۔ کسی عرب شاعر نے کہا تھا:

وَ اَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرُهُمْ

کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے جسم موت سے پہلے روحوں کی قبریں بن چکی ہیں۔

## اندھاپن:

فرمایا: وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۔۔۔ اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھا سکتے ہیں۔

اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم!) جن کی آنکھیں ہی نہیں، آپ انہیں کیا راستہ دکھائیں گے؟ یہ

لوگ قبولِ حق کی استعداد ضائع کر چکے ہیں۔ جس طرح راستہ دیکھنے کی استعداد آنکھ میں ہے اور انسان راستہ دیکھتا ہے تو اُسے بتایا جاسکتا ہے کہ یہاں سے گزرو آگے جا کر گھومنا ہے۔ مگر جس کے پاس آنکھ ہی نہیں ہے اُسے کوئی کیا بتا سکتا ہے۔ یہ کفار اُس بصارت کی استعداد کو جو ہدایت پانے کے لیے تھی ضائع کر چکے ہیں۔

## سماعتِ نافع کا سبب ایمان ہے:

اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنا سکتے ہیں اُن لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی کافر کو کفر کی حالت میں مُردہ کہا لیکن جو ایمان لے آئے، مومن ہوا اُسے قرآن نے کہا کہ اُس میں سننے کی استعداد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سنا بھی سکتے ہیں۔ یہاں مُردے کا مقابلہ زندہ سے نہیں کیا گیا بلکہ ایمان سے کیا گیا ہے کہ کفار ایمان سے محروم ہیں تو ان کے دل مُردہ ہیں ان کی روحیں مر چکی ہیں۔

## لمحۂ فکریہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں سورۃ البقرۃ کی اس آیۂ کریمہ کے متعلق سوال پیش کیا گیا: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۔۔۔(البقرہ:7) ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی، ان کے کانوں پر مہر کردی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ تو عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب اللہ نے دلوں پر مہر کردی، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اس کا کیا قصور ہے اگر وہ ہدایت نہیں پاتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جب کوئی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، توبہ کر لے رجوع الی اللہ کر لے تو وہ سیاہی مٹ جاتی ہے لیکن اگر توبہ نہ کرے اور مزید گناہ کرے تو ایک نقطے کے ساتھ ایک نقطہ اور بن جاتا ہے اور یوں سیاہی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر وہ مسلسل برائی اور کفر ہی کرتا رہے تو ایک وقت آتا ہے کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ اس پر مہر لگا دیتے ہیں۔ گویا اب دل میں کبھی روشنی آئے گی ہی نہیں اور یہ بندے کے کردار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس شخص کے پاس توبہ کی فرصت بھی ہوتی ہے، اس کے پاس ہدایت کی باتیں پہنچتی ہیں۔ اس کے پاس اللہ اور اللہ کے رسولوں کے پیغام پہنچتے ہیں لیکن جب وہ نہیں مانتا، مسلسل ظلم کرتا چلا جاتا ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ اس کے دل پر مہر کردی جاتی ہے۔ اللہ کریم زبردستی ایسا نہیں کرتے، اُس شخص کا کردار کرواتا ہے۔ اسی طرح ایمان روح کی حیات ہے اور اس کی صحت، غذا اور دوا بندے کے کردار سے ہے۔ جو ایمان ہی نہ لایا اس کی روح میں حیات ہی پیدا نہ ہوئی اور یوں کافر نے اُسے پیدا ہونے سے پہلے ہی مار دیا۔ جو

ایمان لے آیا، اس میں زندگی تو آ گئی لیکن اگر بندہ گناہوں میں لگا ہوا ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلسل گناہ روح کی موت کا سبب بن جاتے ہیں۔ لوگ اچھے بھلے مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں لیکن پھر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آج ایک گھر میں دس دس عقیدے ہیں، باپ کا اور ہے، ماں کا اور ہے اور اولاد کا کوئی اور عقیدہ ہے؟ یہ سب لوگ مسلمانوں کے گھرانوں میں پیدا ہوئے پھر ایسا کیوں ہوا کہ گمراہ ہو گئے؟ دراصل جب روحیں مر جاتی ہیں تو بندہ گمراہ ہو جاتا ہے اور سارا کفر گمراہی ہے تو پھر کسی بھی قسم کے کفر میں کوئی چلا جائے کہ کفر ایک ہی ملت ہے۔

## قیامت کی ایک نشانی:

یہ لوگ خوامخواہ گھبرا رہے ہیں۔ دراصل انسان کے مزاج میں جلد بازی ہے اور یہ جلد بازی میں باتیں کر رہے ہیں۔ قیامت کے قیام کا وقت پوچھ رہے ہیں اور قیامت طلب کر رہے ہیں حالانکہ جب وہ وقت آئے گا تو ان کی فرصتِ عمل ختم ہو جائے گی۔ دنیا کی زندگی خاتمے کے قریب آ جائے گی۔ فرمایا: وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

جب ان کے بارے عذاب کا وعدہ پورا ہوگا، اس کا وقت آ جائے گا فرصت ختم ہو جائے گی۔ جب اللہ کریم توبہ کا دروازہ بند کر دیں گے کہ اب اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوگی تو پھر انہیں بہت عجائبات نظر آئیں گی حتیٰ کہ زمین سے اللہ کریم ایک ایسا جانور نکالیں گے جو بے اندازہ بڑا ہوگا۔ وہ لمبا سا عجیب سا جانور ہوگا جو اِن سے کلام کرے گا اور یہ قدرتِ باری دیکھیں گے کہ وہ جانور انہیں ان کا کردار بتا رہا ہوگا کہ تم نے یہ کیا وہ کیا، تم تو ایسے ہو۔ پھر یہ بھاگیں گے کہ اللہ کی عجیب قدرت ہے ایک ایسا عجیب جانور پیدا کر دیا ہے جو باتیں کرتا ہے اور ہمارے کردار سے بھی واقف ہے۔ ہم نے جو باتیں چھپ چھپ کر کیں وہ جانور ہمیں بتا رہا ہے کہ تم یہ کرتے ہو لہٰذا وہ توبہ کرنے کے لیے بھاگیں گے لیکن اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔ اُس وقت توبہ قبول نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہماری کتاب پر یقین نہیں کیا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین نہیں کیا تو اب ایک جانور کے نکلنے پر توبہ کی طرف بھاگتے ہیں؟ اب توبہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا۔ اب عجائبات دیکھ کر توبہ کا خیال آیا تو اس سے بڑے عجائبات تو دیکھ چکے تھے کہ خود ذاتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم معجزہ

ہے۔ ایک ہستی جس نے توحیدِ باری کا ایسا پودا لگایا کہ قیامِ قیامت تک بارآور ہوتا رہے گا، ان شآء اللہ۔ قیامِ قیامت تک فضاؤں میں اذانیں گونجتی رہیں گی اور خوش نصیب لوگوں کی پیشانیاں سجدے کرتے رہیں گی۔ یہ بجائے خود اتنا بڑا انقلاب ہے کہ صدیاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں بلکہ یہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے، تلاوتِ قرآن شب و روز ہو رہی ہے۔ بے شمار لوگ قرآن پڑھ رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، سیکھ رہے ہیں سکھا رہے ہیں۔ یہ ایک طلاطم جو ساری کارگہہ حیات میں برپا ہے یہ کس نے کیا ہے؟ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ بعثتِ عالی سے لے کر قیامِ قیامت تک انسانیت مختلف منازل و مدارج سے گزر رہی ہے۔ مختلف کیفیات اور حالات سے گزر رہی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام کے کرنے کا صحیح طریقہ بتا دیا اور ہر سوال کا جواب عطا فرما دیا۔ دینِ مصطفوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کہیں کسی موڑ پر آج تک لاجواب نہیں ہوا نہ قیامت تک ہوگا۔ اس سے بڑا معجزہ کیا ہوگا؟

جن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سمجھ نہیں آئی اور یہ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے اب ایک جانور کو دیکھ کر توبہ کرنے دوڑ رہے ہیں لیکن اب توبہ کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب تو آگے جائیں گے تو پتا چلے گا!

# سورۃ النمل رکوع 7 آیات 83 تا 93

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَیَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤی
اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَکَذَّبۡتُمۡ بِاٰیٰتِیۡ وَلَمۡ تُحِیۡطُوۡا بِہَا عِلۡمًا اَمَّا ذَا کُنۡتُمۡ
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡہِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَہُمۡ لَا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمۡ یَرَوۡا
اَنَّا جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِیَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَالنَّہَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَیَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی
الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَکُلٌّ اَتَوۡہُ دٰخِرِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَی الۡجِبَالَ تَحۡسَبُہَا
جَامِدَۃً وَّہِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّہٗ
خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیۡرٌ مِّنۡہَا ۚ وَہُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ
یَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَکُبَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ فِی النَّارِ ؕ ہَلۡ
تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ ہٰذِہِ الۡبَلۡدَۃِ
الَّذِیۡ حَرَّمَہَا وَلَہٗ کُلُّ شَیۡءٍ ۫ وَّاُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنۡ
اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اہۡتَدٰی فَاِنَّمَا یَہۡتَدِیۡ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ
اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ سَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ فَتَعۡرِفُوۡنَہَا ؕ وَمَا
رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾

اور جس روز ہم ہر امت میں سے اُس گروہ کو جمع فرمائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا
کرتے تھے پھر ان کی گروہ بندی کی جائے گی ﴿۸۳﴾ یہاں تک کہ جب سب آ

جائیں گے تو (اللہ) فرمائیں گے کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا اور تم ان کو اپنے احاطہء علمی میں ہی نہیں لائے بھلا تم کیا کرتے تھے؟ ﴿۸۴﴾ اور ان کے ظلم کے سبب ان کے حق میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہو کر رہا۔ سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے ﴿۸۵﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا ہے تا کہ اُس میں آرام کریں اور دن کو روشن (کہ اس میں کام کریں) بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿۸۶﴾ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے (وہ محفوظ رہے گا) اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے ﴿۸۷﴾ اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو ان کو خیال کرتے ہو کہ (اپنی جگہ پر) جمے ہوئے ہیں اور (اس دن) وہ بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے (یہ) اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔ بے شک وہ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہیں ﴿۸۸﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے اس سے بہتر (بدلہ) ہے اور ایسے لوگ اُس دن گھبراہٹ سے امن دیے جائیں گے ﴿۸۹﴾ اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ تم کو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو ﴿۹۰﴾ (فرما دیجیے) بے شک مجھ کو یہی ارشاد ہوا ہے کہ اس شہر (مکہ مکرمہ) کے پروردگار کی عبادت کروں جس نے اس کو محترم (مقامِ ادب) بنایا ہے۔ اور ہر چیز اُسی کی ہے اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ مَیں (اس کا) فرماں بردار رہوں ﴿۹۱﴾ اور یہ (بھی) کہ مَیں قرآن پڑھا کروں تو جو شخص راہِ ہدایت اختیار کرتا ہے سو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے راہ ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) تو فرما دیجیے کہ بے شک مَیں تو صرف (انجامِ بد سے) ڈرانے والا ہوں ﴿۹۲﴾ اور فرما دیجیے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا پھر تم ان کو پہچان لو گے۔ اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو ﴿۹۳﴾

# تفسیر ومعارف

## اُخروی گروہ بندی:

فرمایا: وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ اور جس روز ہم ہر اُمّت میں سے اُس گروہ کو جمع فرمائیں گے جو ہماری آیتوں (آیات) کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔

روزِ قیامت ہر اُمّت ہر قوم اور ہر طبقے سے ہم اُن لوگوں کو گروہ در گروہ نکالیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے اور پھر اُن کی الگ الگ گروہ بندی کر دیں گے۔ کس بندے نے دل کی کس گہرائی سے دین کی مخالفت کی۔ کس نے دین کو مٹانے کی کتنی کوشش کی اور کس کے کیا کیا جرائم تھے اور جو اُن کی دلوں میں کیفیات تھیں اس کے مطابق اُن کو الگ الگ کیا جائے گا۔ پھر گروہ بنا دیے جائیں گے۔

## پُرسش:

فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے تو (اللہ) فرمائیں گے کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا اور تم ان کو اپنے احاطۂ علمی میں ہی نہیں لائے۔ بھلا تم کیا کرتے تھے؟

اللہ کریم ان لوگوں سے سوال کریں گے کہ تم وہ لوگ ہو جو میری آیات کو جھٹلاتے تھے؟ تمہاری یہ جرأت کہ تم ایک ادنیٰ مخلوق ہو کر کلامِ باری کا انکار کرتے تھے؟ میری آیات کو جھٹلانے کی جرأت تم نے کی جبکہ ان کو اپنے احاطۂ علم میں لانے کی کوشش بھی نہیں کی، تم نے اُن پر ہی نہیں سمجھا ہی نہیں؟ تم دنیا میں غذا، دوا، لباس، جوتے، ہر چیز کو اپنے علم کے معیار پر پرکھتے تھے کہ یہ چیز اچھی ہے یا نہیں۔ میرے کلام کو سمجھنے کا تم نے تکلف ہی نہیں کیا کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں؟ تم نے سیدھا انکار کر دیا تمہاری اتنی جرأت تھی، تم کرتے کیا رہے؟ تم ہو کون، بھلا تمہاری حیثیت کیا ہے اور تم کرتے کیا رہے ہو؟ کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ کوئی چیز دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ یہ اچھی ہے یا بری ہے، مفید ہے یا غیر مفید ہے۔ تم نے کلامِ الٰہی کے بارے میں سوچنے کا بھی تکلف نہیں کیا؟ صریح انکار کر دیا اور اسی پر ڈٹے رہے تمہاری اتنی جرأت تھی! فرمایا: وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾ جو انہوں نے ظلم کیے، زیادتیاں کیں اس کے سبب اُن کے حق میں سزا کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اُن پر فیصلہ صادر کر دیا جائے گا لیکن وہ

بولنے کی جرأت نہیں کرسکیں گے۔ کوئی عذر معذرت میں بھی بول نہ سکیں گے کہ یہ جرم ہی اتنا بڑا ہے۔ فرمایا پھر نہیں بول سکیں گے اور سزا مسلط کردی جائے گی۔

فرمایا: اَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِیَسۡکُنُوۡا فِیۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا ہے تاکہ اس میں آرام کرسکیں اور دن کو روشن (کہ اس میں کام کریں) بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

تم کہتے تھے موت کے بعد حیات ممکن نہیں، بھلا تم اندھے تھے۔ تمہیں دوبارہ زندہ کیے جانے کی سمجھ نیند سے کیوں نہیں آتی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات کو آرام کے لیے بنایا ہے، کیا تم راتوں کو سو نہیں جاتے، کیا نیند موت ہی کی ایک قسم نہیں ہے؟ جب انسان سو جاتا ہے تو بھوک پیاس، دُکھ درد، گھر بار ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے اُسے کوئی پتا نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے۔ اللہ کریم بیدار کر دیتے ہیں تو پھر اُٹھ کے کام میں مشغول ہو جاتا ہے، راتوں کو گُم ہو جاتا ہے، سو جاتا ہے۔ صبح ہوتی ہے تازہ دم ہو کے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے تو جو تمہیں ہر روز نیند اور بیداری دیتا ہے وہ تمہیں موت سے بھی حیات دے سکتا ہے۔ یہ واقعہ تو تمہارے ساتھ روز ہوتا ہے تو کیوں غور نہیں کرتے کہ جو نیند سے بیداری دے سکتا ہے وہ قادر ہے وہ موت پر بھی حیات دے سکتا ہے۔ جن کو ایمان نصیب ہو اُن کے لیے اِس میں بڑے دلائل ہیں۔ دلائل کو سمجھنے کے لیے ایمان کی ضرورت ہے۔ ایمان ہی نہیں ہوگا تو بات کی سمجھ کیسے آئے گی؟

## قیامِ قیامت:

فرمایا: وَیَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ۔۔۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے (وہ محفوظ رہے گا) قیامت کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے جب قیامت قائم ہوگی تو زمین اور آسمانوں کی مخلوق بے ہوش ہو جائے گی سوائے اُن کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے۔

جب کائنات پر قیامت بیت جائے گی، ارض و سما کی ساری مخلوق بے ہوش ہو کر گر جائے گی تو ایسے بھی اللہ کے بندے ہوں گے جنہیں محسوس ہی نہیں ہوگا کہ قیامت قائم ہوئی۔ وہ مزے میں بیٹھے ہوں گے۔ وَکُلٌّ اَتَوۡهُ دٰخِرِیۡنَ ﴿۸۷﴾ اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔ قیامت کو کوئی بھاگ نہیں سکے گا بلکہ مجبور و بے بس ساری مخلوق اس کی بارگاہ میں چلی آئے گی۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ انسان سوچے کہ چلو مشکل آ گئی ہے تو وہاں سے بھاگ کر جان بچالی جائے۔ فرمایا، قیامت کو کوئی بھاگ نہیں پائے گا بلکہ سب عاجزی کے ساتھ مجبور و بے بس ہو کر بارگاہِ الٰہی

میں حاضر ہوجائیں گے اور قیامت کوئی معمولی حادثہ نہیں ہوگا۔ یہاں اگر ایک مکان دھماکے سے اُڑ جائے تو سارا شہر لرز اٹھتا ہے تو قیامت تو بہت ہی بڑا حادثہ ہے۔ فرمایا: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔۔۔ دنیا کے بڑے بڑے پہاڑ جو کھڑے ہیں جنہیں تم بہت مضبوط سمجھتے ہو جب قیامت کا حادثہ ہوگا تو یہ فضا میں بادلوں کی طرح، روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ ان پہاڑوں کے ذرّات بھی باریک سے باریک تر ہوجائیں گے اور جس طرح بادل دھواں بن کر اڑتا ہے اسی طرح یہ بھی دھوئیں کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔ جب اتنا بڑا دھماکا ہوگا جس سے بڑے بڑے پہاڑ اُڑ جائیں گے، سمندر خشک ہوجائیں گے، دریا خشک ہو جائیں گے تو اُس میں ایک انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اس کا کیا حال ہوگا!

فرمایا: صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ۔۔۔ یہ سب کاریگری اللہ کی ہے جس نے ہر چیز کو قرار بخشا ہے، ایک وجود بخشا ہے۔ پہاڑوں کو بھی اللہ نے زمین پر جما دیا ہے جو بڑے مضبوط ہیں، بڑی ٹھوس چٹانیں ہیں لیکن جب وہ تباہ کرنا چاہے گا تو ان کی اتنی باریک دھول بن جائے گی کہ یہ دھوئیں کی طرح فضا میں بکھر جائیں گے۔ یہ اللہ کی صنعت ہے کہ اس نے چیزوں کو قرار دے دیا۔ پتا، پتا بن جاتا ہے اور درخت کے ساتھ جما ہوا کھڑا ہے لیکن جب اللہ چاہتا ہے تو درخت سے الگ ہوجاتا ہے، جھڑ جاتا ہے، سوکھ جاتا ہے، جل جاتا ہے۔ ایک درخت مضبوط کھڑا ہے جب اللہ چاہتا ہے سوکھ جاتا ہے، گر جاتا ہے۔ اگر بڑے سے بڑا پہاڑ کھڑا ہے تو اس کو مضبوطی اللہ نے دے رکھی ہے جب اللہ چاہے گا تو ریزہ ریزہ ہوکر فضا میں بکھر جائے گا۔ ذرا سوچو اُس وقت اللہ کے نافرمانوں کا کیا حال ہوگا! اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اور یہ یاد رکھو کہ اللہ تمہارے ہر فعل کی خبر رکھتا ہے تو اپنے کردار کو جانچو کہ قیامت کے اس دھماکے میں تم کہاں ہوگے؟ اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

## قیامت کے دن نیکی اور بدی کا انجام:

فرمایا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے اس سے بہتر (بدلہ) ہے اور ایسے لوگ اس دن گھبراہٹ سے امن دیے جائیں گے۔

'حسنہ' کیا ہے؟ نیکی کیا ہے؟ ہر بات، ہر کام، ہر سوچ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے وہ نیکی ہے اور ہر سوچ، ہر بات ہر کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے برائی ہے۔ سادہ سی بات ہے۔ فرمایا جو نیکی لے کر آئے گا میں اُسے اُس کی نیکی سے کئی گنا زیادہ انعام دوں گا۔ یعنی ہر نیکی کا انعام اُس کی قیمت سے کہیں زیادہ ہوگا کہ بندے نے اپنی حیثیت کے مطابق عمل کیا لیکن اللہ کریم اپنی شان کے مطابق انعام دیں گے۔ کوئی

تعداد نہیں مقرر کی کوئی گنتی یا شمار نہیں بتایا بلکہ فرمایا کہ ہر نیکی پر کئی گنا انعام دوں گا۔ بندے نے اپنی حیثیت، اپنی سوچ، اپنی فکر اور اپنے دردِ دل کے مطابق سجدہ کیا اس پر جو انعام مرتب ہوگا وہ اللہ اپنی شان کے مطابق کریں گے۔ سو ہر نیکی کئی گنا زیادہ انعام پائے گی اور نیکی کا کمال یہ ہے کہ جن لوگوں کے دامن میں نیکیاں ہوں گی وہ قیامت کے بڑے حادثے میں گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ قیامت نے کہاں کیسی تباہی مچائی بلکہ وہ مزے سے امن میں بیٹھے ہوں گے۔

فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ اور جو برائی لے کر آئیں گے انہیں اوندھے منہ دوزخ میں ڈالا جائے گا کہ ساری زندگی تم اُلٹے چلتے رہے اب ذرا الٹے رہ کر بھی مزے کرو۔ اُنہیں دوزخ کی آگ میں موہنوں کے بل ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا: هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾ تم کو اُنہی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔ یعنی بدی کی سزا اس بدی کے مطابق ہوگی بڑھائی نہیں جائے گی لیکن ہر بدی کی سزا کتنی ہے؟ یہ الگ بات ہے۔ گناہ کی سزا کے طور پر انہیں بتا دیا جائے گا کہ تمہیں اور کیا ملنا ہے؟ وہی ملنا ہے جو تم نے کیا ہے۔ تمہارے سامنے ایک بازار سجا تھا، تم نے دنیا سے خریدا ہی یہی ہے سو وہی تمہیں ملے گا۔ تم اگر چاہتے تو اُس میں سے اتباعِ رسالت بھی خرید سکتے تھے لیکن تم برائیاں ہی خریدتے رہے۔ یہ سانس کا آنا جانا یہ زندگی کے لمحات تمہارا سرمایہ تھا، تم انہیں خرچ کر کے نیکیاں بھلائیاں خرید سکتے تھے لیکن تم برائیاں ہی خریدتے رہے۔ اب نتائج بھگتو۔

## عبادت اور تعمیلِ ارشاد کا حکم:

فرمایا: إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس حرمت والے شہر کے پروردگار کی عبادت کروں۔ وہ ذات جس نے اس شہر مکہ مکرمہ کو اتنا مکرم و محترم بنایا ہے، اپنی ذاتی تجلیات کا مہبط بنا دیا جس نے یہاں اپنا گھر بنا دیا اور اسے کائنات میں دین کے لیے مرکزیت دے دی۔ مجھے اُسی عظیم مالک کی عبادت کا حکم ملا ہے جو کائنات کا پروردگار ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے سب اُس کی ملکیت ہے سب اس کی مخلوق ہے۔ بھلا مخلوق عبادت کے لائق کہاں؟ بندے کے پاس اپنی زندگی نہیں، اپنی صحت نہیں وہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اس کی گویائی، بصارت اور دل کی دھڑکن اس کے پاس نہیں بلکہ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے تو یہ باقی چیزوں کا مالک کیوں بنا بیٹھا

ہے؟ انسان سمجھ لے کہ یہ سب اللہ کا مال ہے اس نے امانت کے طور پر اسے مالک بنا دیا لہٰذا اُس کے حکم کے مطابق اُسے استعمال کرے۔ اُس کے حکم کے مطابق کمائے اور اس کے حکم کے مطابق خرچ کرے کہ اس کا اپنا کچھ نہیں ہے۔ وقتی طور پر اُس کی بارگاہ کا ایک ملازم ہے، ایک خادم ہے اس کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ اپنی ڈیوٹی اچھے طریقے سے نبھائے اور چلا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو سیدھا سیدھا حکم ہے کہ میں اپنا ہر لمحہ اطاعت میں گزاروں، ماننے والوں میں رہوں اور جو حکمِ باری تعالیٰ ہو اس کی تعمیل کرتا رہوں۔ میرے لیے تو یہی راہِ عمل ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی:

فرمایا: وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ اور مجھے یہ بھی حکم ہے کہ میں قرآن پڑھا کروں، قرآن سناتا رہوں۔ میرے ذمے قرآن کا پڑھنا ہے جو مانے گا، ایمان لائے گا، عمل کرے گا، ہدایت پائے گا تو اپنا ہی فائدہ کرے گا۔ وہ اللہ پر احسان نہیں کرے گا نہ ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کرے گا۔ جو بھی قرآن کو سنے گا، سمجھے گا، مانے گا اور اس پر عمل پیرا ہو گا وہ دراصل اپنی بہتری کے لیے کر رہا ہے اللہ سے اس کا انعام پائے گا۔ جو گمراہ ہو جائے گا، ایمان نہیں لائے گا، اسے چھوڑ دے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ میرا منصبِ جلیلہ یہ ہے کہ انکار کا نتیجہ جو قبر میں یا قیامت میں سامنے آئے گا وہ تمہیں آج بتا دوں۔ یہ میرا منصبِ جلیلہ ہے کہ میں نہ ماننے والوں کو اُن خطرات سے آج آگاہ کر دوں جو اُنہیں مر کر نظر آئیں گے جب توبہ کا وقت نہیں ہو گا۔ وہ حادثے جو قیامت کو ہوں گے اُن کی خبر آج دے دوں کہ اُس دن انکار کرنے والوں کو کیا مصیبتیں آئیں گی لہٰذا مان لو۔ اگر نہیں مانتے تو اُن کی مرضی۔

## سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں:

فرمایا: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۔۔۔ اور فرما دیجیے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا پھر تم اُن کو پہچان لو گے۔

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عنقریب تم پر جہان کو کھول دے گا، ساری نشانیاں تمہارے سامنے آ جائیں گی۔ جب موت آتی ہے، بندہ قبر میں جاتا ہے تو اُسے فرشتے نظر بھی آ جاتے ہیں اور اُن سے باتیں بھی کرتا ہے۔ اُسے جنت بھی دکھائی جاتی ہے دوزخ بھی تو اللہ کی عظمت کی سب نشانیاں سامنے آ جاتی ہیں۔ پھر تو ہر کوئی دیکھ لیتا ہے اور جب اللہ کی نشانیاں دیکھو گے پھر تو (حقیقت) سمجھ لو گے۔

فرمایا: وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

اور یہ یاد رکھو تمہارا پروردگار تمہارے کردار سے بے خبر نہیں ہے۔ جو سوچتے ہو، جو بولتے ہو، جو کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔ اب یہ تمہاری جرأت ہے کہ بعض ایسے کام ہیں جو تم بندوں کے سامنے نہیں کرتے اللہ کے سامنے کر لیتے ہو۔ یہ دیکھ لو کہ وہ دیکھ رہا ہے جانتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جھوٹ بول لیتے ہو کہ وہ حقیقت نہیں جانتے لیکن اللہ کے سامنے جھوٹ بولتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے کہ وہ تو حقیقتِ حال سے واقف ہے، باخبر ہے۔ بندوں کے ساتھ تو دھوکا کر لیتے ہو اللہ کے سامنے کیسا دھوکا!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے۔ بعض لوگ نماز میں بھی چوری کرتے ہیں کہ رکوع پورا نہیں کرتے بس تھوڑا سا جھک جاتے ہیں پھر قیام پورا نہیں کرتے۔ سجدہ کریں گے تو مرغ کی طرح ٹھونگیں ماریں گے۔ سجدہ کر کے جلسے پر نہیں بیٹھیں گے۔ کچھ نہ کچھ کتر بیونت کر کے وہ نماز میں بھی چوری کر لیتے ہیں۔ وضو میں بھی چوری کی جاتی ہے کہ لوگ جلدی جلدی پانی کے چھینٹے اڑاتے ہیں کوئی جگہ گیلی کوئی خشک رہ جاتی ہے۔ توجہ سے ہاتھ پاؤں نہیں دھوئے جاتے۔ یہ یاد رکھو کہ ہر کام ایسے کرو کہ اللہ کریم مجھے دیکھ رہا ہے اور واقعی وہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ کریم تمہارے ہر حال سے باخبر ہے۔ وہ تمہارے کردار سے کبھی بے خبر نہیں لہٰذا حضورِ حق نصیب ہو جائے تو ان شآء اللہ بات بن جائے۔ اُس کی رحمتیں وسیع ہیں اور توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس سے پہلے کہ دابۃ الارض نکلے، اس سے پہلے کہ پہاڑ غبار بن کر اُڑیں اللہ سے توبہ کی جائے۔ اپنی خطاؤں کی معافی مانگی جائے اور نیکی کی توفیق طلب کی جائے۔

# سورۃ القصص رکوع 1 آیات 1 تا 13

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى
وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ
اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ
نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ
لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَحْذَرُوْنَ ⑥ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ
فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ⑦ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ
فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ
قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ
اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ
قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ
الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ
وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ یہ روشن کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (نازل فرما کر) سناتے ہیں ان لوگوں کے (فائدے کے) لیے جو ایمان رکھتے ہیں ﴿۳﴾ بے شک فرعون ملک (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور وہاں کے رہنے والوں کو گروہ گروہ کر رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کیا کرتا تھا اور ان کی عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بے شک وہ بڑا فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا ﴿۴﴾ اور ہم کو یہ منظور ہوا کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں ہم اُن پر احسان فرمائیں اور ہم اُن کو پیشوا بنائیں اور اُنہیں (ملک کا) وارث بنا دیں ﴿۵﴾ اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکروں کو ان سے وہ (چیز) دکھا دیں جس سے وہ ڈرا کرتے تھے ﴿۶﴾ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام فرمایا کہ انہیں دودھ پلائیں تو جب ان کے بارے اندیشہ ہو (کہ جاسوسوں کو خبر ہوگئی) تو ان کو دریا میں ڈال دیں اور نہ تو کوئی اندیشہ کریں اور نہ غم یقیناً ہم اُن کو آپ کے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) انہیں پیغمبر بنا دیں گے ﴿۷﴾ تو فرعون کے لوگوں نے ان کو اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لیے دشمن اور موجبِ غم ہوں بے شک فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر (اس بارے میں) بہت غلطی پر تھے ﴿۸﴾ اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا (یہ بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو ہوسکتا ہے کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں اور وہ (انجام سے) واقف نہ تھے ﴿۹﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس (واقعہ) کو ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کیے رکھتے غرض یہ تھی کہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین رکھیں ﴿۱۰﴾ اور انہوں (والدہ) نے اُن (موسیٰ علیہ السلام) کی بہن سے کہا کہ ذرا اس کا سراغ تو لگا تو وہ انہیں دور سے دیکھتی رہی

اور ان (لوگوں) کو خبر تک نہ تھی ﴿۱۱﴾ اور ہم نے پہلے ہی ان پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی تو وہ کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ بتا دوں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ دل سے اس (بچہ) کی خیر خواہی کریں ﴿۱۲﴾ سو ہم نے اُن کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور تا کہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے ولیکن اُن میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۱۳﴾

# تفسیر و معارف

یہ سورۂ مبارکہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ اسلام کی بنیاد عقیدہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں چونکہ بنیاد رکھی جا رہی تھی اس لیے جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ بحث عقائد کی ہے اور مدنی سورتوں میں احکام پر زیادہ بحث ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں ریاست تشکیل دی جا رہی تھی لہٰذا تمام شعبۂ ہائے حیات کے لیے احکام نازل ہو رہے تھے۔ مدنی سورتوں میں اس لیے حلال حرام، جہاد وقتال، نکاح، طلاق وغیرہ پر زیادہ بحث ہے۔

عربوں میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بہت مشہور و معروف تھا لیکن کسی نے اسے کسی انداز سے اور کسی نے دوسرے انداز سے بیان کیا۔ بنی اسرائیل جب گمراہ ہوئے تو انہوں نے بہت سی من گھڑت باتیں اس میں شامل کر لیں۔ عجیب سے واقعات بنا دیے۔ انہیں اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ مفسرین کرام نے ان اسرائیلیات کو تفاسیر میں درج کیا ہے اور درج کرنے کے بعد یہ نشاندہی بھی کر دی ہے کہ یہ بات اسرائیلیوں سے آئی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو بنیاد سے انجام تک مربوط ارشاد فرمایا گیا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① حروفِ مقطعات ہیں۔ ان کے معنی اللہ کریم جانیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانیں جنہیں اللہ نے علم عطا فرمایا ہے۔ ہمارے لیے ان کی تلاوت ایسے ہی ضروری ہے جیسے باقی قرآنی آیات کی ضروری ہے۔ قرآنی آیات میں دو چیزیں ہیں۔ ایک ان کا معنی اور مفہوم اور دوسری کیفیات جو دل پر وارد ہوتی ہیں۔ قرآن کی جب تلاوت کی جائے تو ان آیات کی کیفیات دل میں آسکتی ہیں اگر دل میں خلوص ہو۔ حروفِ مقطعات کے بارے علمائے تفسیر یہی وضاحت فرماتے ہیں کہ ہمیں اگرچہ ان کے معنی معلوم نہیں لیکن ان کی تلاوت سے جو ثواب ملتا ہے، جو کیفیات قلب پر مترشح ہونی چاہیے وہ ہوتی ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ یہ روشن کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں۔ کتابِ الٰہی کی حقانیت بتائی جارہی ہے کہ یہ الکتاب ہے۔ یہ حقیقی کتاب ہے۔ یہ ایسی انوکھی، نرالی کتاب ہے جس کی بے پناہ خصوصیات ہیں جن کا کماحقہٗ احاطہ ممکن نہیں۔ الکتاب کے معنی ہیں کہ اس کے ساتھ کی دوسری کتاب کائنات میں نہیں۔ اس کی ہر بات سو فیصد سچ ہے۔ یہ محض باتیں نہیں ہیں یہ اس کتاب کی باتیں ہیں جو ہر چیز کو کھول کے رکھ دیتی ہے۔ حق بیان کرتی ہے اور پوری وضاحت سے بیان کرتی ہے۔

دنیا میں لوگ بات کرتے ہیں تو خواہ حق ہی کہہ رہے ہوں لیکن اس طرح کہیں گے، ایسا اختصار کریں گے کہ سچ بھی کہہ دیں لیکن دونوں طرف کے لوگ ناراض نہ ہوں۔ یعنی کہیں گے سچ لیکن اسے مختصر کر کے ایسے بیان کریں گے کہ جس کے حق میں ہے وہ تو خوش ہوگا لیکن جس کے خلاف ہے اس کا بھی لحاظ کر جائیں۔ اس طرح لوگ سچ بولتے ہوئے بھی درمیان سے نکل جاتے ہیں۔

فرمایا، یہ کتاب حق کو کھول کے رکھ دیتی ہے۔ کسی کو پسند آئے تو درست۔ کسی کو نہ پسند آئے تو اس کے انکار کا اثر وہ خود بھگتے گا۔ یہ کتاب کسی کا لحاظ نہیں کرتی اور بات کو واضح کر کے بیان کر دیتی ہے۔ اس کی ہر بات حق ہوتی ہے، قطعی ہوتی ہے، یقینی ہوتی ہے اور بے لحاظ ہوتی ہے۔ سچ بھی وہ مکمل ہوتا ہے جو بے لحاظ ہو۔ جس میں فریقوں کا لحاظ کرنا پڑے کہ فلاں بھی ناراض نہ ہو، یہ بھی خفا نہ ہو اور سچ بھی کہہ دوں تو پھر بات کہنے کے انداز بدلے جاتے ہیں۔ یہ کتاب ویسی نہیں ہے۔ یہ حقیقی کتاب ہے۔ اس میں ہر بات بغیر کسی لحاظ کے وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے۔

دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے انسانی مسائل کا حل بیان کرے۔ کوئی ایسی دوسری کتاب نہیں جو گزرے ہوئے واقعات کو صحت کے ساتھ بغیر شک وشبہ کے بیان کر دے۔ کوئی ایسی کتاب نہیں جو پورے انسانی معاشرے کا رہن سہن، کاروبار تجارت، حکومت وعوام ہر ایک کے فرائض بیان کر دے۔ حکومت کیسی ہوگی، امورِ خزانہ کیسے انجام دیے جائیں گے، تعلیم وتعلّم کیسے ہوگا، انصاف کیا ہے، اسے لوگوں تک کس طرح پہنچانا ہے، عدلیہ کیسی ہوگی؟ عرض زندگی کا کوئی شعبہ نہیں ہے جسے کھول کر بیان نہ کر دیا ہو۔ اس لیے اسے الْكِتٰبُ۔۔۔ کہا گیا ہے۔ یہ الْمُبِيْنِ ہے۔ سچی، کھری اور سیدھی بات بلا لحاظ ارشاد فرما دیتی ہے لہٰذا ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ صحیح صحیح سناتے ہیں۔

## حق وہی قبول کرے گا جس میں نورِ ایمان ہوگا:

فرمایا: نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام)

اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک پڑھ کر (نازل فرما کر) سناتے ہیں ان لوگوں کے (فائدے کے) لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

ہم واقعہ تو سناتے ہیں، سچ سناتے ہیں، واضح اور کھول کر سناتے ہیں۔ ہمارے سنانے میں کوئی کمی نہیں لیکن فائدہ ان لوگوں کو ہوگا جن میں نورِ ایمان ہے۔ کافر تو شاید اور بھڑک کر اس کا انکار کر کے مزید جرم اپنے سر دھر لے اور غضبِ الٰہی کو دعوت دے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ۔

طفل را گر نان دِہی بر جائے شیر
طفل بے چارہ از نان مردگی

روٹی انسان کی بنیادی غذا ہے لیکن شیر خوار بچے کو دودھ کے بجائے روٹی کھلا دیں تو وہ اسی سے مر جائے گا کیونکہ ابھی اسے روٹی ہضم ہو ہی نہیں سکتی۔ اس وقت اس کی غذا صرف دودھ ہے۔ بالکل اسی طرح سچ روح کی غذا ہے، روح کی دوا ہے۔ سچ کو ماننا، سچ پر یقین کرنا، سچ پر عمل کرنا انسانی زندگی کی ضرورت ہے لیکن جن کی زندگیاں ہی نامکمل ہوں اُن کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صرف جسم پالے ہیں روحیں مردہ کر دی ہیں۔ فرمایا، کتاب سچی ہے، بات وضاحت سے کرے گی، قصہ من وعن بیان فرما دے گی۔ وہ سارا حق ہوگا لیکن حق اسے ہضم ہوگا جس میں نورِ ایمان ہوگا۔ نورِ ایمان ہی نہ ہو تو روح مردہ ہوتی۔ مردے کون سی غذا کھاتے ہیں؟

## اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں:

اللہ کے کرم کا کوئی کنارا نہیں۔ زندگی کی مہلت عظیم نعمت ہے اور روح کی استعداد بے مثال ہے۔ جب تک مادّی زندگی موجود ہے، روح میں استعداد موجود ہے کہ اسے آپ پھر ایمان کا کلمہ پڑھا دیں تو وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے روح میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ کوئی ساری عمر بھی کفر کرتا رہے اور روح مردہ رہے، جب وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) پر دل سے یقین کر لے گا، زبان سے اقرار لے گا تو روح زندہ ہو جائے گی۔ یہ اللہ کی عجیب شان ہے!

دھاتوں میں سونا اور چاندی اللہ نے دھاتوں کے سردار بنا دیے ہیں۔ طبیب اسے دواؤں میں استعمال کرتے ہیں۔ سونے اور چاندی کا کشتہ کر دیتے ہیں۔ یہ چھائی راکھ اور خاک ہو جاتے ہیں۔ اتنی وزنی دھات کشتہ ہو کر ہلکی ہو جاتی ہے۔ سونے اور چاندی کے کشتے کی پہچان یہ ہے کہ شیشے کے گلاس میں پانی ڈالیں اس پر تھوڑا سا کشتہ ڈالیں۔ اس میں جو جزو خام ہوگا وہ نیچے بیٹھ جائے گا کہ اس میں وزن ہوگا۔ اور جو خاک ہو چکا وہ پانی پر تیرنا شروع کر دے گا۔ کشتہ ہونے کا مطلب ہے بالکل خاک ہو جانا لیکن چاندی اور سونے میں

خصوصیت ہے کہ بعض اجزاء کو ملا کر انہیں چرخ ہیٹ (heat) دیں تو یہ پھر سے سونا بن جاتا ہے۔ چاندی کا کشتہ، کشتے سے پھر چاندی بن سکتی ہے اور سونے کے کشتے سے پھر سونا بن جاتا ہے۔

اسی طرح انسانی روح مری ہوئی ہو لیکن جب تک بدن کو موت نہیں آتی وہ کلمہ مان لے، کلمہ پڑھ لے تو پھر زندہ ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اس میں ایسی خصوصیت رکھ دی ہے کہ مرنے سے پہلے جب بھی ایمان کا اقرار کر لے، روح پھر زندہ ہو جاتی ہے۔

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۞ فرمایا، فائدہ تو انہیں ہوگا جن کی روحیں زندہ ہیں، جن کے دلوں تک ایمان ویقین کی کیفیات اتریں گی۔ الفاظ تو کافر بھی سنتے تھے، مومن بھی سنتے تھے۔ الفاظ سننے سے مومن کا نورِ ایمان بڑھتا تھا اور کافر کا کفر بڑھ جاتا تھا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ الفاظ وہی ہیں۔ کافر کو صرف الفاظ پہنچے۔ اس نے اپنے نظریات کو ان سے ٹکراتے دیکھا اور بھڑک اٹھا، اس کا کفر بڑھ گیا۔ مومن کے کانوں تک الفاظ پہنچے، کیفیات دل میں اتر گئیں اور نورِ ایمان میں زیادتی کا سبب بن گئیں۔ یقین میں اور زیادتی ہوگئی، ایمان میں اور پختگی آ گئی۔

## واقعہ فرعون:

۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۞ بے شک فرعون ملک (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور وہاں کے رہنے والوں کو گروہ در گروہ کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بے شک وہ بڑا فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔

بے شک فرعون اپنے ملک میں بہت بلند اور اونچا چڑھا ہوا تھا۔ بادشاہت ہی نہیں خدائی کا بھی دعویٰ تھا۔ الوہیت کا دعویٰ کر رکھا تھا، معبود بنا ہوا تھا اور اپنی مملکت کے لوگوں سے خود کو سجدے کرواتا تھا۔ ظالم ایسا تھا کہ اپنے ملک کے شہریوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا۔ جس میں سے ایک طبقہ بنی اسرائیل کا تھا۔ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا۔۔ لفظ شیعہ کا معنی، گروہ، جماعت یا طبقہ ہے قرآن کریم میں یہ لفظ سات آٹھ مرتبہ استعمال ہوا ہے لیکن ہر مرتبہ ایسے گروہوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو دین دار نہیں تھے۔

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دورِ حکومت میں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے سارے خاندان سمیت مصر تشریف لے آئے یہی رہائش پذیر ہو گئے۔ خاندان بڑھتا رہا،

لاکھوں کی تعداد ہوگئی۔ وقت بدلتا رہا، حکمران بدلتے رہے۔ فراعین کا دور آیا تو انہوں نے اسرائیلیوں کو غلام بنالیا۔ غلام بھی ایسا جس کا قطعاً کوئی شخصی حق نہیں تھا۔ ان سے بے پناہ مشقت لی جاتی اور کوئی اجرت نہ دی جاتی۔ کھانا اور لباس اتنی مقدار میں ہی ملتا جتنا زندگی قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ بنی اسرائیل پر ظلم وتشدد میں وہ اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچے قتل کروادیتا۔

نجومیوں نے فرعون سے کہا کہ ستاروں کے حساب سے یہ سمجھ آتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ ایسا پیدا ہونے والا ہے کہ وہ تیری سلطنت اور مذہب کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکے گا۔ تیرا مذہب اور حکومت ختم ہونے کو ہے۔ اس نے کہا اس کا سدِ باب کون سا مشکل کام ہے۔ اسرائیلیوں کا جو بھی بچہ پیدا ہو اسے قتل کردو۔ جب قتلِ عام شروع ہوگیا تو پھر اس کے اپنے لوگوں نے فریاد کی کہ اس طرح تو ان کے بوڑھے مر جائیں گے، بچے قتل ہو جائیں گے تو ہماری خدمت کون کرے گا؟ فرعون نے حکم دیا کہ ان کے بیٹے قتل کردو اور بیٹیاں چھوڑ دو۔ لوگوں نے پھر فریاد کی کہ کوئی مرد نہ بچے گا تو نسل کیسے چلے گی؟ پھر فرعون نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک سال جو لڑکے پیدا ہوں انہیں قتل کردو اور دوسرے سال جو پیدا ہوں انہیں زندہ رہنے دو۔ مفسرین کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اس سال میں ہوئی جس میں لڑکے قتل ہو رہے تھے اور ہارون علیہ السلام کی ولادت اس سال میں ہوئی جس میں لڑکے زندہ رہنے دیے جاتے تھے۔

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۝ بلاشبہ وہ بہت بڑا فسادی تھا۔ یہاں بھی قرآنِ کریم نے ایک عجیب نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب فرعون نے قتل کا حکم دے دیا تو پورے ملک میں بنی اسرائیل زد میں آگئے۔ سرکاری سپاہی آتے، بچے ذبح کردیتے، قتل کردیتے اور بنی اسرائیل اتنے بے حیثیت ہو چکے تھے کہ کوئی ان سے جھگڑا تک نہیں کرتا تھا۔ کسی میں جرأت نہیں تھی۔ بنی اسرائیل چپ چاپ مرتے رہے، بچے قتل کرواتے رہے اور احتجاج تک نہ کیا تو پھر قرآن کے مفسد کہنے سے کیا مراد ہے؟

## حقیقی فساد وہ:

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپس میں جھگڑا ہو تو یہ فساد ہوتا ہے۔ حقیقی فساد وہ مختلف عذاب ہیں جو اللہ کی طرف سے نتیجے کے طور پر آتے ہیں۔ جب کوئی برائی کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کا جو ردِ عمل آتا ہے اگر وہ انسانوں کے لیے تکلیف دہ ہو تو حقیقی فساد وہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا یہ فرعون فساد کرنے والا ہے۔ اس کے کردار کی وجہ سے، فرعونیوں کے ظلم کی وجہ سے پورا معاشرہ گرفتارِ عذاب رہتا تھا۔

## دورِ حاضر کے فساد کی صورتیں اور اُن کا علاج:

آج ہر دوسرا فرد پریشان ہے۔ ہر گھر میں برائی ہے۔ بجائے اپنی اصلاح کرنے کے کہتے ہیں

ہمارے گھر میں اثرات ہیں، کاروبار پر اثرات ہیں۔ یہ اثرات کہاں سے آتے ہیں؟ یہ ہمارا کردار ہے جو ہم پر مسلط ہو جاتا ہے۔ آدمی ایک لفظ منہ سے نکالتا ہے تو وہ پوری فضا کو متحرک کر دیتا ہے۔ ہم جو کام کرتے ہیں وہ کام پوری فضا کو متاثر کرتا ہے۔ جو ارادہ ہمارے دل میں ہوتا ہے وہ اپنا اثر فضا پر چھوڑتا ہے۔ اگر دلوں میں نیکی ہو نورِ ایمان ہو، کام شریعت کے مطابق ہو، خلوص سے اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے تو اس سے پھول کھلتے ہیں، فضائیں روشن ہوتی ہیں، خوشبوئیں پھیلتی ہیں، روح معطر ہوتی ہے۔ افرادِ خانہ خوش رہتے ہیں۔ والدین، اولاد، بہن بھائی، حکمران، عوام سارا ماحول پُرسکون ہوتا ہے۔

جب ہماری سوچوں میں ظلمت ہو، برائی ہو، اس کے مطابق الفاظ منہ سے نکلتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت، غرض جو کام کریں وہ اللہ کی نافرمانی ہو تو پھر اس سے دھواں اٹھتا ہے، ظلمت و تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا جو ردِ عمل آتا ہے تو گویا آگ برستی ہے۔ اس دھوئیں میں ہمارے کردار کی چنگاریاں ہوتی ہیں۔ اللہ کریم بطورِ سزا پھر اسے بڑھا دیتے ہیں کہ اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں تم پر مزید شیطان مسلط کر دوں گا جو تمہارے ساتھ ہی رہیں گے۔ جب نافرمانیوں کے نتیجے میں دس دس شیطان اگر ایک فرد کے ساتھ ہیں پھر اُن کے اثرات تو ہوں گے! جو لوگ کہتے ہیں کہ میں چلتا ہوں تو کوئی میرے پیچھے چلتا ہے۔ رات کو ہماری چٹخنیاں کوئی کھول دیتا ہے، برتن کھڑ کھڑا دیتا ہے۔ دیواروں پر خون کے چھینٹے ہوتے ہیں وغیرہ تو پھر سمجھ لیں کہ دس دس شیطان ایک ایک فرد کے ساتھ ہیں۔ گھر میں اگر پانچ لوگ ہیں جو اللہ کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں تو پھر شیطان تو سو 100 ہو گئے۔ وہ آپ کو ڈرائیں گے اور کیا کریں گے! پھر یہ لوگ عاملوں کے پاس جاتے ہیں۔ اس پر مزید شیطان آ جائیں گے۔ اس کا علاج توبہ ہے۔ جہاں بھی ہو، جس جگہ ہو، خلوصِ دل سے اللہ سے توبہ کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا عہد کر لو اور نیکی شروع کر دو۔ اللہ انہیں دور کر دے گا۔ یہ اس کا واحد علاج ہے۔

## اللہ کریم جب اور جو چاہیں ہو جاتا ہے:

سبحان اللہ! یہ صرف وہی کر سکتا ہے، کوئی اور نہیں کر سکتا۔ فرمایا: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ اور ہم کو یہ منظور ہوا کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں ہم ان پر احسان فرمائیں اور ہم اُن کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث بنا دیں۔

ظلم کی انتہا تھی کہ ماں باپ کے سامنے ان کے لختِ جگر قتل کیے جا رہے تھے اور وہ فریاد بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جن والدین کی گود سے ان کا نوزائیدہ بچہ لے کر تلوار سے کاٹ دیا جائے اور پھر اس پر رونے کی بھی پابندی ہو،

وہ فریاد بھی نہ کر سکے تو اس سے زیادہ کمزوری کا تصور کیا ہے؟ یہ تو کمزوری کی انتہا ہے۔ زمین پر اتنا کمزور تو کوئی جانور بھی نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی شکاری آ جائے تو اس کے پاس بھاگنے کا موقع تو ہے، زخمی ہو جائے تو تڑپنے کی اجازت تو ہے، چیخنے چلّانے کی اجازت تو ہے۔ ان مظلوموں کی تو گود سے بچے لے کر ذبح کیے جائیں تو یہ نہ انہیں چھپا سکتے ہیں، نہ بھاگ سکتے ہیں۔ نہ رو سکتے ہیں نہ فریاد کر سکتے ہیں فرمایا، میں قادر ہوں میں نے چاہا کہ کمزوروں پر رحم وکرم کردوں، احسان کردوں۔ ظلم کی چکی میں پسنے والوں کو قوم کی قیادت وسیادت عطا کردوں۔ حکومت واقتدار اور اختیار دے دوں۔ جو فریاد بھی نہیں کر سکتے تھے اُن کو امام وپیشوا بنا دوں۔

اللہ کریم کا کرم جوش میں آیا، اللہ نے چاہا کہ فرعون کے خزانے، محلات، فوجیں لاؤ لشکر فرعونیوں سے لے کر روئے زمین کے ان کمزور ترین لوگوں کو دے دیں اور انہیں فرعون کے ملک کا وارث بنا دیں۔ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۞ اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ (چیز) دکھا دیں جس سے وہ ڈرا کرتے تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، فرعون، ہامان اور ان کے لشکر جس بات سے ڈرتے تھے، ہم چاہتے ہیں کہ انہیں دکھا دیں، ان کی آنکھوں کے سامنے وہ کر دکھائیں کہ جس کو قتل کرنے کے لیے تم کوششیں کر رہے تھے اس کو ہم تمہارے گھر میں، تمہاری گود میں پالیں گے۔ فرعون وہامان کو دکھا دیں گے کہ تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی ایسا فرد پیدا نہ ہو جائے جو تمہیں شکست دے، حکومت چھین لے، تمہیں رسوا کر دے۔ جس کے لیے تم نے لاکھوں بچے تہہ تیغ کر دیے اس بچے کو میں تمہاری گود میں پالوں گا۔ دکھا دوں گا کہ قدرت کے کام کیسے ہوتے ہیں۔

## اسباب کیوں ہیں؟

اللہ کریم خود مسبب الاسباب ہے تخلیق کا سارا نظام اسباب کے ساتھ منسلک ہے۔ اسباب بھی وہ خود پیدا کرتا ہے ان میں نتائج بھی وہی پیدا کرتا ہے لیکن نتائج اسباب سے ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ اللہ کریم براہ راست جو چاہیں کریں، کر سکتے ہیں تو پھر درمیان میں اسباب کیوں ہیں؟ اللہ چاہیں سورج طلوع ہو، چاہیں طلوع نہ ہو۔ اسے روشنی دیں یا اس کی روشنی بجھا دیں۔ چاہیں دن طویل کر دیں چاہیں رات ہی رہنے دیں لیکن اللہ کریم نے ایک لمبا طریقہ (Process) رکھا ہے کہ سورج چمکتا ہے، دھوپ ہوتی ہے، بادل بنتے ہیں، ہوا بادلوں کو لیے پھرتی ہے اور پھر وہاں برستی ہے جہاں اللہ برسانا چاہتے ہیں تو پھر درمیان میں اسباب کا بکھیڑا کیوں ہے؟ انہوں نے فرمایا، میں نے بھی اس پر بڑا غور کیا۔ بالآخر مجھے سمجھ آیا کہ تجلیِ ذاتی کو برداشت کرنا مخلوق کے لیے اس عالم میں ممکن نہیں۔ اللہ کریم اگر ذاتی طور پر تجلی

فرمائیں تو چیزیں معدوم ہو جائیں گی۔ کام کیا ہوں گے، مٹ جائیں گے اس لیے اللہ کریم نے اسباب پیدا کر دیے کہ اُن کے نتیجے میں کام ہوتے رہتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعے میں جہاں اللہ کریم فرعونیوں کو تباہ کرنے اور اسرائیلیوں کو حاکم بنانے کی بنیاد رکھ رہے ہیں وہاں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر الہام اور القاء کو سبب بنا رہے ہیں۔ فرمایا: وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ۔۔۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام فرمایا کہ انہیں دودھ پلائیں۔ یہاں وحی لغوی معنی میں ہے۔ اس کا ترجمہ ہے ''بات کرنا'' اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بات کی۔ الہام فرمایا یا وجدان کس طرح بات کی یہ اللہ کریم جانے اور اُمِ موسیٰ جانے لیکن ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ نے ان کے قلب میں اپنی بات ڈال دی۔

اُمّت کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی خاتون نبیہ نہیں ہوئی اور غیر نبی پر وحی نہیں آتی تو وَاَوْحَیْنَآ کا مطلب ہے کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ سے بات کی۔

فرعون نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کے قتل کے لیے ایک نظام بنا رکھا تھا۔ محلّوں میں کارندے موجود ہوتے۔ رات میں، علی الصبح یا دن کو جب بھی اور جہاں بھی بچہ پیدا ہوتا تو کارندے شہر کے انچارج کو رپورٹ بھیجتے تھے۔ وہ رپورٹ دیکھ کر سپاہی کو بھیجتا۔ اس کارروائی میں کچھ وقت لگ جاتا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے ولادت کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ سے فرمایا کہ بچے کو دودھ پلائیے۔ جب تک فرعونیوں کو اطلاع ہو تب تک آپ اپنے بچے کو محبت سے دودھ پلائیے۔ جب آپ کو فرعونیوں کے پہنچنے کا اندیشہ ہو تو: فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِ فَاَلْقِیْہِ فِی الْیَمِّ۔۔۔ جب اُن کے بارے اندیشہ ہو (کہ جاسوسوں کو خبر ہو گئی) تو اُن کو دریا میں ڈال دیں۔

اللہ کریم کی شان بہت بلند ہے۔ دُنیوی طور پر حالات یہ ہیں کہ فرعونی پہنچنے کو ہیں اور ایک ماں کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے چند گھنٹوں کے بچے کو دریا میں ڈال دو۔ بظاہر تو مشکل لگتا ہے کہ فرعونیوں سے بچانے کے لیے موجوں کے حوالے کر دیں یہ چھوٹا سا بچہ کیا تیر سکے گا؟ بچے کو فرعونیوں سے کیا بچایا، یہ تو اپنے ہاتھوں سے مار دینے والی بات ہے!

ایک ماں ہو جسے ابھی ابھی پیارا سا بیٹا عطا ہوا ہو جو اللہ کا نبی ہو اولوالعزم رسولؑ ہو جسے اللہ سے براہ راست کلام کا شرف عطا ہو تو وہ کتنا پیارا، کتنا نورانی اور کس قدر دل کو لبھانے والا بچہ ہو گا۔ ہر ماں کو بچہ قدرتی طور پر پیارا ہوتا ہے اور وہ بچہ جو آگے چل کر اولوالعزم رسول بننے والا ہو، اس کی پیشانی پر کیسا نور جگمگا تا ہو گا۔ اسے چاند سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی یہ کہنا کہ وہ چاند سا تھا، صحیح نہیں ہے۔ چاند تو ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔ نبیؑ کا مقام بہت بلند ہے تو ایسے بیٹے پر

ماں کس قدر رواری واری جارہی ہوگی!

اللہ کریم نے اس حال میں فرمایا کہ خطرہ ہو تو بچے کو کسی چیز میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا۔ یہاں سمجھ آتی ہے کہ الہام و القاء میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ جس پر وہ الہام کیا جاتا ہے اسے اس پر قطعی یقین آ جاتا ہے۔ وہ شک وشبہات میں نہیں رہتا کہ ایسا کروں یا نہ کروں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبی نہیں تھیں، ایک ولیہ تھیں۔ نبیؑ کی یہ شان ہوتی ہے کہ جو من جانب اللہ وحی آتی ہے اسے نبیؑ ڈنکے کی چوٹ پر علی الاعلان بیان کر دیتا ہے۔ وحی میں یہ قوتِ الٰہی ہوتی ہے۔ ولی کو یہ قوت باتباع نبیؑ عطا ہوتی ہے۔

فرمایا: وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۔۔۔ اور نہ تو کوئی اندیشہ کریں اور نہ غم۔ کسی بات کا اندیشہ نہ کرے کہ بچہ ڈوب جائے گا، پانی میں غرق ہو جائے گا، کوئی دریائی جانور کھا جائے گا۔ تُو نے اسے دریا میں نہیں ڈالا، تُو نے اسے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ ہم جانیں، دریا جانے، یہ بچہ جانے۔ وَلَا تَحْزَنِيْ ۔۔۔ اور دکھ بھی نہ کرنا۔ خوف اور حزن دو کیفیتیں ہیں۔ خوف کہتے ہیں، خطرہ، ڈر کو اور حزن کہتے ہیں پیارے کے دکھ کو۔ لفظ حُزن قرآن کریم میں دوسری جگہوں پر بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے غم میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لیں: وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ ۔۔۔ (یوسفؑ: 84) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غارِ ثور میں فکر مند ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا: لَا تَحْزَنْ ۔۔۔ کہیں اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کا دکھ تھا اور کہیں صدیق اکبرؓ کو اپنے محبوب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم تھا، فکر مندی تھی۔

یہاں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو موسیٰ علیہ السلام کا دکھ تھا تو لفظ 'حزن' استعمال فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا دکھ، غم نہ کرنا۔ کوئی ڈر، خوف محسوس نہ کرنا۔ جہاں بچے کے ساتھ ساتھ اپنی جان کا بھی خطرہ تھا کہ فرعونی آ جائیں گے ضرر پہنچائیں گے وہاں اللہ کریم نے وَلَا تَخَافِيْ ۔۔۔ فرمایا کہ خوف نہ کھانا۔ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ یقیناً ہم ان کو آپ کے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) انہیں پیغمبر بنا دیں گے۔ اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو تسلی دی کہ ہم اسے آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔ آپ اسے دریا میں ڈال رہی ہیں لیکن حقیقتاً آپ اسے میرے دستِ شفقت میں دے رہی ہیں۔ یہ سلامت رہے گا اور بڑا ہو کر میرے رسولوںؑ میں سے ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں اسے میں آپ سے جُدا بھی نہیں رکھوں گا۔ آپ ہی کی گود میں پالوں گا۔ اللہ کریم کی بات یعنی الہام والقاء یا وجدان میں اتنی قوت تھی کہ اُمِ موسیٰؑ نے واقعی موسیٰ علیہ السلام کو صندوق یا ٹوکرے میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا۔

## اللہ قادر ہے، مسبب الاسباب ہے:

اللہ ہی وہ ذات ہے جو قادرِ مطلق ہے۔ وہ مالک ہے جو کرنا چاہتا ہے اس کے اسباب بھی بنا دیتا ہے اور لوگوں کو اس کا ادراک بھی نہیں ہوتا۔ جیسا اس واقعے میں ہوا کہ فرعون نے جس بچے کو مارنے کے لیے اس نے ہزاروں بچے قتل کرا دیے اُسی بچے کو اللہ کریم نے فرعون کے گھر پہنچا دیا کہ اب تم اسے کھلاؤ پلاؤ، اس کے لئے ملازم رکھو، شاہی محل کے آسائش و آرام دو اور جب یہ بڑا ہو تو یہ تمہارا مضبوط دشمن بنے گا۔ فرعون جیسے متکبر کو اللہ کریم کے اسباب کے نظام کا ادراک نہیں تھا۔ وہ جو خود کو سجدے کرواتا تھا دوسروں کی مشکل کشائی کیا کرتا خود کو نہ بچا سکا!

فرمایا: فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸ تو فرعون کے لوگوں نے ان کو اٹھالیا تاکہ وہ اُن کے لیے دشمن اور موجبِ غم ہوں بے شک فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر (اس بارہ میں) بہت غلطی پر تھے۔

اللہ کی قدرت کہ اس نے بچے کو جلد ہی فرعون کے محل کی آسائشیوں میں پہنچا دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ دریا سے نہر کاٹ کر شاہی محلات سے گزاری گئی تھی۔ اسی نہر سے شاہی محلات کے باغات کو سیراب کیا جاتا تھا اور اسی کے کنارے شاہی خاندان کے لیے خوبصورت تفریحی مقام بنایا گیا تھا جہاں وہ لوگ تیراکی کرتے، کشتیاں چلاتے اور تفریح کرتے تھے۔ وہ صندوق یا ٹوکرا قدرتِ باری نے وہاں دھکیل دیا جو چند لمحوں میں وہاں پہنچ گیا جہاں شاہی خاندان بیٹھا تھا۔ صندوق میں بچہ دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ بچے پر پیار آیا، اسے اٹھالیا۔ اللہ فرماتے ہیں، فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا کہ یہ فرعون، ہامان اور اس کے لشکروں کی تباہی کا سبب بن جائے اور یہ لوگ کس قدر خطا کار تھے، کتنی بڑی غلطی پر تھے کیونکہ عظمتِ الٰہی انکار کیے بیٹھے تھے اور اپنے ہی انجام سے بے خبر تھے۔ فرعون دیکھ کر ٹھٹھک گیا کہ یہ کسی اسرائیلی کا بچہ ہے اس نے قتل کے ڈر سے دریا میں ڈال دیا ہے لیکن اللہ کریم مسبب الاسباب ہیں۔ اللہ نے فرعون کی اہلیہ کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی۔ ویسے بھی بے اولاد تھی، نومولود کو دیکھا تو پیار آ گیا۔ پھر بچہ بھی عام بچہ نہیں تھا، اللہ کا پیغمبرؑ تھا اس کے چہرے پر، پیشانی پر کیا انوار رقصاں ہوں گے! اسے بہت پیارا آیا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا (یہ بچہ) میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو ہو سکتا ہے کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں اور وہ (انجام سے) واقف نہ تھے۔

فرعون کی بیوی بول اُٹھی کہ یہ بچہ تو بہت ہی پیارا ہے۔ ہماری اولاد نہیں ہے۔ دیکھو! یہ تو ہمیں غیب سے مل گیا

ہے۔ہم اسے اپنے انداز سے پالیں گے تو یہ ہماری قوتِ بازو بن جائے گا۔ ہوسکتا ہے ہم اسے بیٹا بنالیں اور یہ ہمارا وارث بن جائے۔ یوں اللہ کی قدرت کے مظاہر سامنے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی جگہ کا بہترین انتظام ہو گیا لیکن جنہوں نے آپؑ کو اٹھایا تھا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ۝۹ انہیں یہ پتا نہیں تھا کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ ان کی عقل وخرد نے وہاں تک کام کیا جہاں تک انسان سوچ سکتا ہے۔ جو مالک کرنا چاہتا ہے اس کا انہیں ادراک نہیں تھا۔ جہاں فرعون وہامان اپنی بدطینت ہونے کے باعث انجامِ بد کی طرف رواں تھے وہاں فرعون کی بیوی کی نیک بختی اس کو قربِ الٰہی کی طرف لے جارہی تھی۔ بعد کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت اور اُن کی رفاقت میں یہ پاک طینت بی بی فرعون کے ہاتھوں قتل ہوگئی۔ ان کی شہادت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ قرآن نے ان کے مثالی ایمان کی یوں تعریف فرمائی ہے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ فِرۡعَوۡنَ ۘ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِىۡ عِنۡدَكَ بَيۡتًا فِى الۡجَـنَّةِ وَنَجِّنِىۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ (التحریم:11) اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لیے اللہ نے فرعون کی بیوی کی مثال ارشاد فرمائی ہے۔ جب انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! میرے لیے جنت میں اپنے قرب میں گھر بنایئے اور مجھے فرعون اور اس کے (بُرے) کاموں سے نجات بخشیں اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھے نجات عطا فرمائیں۔

اللہ کی اس بندی نے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام سے محبت کی۔ جب جوان ہو کر آپؑ نے حق کی دعوت دی تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی۔ جب آپؑ کا اور فرعون کا مقابلہ شروع ہوا تو بھی انہوں نے آپؑ کی حمایت کی۔ نبیؑ کا احترام، نبیؑ سے محبت کا اللہ نے انہیں انعام دیا نورِ ایمان بھی دیا اور آپ کے ایمان کی مثال بھی مومنین کے لیے مشعلِ راہ بنادی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ ان کے ایمان لانے پر فرعون جب بہت سیخ پا ہوا اور انہیں شدید سزائیں پہنچا کر قتل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اللہ سے یہ دعا مانگی تو اللہ کریم نے فرعون کے سزا دینے سے پہلے اُن کی روح قبض فرمالی۔ دنیا میں ہی ان کے سامنے سے تمام حجابات ہٹادیے گئے۔ جنت میں اپنے قرب میں ان کا گھر انہیں دکھادیا گیا کہ آخرت میں، جنت میں وہ پاک بی بی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں ہوں گی۔

دوسری طرف اُم موسیٰؑ کا حال بھی سنیے۔ وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا۔۔۔انہوں نے جب بیٹا دریا میں ڈال دیا تو بے قرار ہوگئیں۔ جب تک ڈالا نہیں تھا مضبوط رہیں اس لیے کہ اللہ کریم کی طرف سے یہ حکم ان پر القاء ہوا تھا۔ الہام وجدان کی یہ کیفیت حکم کے پورا ہونے تک قائم رہی۔ جب کام مکمل ہوگیا تو وہ کیفیت جاتی رہی۔ پھر کہنے لگیں میں نے یہ کیا ظلم کیا بیٹا دریا میں ڈال دیا، اپنی گود خود ہی اجاڑ دی۔ فرعونی قتل کرتے تو پتا ہوتا کہ انہوں نے قتل کردیا۔ اب تو مجھے کچھ پتا نہیں بچے پر کیا گزری ہے۔ اب ان کا دل پھٹنے کو آگیا قریب تھا کہ وہ خود ہی چیخ

چیخ کر کہہ اٹھتیں کہ میں نے اپنا بیٹا دریا میں ڈال دیا۔ بات فرعون تک پہنچ جاتی فرعون کو یقین ہوجاتا کہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے۔ بچہ قتل ہوجاتا۔

## رابطہ:

اللہ کریم فرماتے ہیں: اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩ قریب تھا کہ وہ اس (واقعہ) کو ظاہر کردیتیں اگر ہم انکے دل کو مضبوط نہ کیے رکھتے غرض یہ تھی کہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین رکھیں۔

ایک ماں کے لیے یہ بیقراری بہت فطری امر تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے ان کے دل سے رابطہ کیا۔ جب ربّ کریم کی ذات کسی قلب سے رابطہ کرے تو وہ ربّ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ جب ربط باللہ نصیب ہوگیا تو پھر سکون ہوگیا۔ پھر بات بھی کی تو دل میں ہی کی اور اسی سے کی جو دلوں کا مالک ہے۔ دکھ کا اظہار کیا تو اُسی سے کیا۔ مخلوق سے بات بالاتر ہوجائے تو رابطہ نصیب ہوتا ہے، تعلق باللہ نصیب ہوجاتا ہے۔ بات مخلوق سے اوپر چلی جاتی ہے۔

## رابطے کا حاصل کیا ہے؟

فرمایا، ہم نے ان کے دل سے رابطہ کیا تاکہ انہیں اللہ کے وعدے پر یقین حاصل ہوجائے۔ جب اللہ کی طرف سے ان کے قلب سے رابطہ ہوا تو اس رابطے کے نتیجے میں انہیں اللہ کے وعدے پر یقین حاصل ہوگیا۔ وہ اپنے راز کو افشانہ کرنے کی قوت پا گئیں۔ اس پر جم گئیں اور لوگوں کو بتانے سے باز رہیں۔ بندے کی کوشش اس کی اپنی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے لیکن جب اللہ رابطہ فرماتے ہیں تو یہ اللہ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ فرمایا، ہم نے اُمِ موسیٰ ؑ سے جو وعدہ کیا تھا کہ تم بچے کو دریا میں ڈال دو ہم تمہیں تمہارا بچہ لوٹا بھی دیں گے اور اسے اپنی رسالت سے بھی نوازیں گے۔ اس حکم کے پورا کرنے کے بعد ان کے دل میں لرزش پیدا ہوگئی تو اللہ نے ان کے دل سے رابطہ کر کے انہیں اپنے وعدے پر یقین سے مستحکم کردیا۔ انہیں اللہ کی بات پر یقین نصیب ہوگیا اور پُرسکون ہوگئیں۔ قرآن کریم نے اس بات کو متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ دو مقامات خصوصاً ہیں۔ ایک یہاں اُمِ موسیٰ ؑ کے ساتھ رابطہ اور دوسرا اصحاب کہف کے ساتھ کہ جب وہ سب سے کٹ کر، الگ ہو کر غار میں چلے گئے تھے تو ہم نے ان کے دلوں سے رابطہ رکھا۔ دونوں جگہ یہ رابطہ اللہ کریم نے خود فرمایا اور جن سے کیا ان کا ایمان مثالی ٹھہرا۔

## تصوف میں رابطہ اور اس کا حاصل:

تصوف کی راہ میں لطائف کے بعد رابطہ پہلا قدم ہے۔ یہ باقاعدہ سکھایا جاتا ہے۔ یہ لطائف کے بعد کروایا جاتا ہے کہ یہ دھیان کرو کہ لفظ اللہ تو قلب میں جائے مگر جب سانس خارج ہو تو "ہو" کی ٹکر عرشِ عظیم سے لگے تو یہ انوارات اللہ کریم سے رابطہ عطا فرما دیتے ہیں۔ اس کو اصطلاحِ تصوف میں رابطہ کہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ کریم بہت بڑی نعمت عطا فرماتے ہیں کہ نیکی کی رغبت، نیکی کی توفیق، برائی سے دوری، برائی سے حفاظت عطا فرما دیتے ہیں۔ گویا رابطہ کا نتیجہ یقینِ کامل کا حصول ہے۔ اللہ کے احکام پر یقین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین جو ایمان کے کامل ہونے کے لیے ضروری ہے۔ ایمان کیا ہے؟ یقینِ کامل ہے۔ ایمان حق الیقین کا نام ہے۔ یقین کے، علم کے بھی درجے ہیں۔ علم الیقین یہ ہے کہ جیسے دور سے دھواں اٹھتا ہوا دیکھا تو یقین آ گیا کہ وہاں آگ ہے کیونکہ آگ کے بغیر دھواں نہیں اٹھتا۔ دھواں آگ کے ہونے کی دلیل بن گیا۔ اور ہمیں آگ کے ہونے کا علم ہو گیا۔ عین الیقین یہ ہے کہ قریب جا کر خود آگ کو دیکھ لیا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آگ جل رہی ہے اور دھواں اُٹھ رہا ہے۔ حق الیقین یہ ہے کہ آپ کا ہاتھ آگ میں چلا جائے اور آگ جلا دے تو پھر جو یقین ہوتا ہے وہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

ایمان میں حق الیقین اعلیٰ درجہ ہے کہ جسے شفقتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو جائے۔ بندہ اس کی لذت سے آشنا ہو جائے۔ ان کیفیات سے آشنا ہو جائے تب جا کر ایمان کامل ہوتا ہے۔

الحمدللہ ہم پیدائشی طور پر مسلمان ہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے۔ صدیوں سے ہماری نسلیں مسلمان چلی آ رہی ہیں لیکن کیا ہمیں ایمان کا وہ درجہ نصیب ہے کہ جو ہمیں خلافِ اسلام جانے سے روک دے؟

تصوف، ایمان کے اس درجے کے حصول کا نام ہے کہ اللہ کے وعدوں پر یقینِ کامل نصیب ہو جائے جو کردار میں مثبت تبدیلی کا سبب بنے۔ ہمارے لیے یہ مقامِ غور ہے کہ جب ہم رابطہ کرتے ہیں تو یہ اثر ہونا چاہیے کہ احکامِ شریعت جان سے زیادہ عزیز ہو جائیں۔ دولت سے عزیز، آرام سے عزیز، دنیا کی ہر لذت سے عزیز تر ہو جائیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنا امتحان لینا چاہیے کہ میں کوشش کر رہا ہوں تو مجھے یہ نتیجہ نصیب ہونا چاہیے کہ شریعت پر اعتماد آ جائے اور میرا کردار شریعت کے سانچے میں ڈھل جائے۔

## اللہ کا وعدہ سچا ہے:

اُم موسیٰ ؑ نے سکون پا کر تدبیر اختیار کی: وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور انہوں (والدہ) نے اُن (موسیٰ علیہ السلام) کی بہن سے کہا کہ ذرا سراغ تو لگا تو وہ انہیں دور سے دیکھتی رہی اور ان (لوگوں) کو خبر تک نہ تھی۔

اپنی بیٹی سے کہا کہ دریا کے ساتھ چلی جاؤ۔ بظاہر معلوم ہو کہ کسی کام سے جا رہی ہو لیکن بھائی پر ایسے نگاہ رکھنا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ ادھر قدرتِ باری نے بچے کو ماں کے پاس واپس پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ وہ یہ کہ:

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ اور ہم نے پہلے ہی ان دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی تو وہ کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتا بتا دوں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ دل سے اس (بچہ) کی خیر خواہی کریں۔

شاہی خاندان نے بچے کو جب اٹھایا تو اب اس کے لیے دودھ پلانے والی خواتین کو طلب کیا گیا۔ اللہ کریم نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو کسی بھی خاتون کا دودھ پینے سے من جانب اللہ روک دیا گیا تھا۔ جو دودھ پلانے والی گود لیتی آپؑ روتے، چلّاتے اور دودھ نہ پیتے۔ اسی اثنا میں آپؑ کی بہن وہاں پہنچ گئیں اور انہیں پیشکش کی کہ وہ ایسی خاتون کو جانتی ہیں جو بہت اعلیٰ طریقے سے بچے کی پرورش کر سکتی ہیں۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ سو ہم نے ان کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور تا کہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے ولیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فرمایا، اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں ہی ان کی والدہ کو واپس کر دیا۔ ہمارا وعدہ سچا ہو گیا۔ ہم نے بچہ ماں کو لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا رہے اور بچے کا دکھ نہ رہے۔ جدائی کی تکلیف یا یہ غم کہ بچہ کس حال میں ہے، اسے کس نے دودھ دیا ہو گا، کیسے رکھا ہو گا؟ ہم نے بچہ اس کی گود میں واپس دے دیا تا کہ وہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہے اور یہ یقین بھی ہو جائے کہ اللہ کے وعدے حق ہوتے ہیں۔ اللہ جو فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے، سچ ہوتا ہے لیکن انسانوں کی اکثریت اس بات سے بے خبر ہے۔ انسانوں کو اس بات کی فکر ہی نہیں کہ اللہ نے کیا فرمایا ہے اور کن کاموں کو کرنے پر انعام کی بشارت ہے اور کون سے کاموں سے روکا ہے اور اس پر عذاب کی وعید ہے۔ اگر یہ یقین کامل ہو جائے تو کون ہے جو انعام چھوڑ کر عذاب کی طرف جائے گا، بھلائی چھوڑ کر برائی کی طرف جائے گا۔ اللہ کی نافرمانی یقین کی کمزوری کی دلیل ہے اور یقین کو ہی ایمان کہا جاتا ہے۔

# سورۃ القصص رکوع 2 آیات 14 تا 21

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا
رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ
مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ
هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ
نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ
اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا
يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى
اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ
يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ
تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ
رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ
لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا
يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور (قوتِ جسمانیہ اور عقلیہ سے) درست ہو گئے (تو) ہم نے ان کو حکمت اور علم (نبوت) عطا فرمائے اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ

دیا کرتے ہیں ﴿۱۴﴾ اور وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے رہنے والے بے خبر ہو رہے تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ ایک ان کے گروہ کا تھا اور دوسرا ان کے مخالفین میں سے تھا تو جو ان کے گروہ میں سے تھا اس نے ان کے مخالف گروہ والے کے خلاف ان سے مدد چاہی تو موسیٰ (علیہ السلام) نے ایسا گھونسا مارا سو اس کا کام تمام کر دیا۔ فرمانے لگے یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی۔ بے شک وہ (ظاہر باہر انسان کو) گمراہ کرنے والا، کھلا دشمن ہے ﴿۱۵﴾ انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! بے شک مجھ سے قصور ہو گیا ہے تو آپ مجھے معاف فرما دیجیے سو اس (اللہ) نے انہیں معاف فرما دیا۔ بے شک وہ بڑے بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں ﴿۱۶﴾ انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! جیسا کہ آپ نے مجھ پر (بہت بڑا) انعام فرمایا ہے سو میں کبھی مجرموں کے لیے مددگار نہ بنوں گا ﴿۱۷﴾ الغرض صبح کے وقت شہر میں ڈرتے ڈرتے وحشت کے عالم میں داخل ہوئے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی پھر اُن کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا بے شک تُو صریح گمراہ ہے ﴿۱۸﴾ پس جب انہوں نے ارادہ فرمایا کہ اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑیں تو وہ (جوان کے گروہ کا آدمی تھا) کہنے لگا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! جس طرح آپ نے کل ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا آپ چاہتے ہیں کہ مجھے بھی قتل کر دیں (معلوم ہوتا ہے) کہ آپ دنیا میں اپنا زور بٹھانا چاہتے ہیں اور آپ نہیں چاہتے کہ آپ اصلاح کرنے والوں میں سے ہوں ﴿۱۹﴾ اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے (جہاں مشورہ ہو رہا تھا) دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا اے موسیٰ (علیہ السلام)! بے شک اہلِ دربار آپ کے بارے مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں تو آپ (یہاں سے) نکل جایئے یقیناً میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں ﴿۲۰﴾ پس وہ وہاں سے (کسی طرف) نکل گئے خوف اور وحشت کے عالم میں (اور) دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمایئے ﴿۲۱﴾

# تفسیر و معارف

## واقعہ کا تسلسل:

موسیٰ علیہ السلام کا بچپن فرعون کے محل میں گزرا، لڑکپن گزرا۔ جب بلوغت آئی تو تب تک آپؑ سارے شاہی اطوار سیکھ چکے تھے۔ شاہی انداز سیکھ چکے تھے اور دربارِ شاہی کی نزاکتوں سے بھی واقف تھے۔ بادشاہ اور رعیت کے معاملات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ شاہی عدالتیں دیکھ چکے تھے۔ بادشاہ کی خوشی اور ناراضگی کے نتائج بھی دیکھ چکے تھے۔ فرمایا: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور (قوتِ جسمانیہ اور عقلیہ سے) درست ہو گئے (تو) ہم نے ان کو حکمت اور علم (نبوت) عطا فرمائے اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

بلوغت جسمانی بھی ہوتی ہے اور عقل و شعور کی بھی یعنی جب آپؑ ہر طرح سے بالغ ہو گئے تو اللہ کریم نے آپؑ کو حکمت اور علم عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو آپؑ کی زندگی میں کئی واقعات رونما ہوئے۔ قبطی کا قتل ہو گیا۔ یہاں سے بھاگ کر شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ آٹھ یا دس سال وہاں رہے۔ واپسی پر کوہ طور پر جب پہنچے تو نبوت عطا ہوئی۔ فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا۔ سمجھنا چاہیے کہ آپؑ کی بعثت تو برسوں بعد ہوئی لیکن اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ جیسے ہی آپؑ عاقل بالغ ہو گئے آپؑ کو حکمت و علم عطا کر دیا گیا تو یہ کون سے علوم اور حکمت تھے؟۔

## ولایتِ نبوت:

یہ وہ نعمت ہے جو ہر نبیؑ کو نبوت و بعثت سے پہلے عطا ہوتی ہے۔ اسے نبیؑ کی ولایت کہتے ہیں۔ یوں تو ولایت کسبی ہے لیکن نبیؑ کو ولایت کسی مجاہدے، کسی محنت کی بنیاد پر نہیں بلکہ انبیاؑ کی ولایت نبوت کی طرح وہبی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی عطا ہوتی ہے، اللہ کی طرف سے بخش دی جاتی ہے۔ یاد رہے ولایتِ نبوت صرف انبیاؑ کا خاصہ ہے۔ غیر نبی ولایت کا وہ درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتا جو درجہء ولایت نبیؑ کو قبل از بعثت عطا ہوتا ہے۔ انسان چونکہ بلوغت پر مکلف بنایا گیا ہے کہ جب تک بالغ نہیں ہوتا، احکامِ شریعت کا مکلف نہیں ہے۔ نبیؑ جب مکلف ہوتا ہے تو اسے اسی وقت حکمت و دانائی اور علوم عطا ہو جاتے ہیں۔ حکمت کیا ہے؟ ذاتِ باری کی عظمت کا شعور دانائی ہے، اللہ سے تعلق قائم کرنا دانائی ہے۔ اللہ کریم کی عظمت کو جاننا اور اس سے وابستہ ہو جانا دانائی ہے۔ علم کیا ہے؟ اس کام کی باریکیوں اور

اس کے راستوں کو سمجھنا۔ انبیاؑ کو ولایت بھی اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ وہبی ہوتی ہے۔ ہر نبیؑ بعثت سے پہلے ولی اللہ ضرور ہوتا ہے اور انبیاؑ کی ولایت ان کی مخصوص شان کے مطابق ہوتی ہے۔ ماوشما وہاں پَر نہیں مار سکتے۔

## اعلیٰ حضرت کی تحقیق:

عالمِ امر میں رسائی اتنا آسان کام نہیں ہے۔ بڑی محنت لگتی ہے۔ برصغیر میں اسلام عہدِ نبویؐ میں پہنچ چکا تھا۔ عہدِ نبویؐ میں جو تاجر یہاں آئے ان کے ذریعے پہنچا۔ پھر صحابہؓ کے عہد میں جو فتوحاتِ اسلامیہ ہوئیں ان کے ذریعے پہنچا۔ آج کل کا جو عمان ہے اس عہد میں کسی اور ریاست کا حصّہ ہوتا ہوگا۔ بہر حال وہاں ایک بہت بڑی تجارتی منڈی لگتی تھی۔ جس میں مغرب کے لوگ آتے، برصغیر سے آتے اور چین تک کے کاروباری لوگ اس میں شریک ہوتے تھے۔ بعد میں وہ شہر کسی حادثے کے تحت زیرِ زمین چلا گیا۔ آج کل اس کے کھنڈر دریافت ہو رہے ہیں۔ غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو علاقہ برصغیر کا علم تھا اور چین کا بھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات میں ان دونوں علاقوں کا ذکر ہے۔ ایک ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہندوستان کے بارے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہندوستان سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ اور نسائی شریف کی روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے غزوۃ الہند کی بشارت دی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ علم کی تلاش میں نکلو خواہ چین تک جانا پڑے۔ چونکہ عرب سے چین بہت دور تھا تو فرمایا کہ بہت دور بھی جانا پڑے تو بھی علم حاصل کرو۔ اسی طرح ہندوستان کا ایک پہناوا شلوار بھی ہے۔ کسی تاجر کے ذریعے یہ عرب پہنچی اور کسی صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پسند فرمایا اگرچہ زیبِ تن نہیں فرمائی۔

عالمِ امر سے گزرتے ہوئے بعض دوائر آتے ہیں جو ولایتِ انبیاؑ ہیں۔ وہ مقام ولایتِ انبیاؑ ہے۔ یعنی وہ ولایت جو نبیؑ کے پاس مبعوث ہونے سے پہلے ہوتی ہے۔ یہ ولی کی جگہ نہیں ہے تو پھر ولی وہاں کیسے پہنچتا ہے؟ وہ باتباعِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پہنچتا ہے بالکل اس طرح جس طرح بادشاہ کے محل میں اس کے خادم پہنچتے ہیں۔

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت (حضرت مولانا اللہ یار خانؒ) کی محفل میں کسی ساتھی نے پوچھا کہ عالمِ امر میں برصغیر کے کتنے ولی اللہ پہنچے ہیں تو آپؒ نے صاحبِ مشاہدہ حضرات کو بٹھایا۔ چودہ صدیوں میں پورے برصغیر میں غالباً چودہ یا پندرہ حضرات ایسے ملے جو عالمِ امر میں تھے اور جن کا وصال انہی منازل پر ہوا۔ جن کے منازل ولایتِ انبیاؑ یا اس سے بھی نیچے تھے۔ حالانکہ اسلام تو برصغیر میں عہدِ نبویؐ میں ہی آچکا تھا۔ باقاعدہ غلبۂ اسلام عہدِ صحابہؓ میں شروع ہو گیا۔ تابعین، تبع تابعین کے عہد میں تو آدھا ہندوستان فتح ہو چکا تھا۔ یہ عالمِ امر کے منازل پانا اتنا آسان نہیں ہے۔ اور اس کے حصول کا سبب خلوص سے اتباعِ رسالت ہے۔ وہاں جانے کا ایک ہی سبب ہے کہ

دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھاما ہوا ہو۔ اس کے بغیر ممکن نہیں۔

فرمایا: وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اور جو لوگ خلوصِ دل کے ساتھ میری اطاعت کا حق ادا کرتے ہیں۔ انہیں ہم ایسے ہی نوازا کرتے ہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو حکمت و علم سے نوازدیا گیا تو آپؑ غلط کاموں پر روک ٹوک کرنے لگے۔ فرعون تناؤ کا شکار ہو گیا۔ اس پر مزید یہ کہ: وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ۔۔۔ اکثریت اہل شہر کی غافل تھی، سونے کا وقت تھا یا اکثریت آرام کر رہی تھی۔ بازاروں میں ریل پیل نہیں تھی اکا دکا لوگ تھے تو آپؑ اس وقت شہر میں داخل ہوئے ا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ۔۔۔ آپؑ نے دیکھا دو بندے آپس میں جھگڑ رہے ہیں لڑ رہے ہیں۔ وہ لڑنا کیا ہوتا تھا۔ اسرائیلی کمزور تھے ہاتھ تو نہیں اٹھا سکتے تھے اور قبطی انہیں بے دردی سے مارا کرتے تھے۔ کوئی مشقت پر لگا ہوا کمزور بندہ کمزوری سے بھی گر جاتا وہ کوڑا برساتے تھے کہ اٹھ کر کام کرو۔ ایک اسرائیلی تھا، دوسرا قبطی تھا اور وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے قبطی اسے مار رہا تھا۔

## لفظ شیعہ:

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ ۔۔۔ ایک تو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ کا تھا۔ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۔۔۔ دوسرا قبطی تھا ان کے مخالفین کے گروہ کا اور انہیں مخالفت تو آل فرعون سے تھی۔ یہاں اسرائیلی کے لیے اللہ نے لفظ 'شیعہ' استعمال کیا ہے شیعہ کا لفظی ترجمہ گروہ ہے، جماعت، گروہ، پارٹی لفظی معنی گروہ ہی ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً آٹھ جگہ یہ لفظ اللہ نے استعمال فرمایا ہے۔ ان گروہوں پر استعمال فرمایا جو گمراہ تھے۔ قرآن میں کسی نیک گروہ کو شیعہ نہیں کہا گیا، لفظِ شیعہ کی یہی تفصیل ملتی ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام مبعوث بھی نہیں ہوئے کوئی ایمان نہیں لایا، کسی کو اسلام کا پتا ہی نہیں تو اسرائیلی کب سے مسلمان ہو گئے۔ لیکن وہ دھڑہ پارٹی یا گروہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ چونکہ آپ بھی اسرائیلی تھے اور دوسرا قبطیوں میں سے تھا۔ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۔۔۔ تو جو، ان کے اپنے گروہ کا فرد تھا اس نے دوسرے کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام کو پکارا، مدد چاہی فرمایا مجھے اس سے بچائیں مجھے اس سے چھڑائیں فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى ۔۔۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے چھڑانے کے لیے گھونسا دے مارا۔ فَقَضٰى عَلَيْهِ ۔۔۔ سو اس کا کام تمام کر دیا۔ یعنی گھونسا ایسا لگا کہ وہ مر ہی گیا۔ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۔۔۔ فرمانے لگے یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی۔ ولایتِ نبوت ان کے پاس تھی۔ انہوں نے فوراً کہا یہ کام میرا نہیں شیطان کا کام ہے۔ یہ کام درست نہیں ہے۔

مجھ سے یہ کام غلط ہو گیا ہے۔ یہ شیطان کا کام ہے۔ مفسرین کرام یہاں لکھتے ہیں کہ شیطان کو تو پتا تھا کہ انؑ کے پاس ولایت ہے کل کو یہ نبیؑ ہوں گے اور یہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بنیں گے اور میری مخالفت کریں گے۔ جو میرے پیروکار ہیں اور جو میری باتیں مانتے ہیں، ان کو روکیں گے تو اس نے قبل از بعثت ایک ایسا مسئلہ کھڑا کر دیا اور کوشش کی کہ انہیں ابھی سے الجھا دوں۔ الجھاؤ تو بن گیا۔ ان کو لڑا دیا وہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ آپؑ آئے تو آپؑ نے روکا وہ آپؑ پر حملہ آور ہوا آپؑ نے گھونسا مارا وہ مر گیا۔ تو فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ شیطان کی بدمعاشی ہے اس نے یہ فساد بنا رکھا ہے اور مجھے الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ وہ انسان کا کھلا دشمن بھی ہے اور گمراہ کرنے والا بھی۔ کھلی کھلی دشمنی بھی کرتا ہے اور انسان کی گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قتل کے ارادے سے تو اسے مُکا نہیں مارا تھا۔ ظالم کو روکنے کی کوشش کی تھی یہ مستحسن عمل تھا لیکن انہیں فوراً خیال آیا کہ اس کے باوجود یہ میری شان کے مطابق نہیں تھا۔ مجھے زیب نہیں دیتا تھا۔ اس کا مرنا اتفاقی امر تھا انہوں نے قتل کے ارادے سے نہیں مارا تھا۔ اسے ظلم کرنے سے روکنے کے لیے مارا تھا۔ اس کی موت واقع ہو گئی۔ لیکن انبیاؑ کا دامن بہت نفیس ہوتا ہے۔ اس پر کوئی ہلکی سی خراش بھی وہ برداشت نہیں کرتے۔ عرض کی: قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ۔۔۔ انہوں نے کہا یا اللہ! میں نے اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگرچہ شیطان نے سازش کی شیطان نے سارا ماحول بنایا۔ مجھے اس میں الجھا دیا۔ اس کا پروگرام تو یہ تھا کہ انہیں نبوت سے پہلے کہیں ٹھکانے لگا دے اور واقعی اس کے پروگرام کا بہت اثر ہوا۔ فرعون تک خبر پہنچی۔ فرعون نے قتل کا حکم صادر کر دیا وہاں سے بھاگنا پڑا، ہجرت کرنا پڑی تو فرمایا: رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ۔۔۔ یا اللہ! میں نے اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے اگر شیطان نے یہ سارا ماحول بنایا بھی تھا تو مجھے اس میں نہیں الجھنا چاہیے تھا۔ فَاغْفِرْ لِيْ ۔۔۔ اے اللہ تو مجھے معاف فرما فَغَفَرَ لَهٗ ۔۔۔ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اللہ نے بخش دیا عام انسان کے لیے وہ جرم نہیں تھا ظالم کو ظلم کرنے سے روکنے کے لیے یہ اقدام کیا۔ اس کے قتل کا ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اسے گھونسا ایسا لگا کہ وہ مر گیا۔ تو یہ حادثاتی امر تھا۔ لیکن دامنِ نبوت کی نزاکت اسے بھی برداشت نہیں کرتی لہٰذا آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ میرا جو تعلق تجھ سے ہے اس کے مطابق یہ امر نہیں ہونا چاہیے تھا پس مجھے معاف فرما۔ اور اللہ کریم نے آپؑ سے کرم کا معاملہ فرمایا۔ جب اللہ کریم نے معاملہ ختم کر دیا تو اس آیت سے، اس بات کو لے کر کوئی اگر عظمتِ موسوی پر اعتراض کرے تو پھر اسے سوچنا چاہیے کہ خلاف ورزی ہوئی یا غلطی ہوئی تو اللہ کے حکم کی ہوئی اللہ نے فوراً کہا فَغَفَرَ لَهٗ ۔۔۔ میں نے معاف کر دیا۔ تو معترض کے پاس کیا رہتا ہے کہ اعتراض کرے!

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ بے شک اس کی شان یہ ہے کہ وہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا

ہے۔لہٰذا لوگو! گناہوں سے ڈر کر اور دور نہ بھاگا کرو۔ غلطی ہو جائے۔ گناہ ہو جائے پھر بھی بارگاہ اسی کی ہے۔ وہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔ رجوع الی اللہ کرو، توبہ کرو، اسی کے پاس آؤ، وہ معاف فرما دے گا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِيۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۷﴾ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی بارالٰہا! جس طرح تو نے مجھ پر رحم فرمایا۔ مجھ پر انعام فرمایا کہ میری خطا معاف کر دی، بخش دیا۔ مجھ پر انعام فرمایا کہ میری خطا معاف کر دی، بخش دیا۔ مجھ سے جو عمل ہوا تھا وہ اگر غیر موزوں بھی تھا تو آپ نے اسے معاف کر دیا۔ میں آئندہ کسی مجرم کا مددگار نہیں بنوں گا۔

توبہ کی بھی سمجھ آ گئی کہ توبہ کی جائے تو قبول ہو جاتی ہے۔لیکن توبہ کیا ہے؟ ایک عہد ہے کہ یا اللہ جو میں کر چکا ہوں وہ تُو معاف کر دے۔ آئندہ میں برائی نہیں کروں گا اور عملاً اپنی عملی زندگی میں تبدیلی لائے۔ برائی چھوڑ کر اتباع شریعت اور نیکی اختیار کر لے۔ یہ توبہ ہے۔ اگر توبہ توبہ بھی کرتا رہے اور برائی بھی کرتا رہے تو یہ تو ایک طرح کا مذاق ہے، یہ ایک الگ جرم ہے جس کی الگ گرفت ہو گی۔

فرمایا، آپ نے مجھ پر انعام فرمایا ان شاء اللہ میں آئندہ مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔ وہ دن تو گزر گیا۔ عہد فرعون کے جو قبطی تھے ان کے سامنے تو کوئی دم نہیں مار سکتا تھا یہاں ایک قبطی قتل ہو گیا یہ تو ایک بڑا بہت بڑا جرم ہو گیا اور انتہا ہو گئی کہ قبطیوں کے سامنے کوئی آنکھ نہیں اٹھا سکتا تو کوئی قبطی کو قتل ہی کر دے! تو بڑی ڈھنڈیا پڑی اور بڑا شور اٹھا۔ شاہی دربار تک بات گئی کہ آج شہر میں ایک قبطی کی لاش ملی ہے۔ اسے کسی نے قتل کیا ہے۔ طوفان آ گیا کہ ایسا کون ہے جو قبطی کو قتل کر دے۔ اتنی جرأت کس کی ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی سارا شور اور سپاہیوں کی دوڑ بھاگ دیکھی اِدھر اُدھر تفتیش، انکوائری ہو رہی ہے کہ پتا لگاؤ کس نے قتل کیا۔ انہونی سی بات ہو گئی۔ ایسا تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ فَاَصۡبَحَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۔۔۔ دوسرے دن صبح کے وقت ڈرتے ڈرتے شہر میں داخل ہوئے وحشت کے عالم میں، ڈرتے ڈرتے کہ شاید وہ لوگ پکڑ ہی نہ لیں۔

فَاِذَا الَّذِى اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَسۡتَصۡرِخُهٗ ۔۔۔ دیکھا کہ یہ تو وہی بندہ جس کی کل شام مدد کی تھی آج پھر پکار رہا ہے پھر کسی سے مار کھا رہا ہے۔ پھر کوئی الٹا کام کر بیٹھا ہے۔ قبطی اسے چاقو اور کوڑوں سے پیٹ رہا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر وہ پھر مدد کے لیے انہیں پکار رہا ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۸﴾ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا بے شک تو صریح گمراہ ہے۔ روز تمہارے ساتھ ہی جھگڑا کیوں ہوتا ہے؟ کوئی تو خرابی تم میں بھی ہے۔ لَغَوِىٌّ مُّبِيۡنٌ تم بھی ایک گمراہ انسان ہو۔ تم بھی یا غلط ہو یا غلط کام کرتے ہو۔ پھر تمہیں مار پڑتی ہے۔ لوگ پاگل تو نہیں ہیں کہ صرف روزانہ تمہیں مارتے رہیں۔

کچھ تم بھی کرتے ہو۔ یہ جملہ تو اسے کہا کہ کل تمہیں مار پڑی آج پھر تمہیں مار پڑ رہی ہے تو اس کا مطلب ہے تم بھی تو کچھ کرتے ہو۔ آپ نے ارادہ یہ فرمایا: فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰٓى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ پس جب انہوں نے ارادہ فرمایا کہ اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑیں تو وہ جو اسرائیلی تھا، وہ چیخ اٹھا، چونکہ آپ نے اسے جھڑکا تھا، وہ سمجھا کہ شاید مجھے مارنے کے لیے آرہے ہیں اور مکہ ماریں گے اور میں تو مر جاؤں گا۔ تو وہ پہلے ہی چلا اٹھا۔ اس نے کہا موسیٰ! اب آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے کل شام آپ نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا۔

اس نے کہا موسیٰ آپ مجھے برا بھلا کہتے ہیں اچھے آپ بھی نہیں۔ اصلاح آپ بھی نہیں چاہتے۔ آپ بھی اپنی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں جابر اور ظالم بننا چاہتے ہیں اپنا رعب بنانا چاہتے ہیں خود کو زبردست آدمی کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل آپ بھی اصلاح نہیں چاہتے۔ اس کے منہ سے بات نکلی تو جو بھی قریب سن رہا تھا۔ اس نے آگے چلا دی۔ تھوڑی دیر میں شاہی دربار میں پہنچ گئی وہاں آگے ڈھنڈیا پڑی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے حکم دے دیا موسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔ تو اہلِ دربار میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو موسیٰ علیہ السلام کی باتوں پر بڑے خوش تھے کہ ان ظالموں کو کہیں کوئی تو روکنے ٹوکنے والا ہو۔ ان کو تو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں تھا۔ ان میں سے ایک بندہ دوڑا بیشتر اس کے بادشاہ کا حکم سپاہیوں کو جائے اور سپاہی اور افسر حرکت میں آئیں اور وہاں پہنچیں ان سے پہلے وہ وہاں پہنچ گیا۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰى ۔۔۔ اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے (جہاں مشورہ ہو رہا تھا) دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا: قَالَ یٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ اس نے کہا موسیٰ! میں آپ کی بھلائی کی بات کر رہا ہوں آپ کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ تھوڑی دیر میں پیادے پہنچنے والے ہیں۔ اب میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ بھاگ جائیں فرعون کی سلطنت کی حدود سے ہی نکل جائیں اور آپ کے پاس سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ ۔۔۔ آپؑ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلے۔ اب فرعون جیسے حکمران نے قتل کا حکم صادر کر دیا تو خوف تھا کہ جہاں تک اس کی سلطنت کی حدود ہیں کہیں بھی پکڑے گئے تو قتل کر دیے جائیں گے۔ وہاں سے خوف زدہ ہو کر وحشت کے عالم میں آپؑ نکل کھڑے ہوئے اور دعا کی: قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ اللہ کریم کو پکارا۔ یا اللہ ان ظالموں کی قوم سے مجھے محفوظ رکھ، مجھے نجات دے۔ مجھے ان کی دسترس میں نہ آنے دے۔ ان سے مجھے بچا لے۔

انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انسانوں میں سے مبعوث ہوتے ہیں۔ سارے انسانی اوصاف ان میں بھی

ہوتے ہیں۔انہیں بھوک بھی لگتی ہے ان پر بھی خوف کا عالم طاری ہوتا ہے۔انہیں دکھ بھی ہوتا ہے،خوشی بھی ہوتی ہے۔ زخمی بھی ہوتے ہیں۔شہید بھی کر دیے جاتے ہیں اور انبیاؑ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی زندگی گزارتے ہیں جو نہایت عام آدمی کا درجہ ہوتا ہے۔جس پر کوئی بھی شخص ان کا اتباع کر سکتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام سے بھی اسی فطری ردِّعمل کا اظہار ہوا۔ظاہر ہے فرعون جیسے بادشاہ نے قتل کا حکم دے دیا تو خوف کی کیفیت تو آنی تھی اور وحشت یہ تھی کہ پتا نہیں جا کہاں رہا ہوں۔ بھاگ تو رہا ہوں کہ مصر کی جو حکومت ہے،فرعون کی حدود سے باہر نکل جاؤں لیکن باہر کہاں جاؤں گا کس کے پاس جاؤں گا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ یہ علم نہیں۔ باہر جا کر دیکھا ہی نہیں کہ متصل کون سا ملک ہے،آگے حکومت کس کی ہے یا آگے علاقہ کس کا ہے وہاں لوگ کیسے ہیں ان کا رویہ کیسا ہو؟ ان ظالموں سے بھاگ رہا ہوں۔ آگے پھر لٹیروں کے پاس پکڑا جاؤں یا مارا جاؤں تو ڈر بھی تھا وحشت بھی تھی۔آگے کیا پیش آئے گا اس کا کوئی پتا ہی نہیں تھا۔جان بچانے کے لیے آپ گھبراہٹ کے عالم میں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور دعا کی۔ ہر حال میں تائید باری درکار ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت بھی اسی کی بارگاہ میں پیش کی جا سکتی ہے۔تو آپؑ نے وہاں کسی کو نہیں پکارا سوائے رب العالمین کے۔

اے میرے رب! رب اللہ کی وہ صفت ہے کہ وہی پالن ہار ہے۔ ہر ضرورت کو پورا کرنے والا۔فرمایا میرا ربّ تُو ہی ہے۔میری ضرورتوں سے تو آگاہ ہے۔پوری بھی تو نے کرنی ہیں۔اب یہ میری ضرورت آن پڑی ہے کہ یہ ظالم میرے قتل کے درپے ہیں: نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾ اے میرے پروردگار! ان ظالموں کی قوم سے مجھے تو بچا لے۔اللہ سے دعا کرنے کے بعد اللہ کے بھروسے پر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

## سورۃ القصص رکوع 3 آیات 22 تا 28

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾
وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ
دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى
يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ
فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ
عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ
فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ
اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى
ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ
عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا
عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٢٨﴾

اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو فرمانے لگے امید ہے میرا پروردگار مجھے سیدھا
راستہ بتائے گا ﴿۲۲﴾ اور جب مدین کے پانی (کنویں) پر پہنچے تو وہاں دیکھا کہ
بہت سے لوگ (اپنے ریوڑوں کو) پانی پلا رہے ہیں۔ اور ان کے ایک طرف دو

عورتیں (بچیاں) (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔ انہوں نے فرمایا تمہیں کیا کام ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے ریوڑوں کو پانی پلا کر) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں ﴿۲۳﴾ تو انہوں نے ان کے لیے (بکریوں کو) پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف چلے گئے تو دعا فرمائی اے میرے پروردگار! آپ مجھ پر جو اپنی نعمت نازل فرمائیں مَیں اس کا (سخت) محتاج ہوں ﴿۲۴﴾ پس ان کے پاس (تھوڑی دیر میں) ان میں سے ایک بچی لجاتی شرماتی چلی آتی تھی کہنے لگی میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو اس کا صِلہ دیں جو آپ نے ہماری خاطر (بکریوں کو) پانی پلایا تھا۔ پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال کہہ سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ خوف نہ کریں آپ ظالم لوگوں سے بچ آئے ہیں ﴿۲۵﴾ ان دونوں (بچیوں) میں سے ایک نے کہا کہ ابّا جان! ان کو ملازم رکھ لیجیے کیونکہ بہتر ملازم جو آپ رکھیں وہ ہے کہ توانا (اور) امانت دار ہو۔ ﴿۲۶﴾ وہ (بزرگ) فرمانے لگے کہ بے شک میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک کا آپ کے ساتھ نکاح کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال میری ملازمت کریں گے پھر اگر دس سال پورے کر دیں تو یہ آپ کی طرف سے (احسان) ہوگا۔ اور مَیں آپ پر مشقّت نہیں ڈالنا چاہتا۔ (اور) آپ مجھے ان شاء اللہ نیکوکاروں میں سے پائیں گے ﴿۲۷﴾ انہوں نے فرمایا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکی) ہو چکی ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور ہم جو بات (طے) کر رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہیں ﴿۲۸﴾

# تفسیر و معارف

## ہر حال میں اللہ ہی کو پکارنا چاہیے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر کی حدود سے نکلنے کے لیے روانہ ہوئے تاکہ فرعون کی گرفت سے نکل

جائیں تو مِن جانبِ اللہ اُن کا رخ مدین کی طرف تھا۔ مدین مصر کی حدود سے باہر ایک شہر تھا اور وہ پہلے کبھی اس طرف نہیں گئے تھے۔ مدین کے لوگ کیسے ہوں گے، وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ مدین کی طرف جب رخ ہوا تو، فرمایا: وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ﴿۲۲﴾ چونکہ پہلی نزدیکی آبادی مدین ہی تھی، غالباً ایسا ہوگا۔ اُس طرف جب چلے تو اللہ کریم کی ہی انہوں نے بات کی کہ قریب ہے میرا ربّ مجھے صحیح راستے پر چلائے گا، صحیح راستہ دکھائے گا۔ حالات کیسے بھی ہوں انسان پکارتا اللہ ہی کو ہے اور یہی اسے زیبا ہے۔ مشکل اور مصیبت میں بھی اللہ کو پکارے اور اسی پر بھروسہ رکھے اور راحت آئے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ میرا پروردگار ہے۔ میرا پالنہار ہے۔ میری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ مجھے ہر مصیبت سے بچانے والا ہے۔ میرا ربّ ہے، میرا پروردگار ہے۔ وہ میری حفاظت فرمائے گا اور مجھے بہتر راستے پر چلائے گا سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ بہتر اور صحیح راستے پر چلنے کی توفیق دے گا۔ کیوں کہ انہیں تو منزل کا کوئی تعین نہیں تھا کہاں جانا ہے۔ اس لیے مدین رخ ہو گیا تو کہنے لگے، میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ میرے حالات سے واقف ہے اور مجھے اس سے امید ہے وہ مجھے بہتر جگہ لے جائے گا۔

اللہ کے رسولوںؑ نے بھی یہی راستہ بتایا ہے، دکھایا ہے اور اسی پر عمل بھی کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکّی زندگی میں کون سا دکھ ہے جو نہیں آیا۔ جب ہجرت فرمائی تو کتنے مشکل حالات درپیش آئے۔ کتنی مشکلات سفرِ ہجرت میں پیش آئیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قدم پر ہمیشہ اپنے اللہ ہی کو پکارا۔ اپنے اللہ پر ہی بھروسہ کیا۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ حلال حرام کی پروا کیے بغیر صرف دولت سمیٹنا چاہتے ہیں۔ پھر جب کوئی تکلیف یا مصیبت آتی ہے تو ہم اللہ تک نہیں پہنچتے بلکہ بتانِ آزری کو پوجتے ہیں۔ کسی کی منت سماجت کرتے ہیں تو کسی کو رشوت دیتے ہیں۔ کس سے سفارش کرواتے ہیں۔ غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ کسی خانقاہ پر پھول چڑھا دیتے ہیں یا کسی قبر پر چادر چڑھا دیں گے۔ یہ ہماری عجیب وغریب سی مسلمانی ہے کہ کسی کو اللہ یاد نہیں آتا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے میں بھی دیکھیں تو قدم قدم پر وہ اللہ کریم کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مجھے اپنے پروردگار سے پکی اُمید ہے۔ میرا ربّ ہے، میرا پالنہار ہے۔ میرے دُکھ سُکھ کا نگہبان ہے۔ مجھے زندگی اُس نے دی ہے اُسی نے مجھ سے واپس لینی ہے۔ میرا سب کچھ وہی ہے، بڑا کریم ہے اور مجھے بہت امید ہے کہ مجھے صحیح منزل تک لے جائے گا اچھے راستے پر چلائے گا۔ میں اچھی جگہ پہنچ جاؤں گا۔

## ایک اہم یاددہانی:

یاد رہے کہ قرآنِ کریم قصہ گوئی نہیں کرتا نہ ہی تاریخ اس کا موضوع ہے بلکہ مختصر ترین الفاظ میں مقصد بیان فرماتا ہے۔قرآنِ کریم میں احکام ہیں،اوامرونواہی ہیں۔عظمتِ باری کے دلائل ہیں،صداقتِ نبوت،عظمتِ نبوت کے دلائل ہیں۔قصے اور امثال ہیں۔قرآن کو قصے بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے لیکن جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ مثال کے طور پر کرتا ہے کہ کس نے کیسا عمل کیا اور اس کا کیا نتیجہ نکلا۔آج اگر تم بھی ایسا ہی کرو گے تو جیسا نتیجہ پہلے مرتب ہوا۔ویسا ہی اب مرتب ہوگا۔جنہوں نے جرائم کیے اُن پر عذابِ الٰہی وارد ہوا۔جنہوں نے اللہ پر اعتماد کیا اللہ کریم نے اُنہیں کامیاب کیا۔

یہاں اس قصے میں یہ بتایا جارہا ہے کہ فرعون جیسی حکومت مخالف ہوگئی،قتل کا حکم صادر ہوگیا۔چپے چپے پر اس کے سپاہی اور محافظ تلاش میں مصروف تھے۔اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نکلے اور انہوں نے کہا کہ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔وہ میری حفاظت فرمائے گا۔میں نہیں جانتا کہ یہاں نکل کر کہاں جاؤں گا،میری منزل کیا ہے۔میرا ربّ تو جانتا ہے وہ مجھے صحیح راستے پر لے جائے گا۔صحیح منزل پر بھی پہنچادے گا۔

## مدین میں آمد اور قیام:

فرمایا:وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ ۔۔۔جب موسیٰ علیہ السلام آبادی کے باہر پہنچے وہاں کنواں تھا۔یعنی جس راستے سے موسیٰ علیہ السلام آرہے تھے اس پر اس آبادی والوں کا کنواں تھا۔وَجَدَ عَلَيۡهِ أُمَّةً مِّنَ ٱلنَّاسِ يَسۡقُونَ ۔۔۔تو انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک انبوہ ہے اور وہ اپنے مویشیوں اور ریوڑوں کو پانی پلارہے ہیں۔ایک بھاری سے ڈول سے پانی نکالتے ہیں پھر کوئی جگہ بنائی ہوگی اس میں گراتے ہیں اور مویشیوں کو پلارہے ہیں۔وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ ٱمۡرَأَتَيۡنِ تَذُودَانِ ۔۔۔اور دیکھا کہ اُس بھیڑ میں دو نوجوان بچیاں بھی الگ سے کھڑی ہیں۔موسیٰ علیہ السلام کو حیرت ہوئی کہ یہ دو بچیاں کیوں کھڑی ہیں جبکہ وہاں کوئی خاتون نہیں نظر آتی۔قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ۔۔۔آپؑ نے اُن سے پوچھ لیا کہ آپ دونوں اتنی بھیڑ بھاڑ میں الگ تھلگ کیوں کھڑی ہیں؟

وہ بولیں:قَالَتَا لَا نَسۡقِي حَتَّىٰ يُصۡدِرَ ٱلرِّعَآءُ وَأَبُونَا شَيۡخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾ جب یہ چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تب ہم اپنی بکریوں کو پانی پلاسکیں گے۔ہم مردوں کی بھیڑ میں ہرگز نہ آتے لیکن یہ اس لیے آنا پڑا کہ ہمارے گھر میں ایک ضعیف والدِ بزرگوار کے علاوہ کوئی مرد نہیں ہے۔وہ چل پھر نہیں سکتے،بہت

بوڑھے ہیں، یہاں تک نہیں آسکتے۔ ورنہ ہم نہ آتے۔

علمائے حق نے اس پر بحث کی ہے کہ عورتیں باہر کام کرسکتی ہیں لیکن یہ اجازت مشروط ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ گھر میں کوئی کمانے والا یا کام کرنے والا نہ ہو۔ اگر گھر میں روزگار مہیا ہو، کمانے والے ہوں تو محض پیسے جمع کرنے کے لیے عورتیں باہر نہیں جاسکتیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کام، مردوں سے الگ رہ کر کریں۔ یہ خواتین بھی اس بھیڑ بھاڑ میں گھس جاتیں، لڑ بھڑ کر اپنی بکریوں کو پانی پلاسکتی تھیں لیکن وہ الگ سے اپنی بکریوں کو روک کے کھڑی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ ہمارا مردوں سے آزادانہ میل جول جائز نہیں اس لیے الگ کھڑی ہیں۔ جب یہ مرد اپنے ریوڑوں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے پھر ہم بھی اپنی بکریوں کو پلالیں گے۔

علمائے حق اور مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ عورتوں کے لیے کام کرنا جائز ہے مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ اور کام بھی شرعاً جائز ہو۔ اگر گھر میں کوئی کمانے والا نہیں تو ایک عورت مجبوری میں کام کرسکتی ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ مردوں سے الگ کام کرے۔

اگر کسی دفتر میں کرے تو عورتوں کا کمرہ الگ ہو مردوں کا الگ ہو۔ جن کے گھروں کے مرد بھی لاکھوں کما رہے ہیں اُن کی بیٹیاں فلموں اور ڈراموں میں کام کرتی ہیں، اس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

فلموں اور ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی بنی ہوتی ہے۔ کبھی کسی کی بہو بنی ہوتی ہے، کبھی ماں بنی ہوتی ہے یہ سب تماشے ہیں جن کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ ڈراموں کی فنکاراؤں میں شاید ایسی خواتین ہوں گی جن کا کوئی کمانے والا نہیں ہے لیکن پھر اُنہیں چاہیے کہ کوئی ایسا کام کریں جس میں وہ مردوں سے الگ رہیں عورتوں والا کام ہو۔ مردوں کے ساتھ مل جُل کر کام کرنے کی گنجائش عورت کے لیے نہیں ہے۔

## باحیا خاتون بہت بڑا انعام ہے:

دونوں بچیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ جب تک یہ چرواہے فارغ ہو کر چلے نہیں جاتے ہم انتظار کرتے ہیں کہ ہم ان کے مجمع میں گھس کر تو بکریوں کو پانی پلا نہیں سکتے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمارے گھر میں صرف ہمارے والدِ بزرگوار ہیں جو ضعیف ہونے کے ساتھ نابینا بھی ہیں۔ اُن میں یہاں تک آنے کی سکت بھی نہیں ہے اس مجبوری کے تحت ہم یہاں آئی ہیں۔

فَسَقٰى لَهُمَا ۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام بھیڑ میں گھس گئے۔ انہوں نے بڑا سا ڈول ڈالا پانی نکالا اور ان کی

بکریوں کو ہانک کر لے آئے پانی پلایا تو سب بکریوں نے پانی پی لیا۔ پھر بکریاں اُن کے حوالے کیں۔ بہت تھک چکے تھے۔ سفر کے مارے ہوئے تھے، گرمی اور دھوپ کے ستائے ہوئے تو: ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ ایک سائے میں جا کر بیٹھ گئے اور دعا کی یا اللہ تو جو بھی نعمت عطا کرے، میں خالی دامن ہوں میرے پاس کچھ نہیں بچا۔ میں فقیر ہو چکا ہوں۔

'فقیر' سے مراد ایسا شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مال ہو نہ اسباب ہوں یعنی انتہائی محتاج ہو۔

آپ علیہ السلام ایک سائے میں جا کر بیٹھے اور اللہ کو پکارا، 'یا اللہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے گھر ہے نہ قبیلہ ہے۔ ملک ہے نہ کوئی واقف۔ میرے پاس والدین ہیں نہ ہی کوئی رشتہ دار ہے۔ میرے پاس کھانے کو ہے نہ پینے کو ہے اور کوئی دوسرا لباس بھی نہیں ہے۔ بس یہی دو کپڑے جو تن پر ہیں اور یہی پرانا جوتا جو پاس ہے۔ کچھ بھی تو نہیں ہے میرے پاس۔ تُو میرا ربّ ہے۔ میری ساری ضرورتیں تُو نے پوری کرنی ہے میں تو بالکل تہی دست ہو چکا ہوں۔ اب جو خیر، جو برکت بھی، جو مہربانی تُو نازل فرمائے، میں اس کا بہت محتاج ہوں۔

اب دیکھیں کہ اللہ کریم موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا کیا جواب دیتے ہیں: فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۔۔۔ آپ علیہ السلام نے دعا کی، دیکھا تو اُن دو بچیوں میں سے ایک بچی چلی آ رہی ہے اور اس کے چلنے سے بھی حیا ٹپک رہی ہے۔ گویا دنیا کی ساری نعمتوں کا سبب ایک باحیا عورت بن جاتی ہے۔

اللہ کریم ایک حیادار عورت عطا فرما دیں تو دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں مل جاتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا تو یہ کی کہ یا اللہ میں فقیر ہو گیا ہوں، مجھ پر مہربانی فرما تو جواب میں اللہ نے ایک خاتون بھیج دی جو بڑی باحیا تھی۔ اس کے چلنے سے بھی حیا ٹپک رہی تھی۔ یعنی ہر طرح سے اپنا بدن ڈھانپا ہوا تھا، چہرہ بھی ڈھانپا ہوا تھا۔ آنکھیں نیچی اور قدم احتیاط سے اُٹھاتی ہوئی، حیا سے چلتی ہوئی آئی۔

گویا باحیا عورت کا گھر میں آنا دونوں جہانوں کی برکات لے آتا ہے۔ اب دیکھیں کہ وہ ایک بچی آئی، موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر لے گئی۔ اُن دونوں میں سے ایک بچی سے موسیٰ علیہ السلام کی شادی ہو گئی تو انہیں گھر بھی مل گیا، رشتہ دار بھی مل گئے۔ گزر اوقات کے لیے بکریاں چرانے کو مل گئیں۔ دشمنوں سے بھی بچ گئے یعنی جتنی نعمتیں دنیا کی کھو چکے تھے وہ تمام ایک خاتون کی وجہ سے مل گئیں اور آخرت کی بھی ملیں کہ ایک نبیؑ کے ہاں مہمان ہوئے۔ نبیؑ کے گھر کی پاکیزگی، نیکی پارسائی اور برکات بھی مل گئیں۔

آج ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہی شادی گڈے گڑیا کا کھیل بنی ہوئی ہے، مذاق بنی ہوئی ہے۔

ہمارے ہاں رسومات رہ گئیں ہیں، حقیقت نہیں رہی اور نہ ہی حقیت تک پہنچنے کی ہم کوشش کرتے ہیں نہ ہی نظر کرتے ہیں۔ یاد رہے یہ کوئی مذاق نہیں ہے، گڈے اور گڑیا کا کھیل نہیں ہے۔ اس پر آنے والی نسلوں کا مدار ہے۔ دنیا اور آخرت کا مدار ہے اور اس پر ہمارے ایمان اور کردار کا مدار ہے۔ افسوس ہمارے تو معیار ہی بدل گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ رشتہ وہاں ہو جس کے باپ کے پاس بہت سی دولت ہو یا بڑا افسر ہو۔ وہاں رشتہ ملے جہاں سے بہت سا جہیز بھی ملے پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہیز کم لانے پر بیویوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ جلا کر مار دیتے ہیں کہ تم جہیز نہیں لائی۔

نکاح کے لیے ایسی خاتون تلاش کرنی چاہیے جو باحیا ہو۔ جسے اللہ کی عظمت کا احساس ہو، اتباعِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احساس ہو۔ وہ اپنے ساتھ دونوں جہان لے آتی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

## حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات:

فرمایا: قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا۔۔۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، میرے والد صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ جس طرح آپ نے ہماری مدد کی ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ کچھ آپ کی خدمت کریں، آپ کو اجر دیں۔ آپ مسافر ہیں، نو وارد ہیں۔ تو آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ معاوضہ دینا چاہتے ہیں۔ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ۔۔۔ اب جب وہاں سے حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف چلے تو مفسرینِ کرام لکھتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بچی کو آگے چلاتے اور خود پیچھے چلتے آپ علیہ السلام نے بچی سے کہا کہ آپ میرے پیچھے چلیں۔ میں آگے چلتا ہوں۔ آپ مجھے راستہ بتاتی جائیں دائیں مڑنا ہے، بائیں مڑنا ہے۔ یہ اس لیے کہ نامحرم خاتون ہے اگر آگے چلے گی تو اس کے وجود پر نظر پڑے گی، پاؤں پر نظر پڑے گی تو یہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ چلتے چلتے شعیب علیہ السلام کے پاس جا پہنچے جو بہت ضعیف تھے اور اُن کی بینائی بھی ختم ہو چکی تھی۔ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ۔۔۔ پھر سارا واقعہ آپ علیہ السلام نے سنایا کہ میں موسیٰ ہوں، بنی اسرائیل سے ہوں۔ کس طرح بادشاہ بچے قتل کرتا تھا تو ماں نے بچانے کے لیے دریا میں ڈال دیا اور شاہی محل میں پروان چڑھا۔ اب میرا اُن سے جوڑ نہیں بنتا۔ اُن کا ایک آدمی غلطی سے میرے ہاتھوں مارا گیا تو انہوں نے میرے قتل کا حکم صادر کر دیا لہٰذا میں وہاں سے جان بچا کر بھاگ آیا اب یہاں پہنچا ہوں۔ ساری بات سن کر شعیب علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ لَا تَخَفْ۔۔۔ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ دوسری ریاست ہے، اُن کی سلطنت کی حدود یہاں سے دور رہ گئی ہیں۔ یہاں آپؑ کو کوئی خطرہ نہیں ہے: لَا تَخَفْ۔۔۔ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ یہاں دیکھیں 'خوف' کا لفظ آیا ہے۔ اپنی ذات کے لیے جو خوف ہو، اندیشہ ہو اُسے 'خوف' کہتے ہیں یہاں یہ نہیں فرمایا ''لَا تحزن'' بلکہ لَا تَخَفْ۔۔۔ آیا

ہے کہ اپنی جان کا اندیشہ نہ کریں۔ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ اُس ظالم قوم سے آپؑ نے نجات پالی ہے کہ ان کا یہاں کوئی اختیار نہیں ہے نہ ہی وہ یہاں آسکتے ہیں۔ یہ ملک ہی دوسرا ہے۔ یہاں کی اپنی حکومت ہے۔

## ملازم کے لیے دو اہم اوصاف:

دراصل جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچیوں کی مدد کی تو ظاہر ہے وہ گھر واپس جلدی پہنچ گئیں تو والدِ گرامی نے پوچھ لیا کہ آج آپ جلدی کیسے آگئیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں ایک نووارد بندہ آگیا اس نے ہم سے کھڑے ہونے کا سبب پوچھا تو ہم نے اُسے بتایا کہ ہم مردوں میں جا کر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں اس نے ڈول کھینچا، ہماری بکریاں لے گیا اور انہیں پانی پلا دیا۔ ہم فارغ ہوگئیں اس لیے جلدی لوٹ آئیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بچی کو بھیجا کہ جاؤ اُسے بلا لاؤ۔ جاؤ دیکھو وہیں ہے تو بلا لاؤ۔ آپ علیہ السلام آئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے سارا قصہ سنا پھر فرمایا کہ اب خطرے کی کوئی بات نہیں۔ آپ خوف نہ کریں۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۔۔۔ اُن میں سے ایک بچی نے کہا، ابا جی ہمیں تو ضرورت ہے ملازم کی کہ کوئی بندہ نہیں ملتا۔ ہم جوان لڑکیاں باہر جاتی ہیں۔ آپ ضعیف ہیں اور ہمارے لیے فکر مند رہتے ہیں کہ کب گھر لوٹیں گی تو آپ اسے اُجرت پر ملازم رکھ لیں۔ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ آپؑ نے آج تک جتنے بھی ملازم رکھے ہیں یہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہم نے دیکھا ہے جس طرح اکیلے اس نے ڈول کھینچا ہے۔ یہ بہت طاقتور اور امین ہے۔ اس بچی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بہت امانت دار ہیں۔ جس طرح انہوں نے بچی کے پیچھے چلنا گوارا نہیں کیا بلکہ آگے چلے تو اُسے اندازہ ہوگیا کہ یہ امین ہیں۔ بہت سیدھا بہت سچا، بہت کھرا آدمی ہے اور طاقتور بھی ہے۔ وہ کہنے لگیں ابا جی ہمیں ضرورت تو ہے ملازم کی تو آپ انہیں اجرت پر ملازم رکھ لیں۔ ان کا کام بھی ہوجائے گا کہ یہ بھی مسافر ہیں کوئی گھر گھاٹ یا منزل نہیں ہے اور ہمارا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح اور شرط:

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ ۔۔۔ ملازم کیا رکھنا ہے اگر پسند کرو تو میں تمہیں اپنا داماد بنالوں۔ ان دونوں میں سے ایک بیٹی تمہارے نکاح میں دے دوں۔

اُس ایک نکاح سے موسیٰ علیہ السلام کو خاندان بھی مل گیا۔ میاں بیوی ہوگئے۔ اولادیں بھی ہوئیں۔ سسرالی رشتہ دار بھی مل گئے۔ کچھ ملکیت بھی مل گئی کچھ بی بی کا حصہ وہ اُن کی ملکیت میں آگیا۔ کچھ بکریاں بھی حصے میں آگئیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں بھی چرانے لگے اپنی بھی تو گویا دو جہاں کی نعمتیں مل گئیں۔ دنیا کی نعمتیں بھی مل گئیں

اور اللہ کے نبیؐ کی صحبت ملی تو آخرت کی نعمتیں بھی مل گئیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا تو ہوں کہ اگر آپ قبول کریں تو ایک لڑکی کا نکاح آپ سے کردوں البتہ اس کا حق مہر یہ ہوگا: اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ۔۔۔ کہ آپ کم از کم آٹھ سال ہماری بکریاں چرائیں گے۔ آپ آٹھ سال ہماری ملازمت یقیناً کریں گے۔ اس کی آپ کو اجرت ملے گی۔ اگر آپ نیکی کریں گے بھلائی کریں گے ہمارے ساتھ دس سال رہ جائیں گے تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا۔ یعنی آٹھ سال تو آپ رہیں گے کہ یہ آپ کی بیوی کا حق مہر ہے کہ آپ کو بکریاں چرانے کی جو اجرت ملے گی وہ بیوی کا حق ہے۔ وہ والد کو دے یا خود لے۔ اگر آپ دس سال رہ جائیں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ حق مہر کے بغیر نکاح کا تصور نہیں ہے۔

فرمایا: وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡكَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ آٹھ سالوں میں اگر اللہ نے آپ کو اولاد دی تو وہ بھی چار پانچ سال کی ہو جائے گی۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی پھر واپس جانا چاہو گے تو جا سکو گے اور اللہ کریم ہمارا بھی کوئی نیک سبب بنا دے گا۔ ہاں اگر آپ دس سال رہ جائیں تو یہ آپ کی طرف سے احسان ہوگا۔ اللہ کو منظور ہوا تو آپ مجھے بھلے اور نیک لوگوں میں سے پائیں گے۔ ہم آپ کو کوئی تکلیف، کوئی دکھ نہیں دیں گے۔ ہم آپ کو محبت دیں گے عزت و احترام دیں گے۔ احسان کریں گے بھلائی سے پیش آئیں گے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شوہر اپنی بیوی کی ملازمت یا مزدوری کر کے اس کا مہر پورا کر سکتا ہے؟ اس سوال کا پہلا جواب تو علما نے یہ لکھا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام بھی ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نہیں تھی۔ ہم تمام انبیاءؑ کو اللہ کے برحق نبیؐ مانتے ہیں تمام کتابوں کو جو اُنؑ پر نازل ہوئیں اُن کو حق سمجھتے ہیں لیکن ہم نے عمل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر کرنا ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ ہمارا نہیں ہے اُس اُمت کا ہے۔ ہم نے وہ کرنا ہے جو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔

دوسری بات جو علما فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر شوہر کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور بیوی کا کوئی کام ہو کرنے کا جس پر اس نے اُجرت پر کسی کو رکھنا ہی ہے تو اگر میاں وہ کام کرتا رہے اور تنخواہ مہر کے عوض کٹواتا رہے تو جائز ہے۔

اگر بیوی کا باپ تنخواہ وصول کرتا ہے تو وہ اس کی بیٹی یعنی اس بندے کی بیوی ہی کی ملکیت ہے۔ باپ کو بیٹی کے حوالے کرنی پڑے گی البتہ اگر بیٹی باپ کو بخش دے تو باپ لے سکتا ہے۔ اگر بیوی شوہر کو مہر معاف کر دے تو معاف ہو سکتا ہے۔ یہ ہماری شریعت میں بھی موجود ہے۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا: قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے منظور ہے یہ میرا اور آپؐ کا معاہدہ ہو گیا۔ دونوں میں جو مدت بھی میں نے پوری کر دی مجھ پر آپؐ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔ آٹھ سال والی شرط پوری کر دوں تو یہ میری مرضی پر ہے کہ چلا جاؤں یا سال دو سال یا زیادہ رہوں۔ مجھے یہ شرط منظور ہے۔ یہ جو معاہدہ ہم نے آپس میں کیا ہے اس پر ہم اللہ کو وکیل بناتے ہیں۔ اللہ کو گواہ بناتے ہیں اور اسی کی ضمانت پر ہم آپس میں یہ وعدہ کرتے ہیں۔ ہمارے اللہ اس پر گواہ ہیں۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کا قدرتی اہتمام:

اللہ کریم کو اپنے اولوالعزم رسول کی تربیت مقصود تھی۔ اُن کو امتحانوں سے گزارا۔ پیدا ہوئے تو ماں کی گود چھین لی، دریا میں ڈلوا دیا اور دریا میں ڈالنا شاہی محل میں جانے کا سبب بن گیا۔ فرعون اور اس کے گھر والوں نے اُٹھا لیا اور وہاں اُن کی تربیت فرمائی۔ شاہی محل میں جوان ہوئے تو شاہی آداب شاہی طور طریقے، محل کی رسمیں، حکومت کے انداز، سب کچھ دیکھا۔

آپ کی اُن سے بنتی نہیں تھی کہ آپ اللہ کے نبیؑ تھے اور نبیؑ کا مزاج اپنا تھا۔ جب بالغ ہوئے ولایتِ نبوت عطا ہو گئی۔ اُس کے تقاضے کچھ اور تھے۔ پھر خوف کی بھٹی سے گزارے گئے کہ آپ کے قتل کا حکم صادر ہو گیا اور حکومت پیچھے لگ گئی۔ آپ انتہائی خوف کی کیفیت میں وہاں سے بھاگ نکلے لیکن ہر قدم پر اللہ کریم سے وابستہ رہے۔ قدم قدم پر اللہ سے دعا کرتے رہے اور اللہ کریم مدد فرماتے رہے۔ آپ کو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچایا اور آپ اُنؑ کے داماد بن گئے۔ گھر کے بیٹے بن گئے، فرد بن گئے۔ اس سے پہلے فرعون کی تربیت بھی دیکھی تھی، شاہی محل کی نعمتیں بھی کھائی تھیں۔ اب نبیؑ کا کردار اور اُنؑ کے گھر کے حالات بھی دیکھے۔ نبیؑ کے گھر کی نعمتیں بھی کھائیں۔ اُن کے داماد بنے، اُن کا سلوک بھی دیکھا۔ اب وہاں سے روانہ ہو گئے تو گویا دنیوی لحاظ سے بھی تربیت مکمل ہو گئی تھی اور دینی لحاظ سے بھی پوری ہو گئی تھی۔

جو لوگ بچوں کو تعلیم دینے کے حق میں نہیں ہیں انہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اللہ کریم اپنے انبیاؑ کی بھی تربیت فرماتے ہیں۔ فرعون کے محل میں رکھ کر انہیں دنیا بھی سکھائی اور اپنے نبیؑ کے گھر رکھ کر انہیں دین کی تربیت بھی دی۔

موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ ایک انقلاب آفرین شخصیت بننا تھا اور فرعون کی حکومت کا تختہ الٹ کر مخلوق کو اس سے نجات دلانی تھی لہٰذا قدرت نے باقاعدہ آپؑ کی دنیوی اور دینی علوم میں تربیت فرمائی۔ چنانچہ حصولِ علم کا طریقہ یہ

ہے کہ دینی علوم بھی جتنے اللہ نصیب فرمائے حاصل ہوں اور دنیوی علوم بھی حاصل ہوں۔

ہمارا رویہ یہ ہے کہ ہم یا تو بچے کو پڑھاتے نہیں ہیں یا اگر پیسے ہوتے ہیں تو دنیا کا سب علم پڑھاتے ہیں دین بتاتے ہی نہیں ہیں۔ جو حضرات دین کی طرف چلے جاتے ہیں وہ صرف دینی تربیت لے کر چلتے رہتے ہیں۔ دین کی طرف جانا نیک کام ہے لیکن ہم یکسو ہو جاتے ہیں۔ ہمیں پھر دنیا کا پتا نہیں ہوتا۔ ہم سے سائیکل تک چلایا نہیں جاتا۔ ہم سے گاڑی نہیں چلائی جاتی۔ ہمیں دنیا کی کوئی خبر نہیں ہوتی لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ دنیا بھی جانتے ہوں دین بھی جانتے ہوں وہ دنیا میں کامیاب انسان بنتے ہیں۔ جن کی راہنمائی دین سے ہو اور دنیا کے کام دنیا کے اسباب کے مطابق کر سکیں۔ ایسے لوگ ہی قائد اور لیڈر بننے کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہی اقتدار زیب دیتا ہے ایسے ہی لوگ ملک کی بہتری کر سکتے ہیں۔ ظلم ختم کر کے عدل قائم کر سکتے ہیں۔ ظالموں اور ظلم سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی صرف دین جانتا ہو تو وہ قوتِ نافذہ حاصل نہیں کر سکتا۔ فتوے دیتا رہتا ہے لیکن اس کے فتوے پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ آج آپ کسی بڑے سے بڑے ادارے سے فتویٰ لے آئیں تو کوئی نہیں پوچھتا۔ حصولِ علم کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کی تربیت دنیوی اور دینی اعتبار سے کی جائے۔ دنیوی علوم سے بھی آراستہ کیا جائے اور دینی تعلیمات سے بھی آراستہ کیا جائے تب وہ ایک کامیاب انسان بن سکتا ہے۔

# سورة القصص رکوع 4 آیات 29 تا 42

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ
قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ
النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ
فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾
وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ
یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ
تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾
وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۟ اِنِّیْۤ
اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا
سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا
الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ
مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّیْۤ اَعْلَمُ
بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ
مُوْسٰى ۙ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی
الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ
اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ
هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾

غرض جب موسیٰ (علیہ السلام) اس مدت کو پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے (باجازت شعیب علیہ السلام) تو (کوہِ) طور کی طرف سے آگ دکھائی دی۔ اپنے گھر والوں سے فرمانے لگے تم (یہاں) ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے۔ شاید میں وہاں سے تمہارے پاس (راستے کا) کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تا کہ تم تاپو ﴿۲۹﴾ پھر جب اس کے پاس پہنچے تو ان کو میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) بے شک میں اللہ، پروردگارِ عالمین ہوں ﴿۳۰﴾ اور یہ کہ آپ اپنا عصا ڈال دیں۔ جب انہوں نے اس کو حرکت کرتے دیکھا گویا کہ وہ (بہت بڑا) سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے فرمایا) اے موسیٰ (علیہ السلام)! آگے بڑھیں اور ڈریں نہیں بے شک آپ (ہر طرح سے) امن میں ہیں ﴿۳۱﴾ اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر ڈالیں وہ بغیر کسی عیب کے سفید ہو کر نکلے گا اور خوف (دور کرنے) کے لیے اپنے بازو کو پھر اپنے ساتھ (حسبِ سابق) لگالیں پس یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے دو دلیلیں ہیں (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کے اہل دربار کے پاس (جائیں) بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں ﴿۳۲﴾ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بے شک میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا پس مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مجھے (تبلیغ سے پہلے ہی) قتل نہ کر دیں ﴿۳۳﴾

اور میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) جن کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو
میرا معاون بنا کر میرے ساتھ بھیجیے کہ میری تصدیق کریں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ
مجھے جھٹلائیں گے ﴿۳۴﴾ ارشاد ہوا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو مضبوط
کریں گے اور آپ دونوں کو غلبہ دیں گے پھر وہ آپ تک نہ پہنچ سکیں گے (پس)
ہمارے معجزے لے کر جائیں۔ آپ دونوں اور جو آپ کے پیرو ہوں گے غالب
رہیں گے ﴿۳۵﴾ پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح دلیلیں
لے کر آئے تو وہ کہنے لگے یہ کیا ہے صرف ایک جادو ہے جو انہوں نے جوڑ کھڑا کیا
ہے اور ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں (کے زمانے) میں ایسی بات کبھی نہیں
سنی ﴿۳۶﴾ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا میرا پروردگار اُس شخص کو خوب جانتا
ہے جو صحیح دین اس (اللہ) کے پاس سے لے کر آیا ہے اور جس کے لیے آخرت کا
گھر (بہشت) ہے بے شک ظالم کبھی کامیابی نہ پائیں گے ﴿۳۷﴾ اور (یہ
سب دیکھ کر) فرعون کہنے لگا اے اہلِ دربار! میں تو تمہارے لیے اپنے علاوہ
کوئی معبود نہیں جانتا سوائے ہامان! تم ہمارے لیے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر اُن)
کو آگ لگوا دو (پکاؤ) پھر میرے لیے ایک بلند عمارت بنوا دو تا کہ مَیں (اس پر
چڑھ کر) موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کو جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں تو
اس کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں ﴿۳۸﴾ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں
ناحق مغرور ہو رہے تھے اور ان کا گمان تھا کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں
گے ﴿۳۹﴾ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا پھر اُن کو دریا میں ڈال
دیا سو دیکھ لیں ظالموں کا کیسا انجام ہوا؟ ﴿۴۰﴾ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا
وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی
جائے گی ﴿۴۱﴾ اور ہم نے اس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت
کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے ﴿۴۲﴾

# تفسیر ومعارف

## شبانی سے کلیمی:

اب موسیٰ علیہ السلام کا بھی خاندان بن چکا تھا اور میعادِ معاہدہ بھی پوری ہوگئی۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ۔۔۔تو آپ (علیہ السلام) نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ اتنا عرصہ بیت گیا اب اجازت چاہتا ہوں کہ اپنے خاندان، والدین کے پاس واپس جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوی کو بھی لے جاؤں اور بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ میرے والدین بھی اپنی بہو اور پوتے پوتیوں کو دیکھیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی تو آپؑ نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ وہی تھا جس سے آٹھ یا دس سال پہلے آئے تھے تب راستے کی خبر تو تھی نہیں مصر سے بھاگ کر نکلے تو یہاں پہنچ گئے تھے اور مڑ کر واپس بھی نہیں گئے تھے نہ دوبارہ راستہ دیکھا تھا۔ اب واپس چلے تو ایک پہاڑ کے دامن میں جا پہنچے۔ رات ہو چکی تھی اور موسم بھی سرد تھا۔ بہت بلند پہاڑ تھے۔ وادی میں جا پہنچے تو کہنے لگے کہ شاید اندھیرے کی وجہ سے راستے کی سمجھ نہیں آ رہی۔ جب پہلے آیا تھا تو وہ میدانی راستہ تھا، میرا خیال ہے ہم راستہ بھول رہے ہیں۔ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔۔۔ انہوں نے طور کی جانب آگ دیکھی تو سوچا کہ اگر آگ ہے تو ظاہر ہے وہاں کچھ لوگ ہوں گے جنہوں نے آگ جلائی ہے۔ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۔۔۔ آپ نے بیوی بچوں اور ساتھ جو غلام تھا اُس سے کہا کہ تم یہاں بیٹھو مجھے آگ نظر آئی ہے۔ لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ میں جا کر دیکھتا ہوں کہ آگ کے پاس کیا ہے۔ کون ہے، وہاں کچھ لوگ ہوں گے ان سے پوچھ بھی لوں گا کہ ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں یا بھٹک گئے ہیں۔ اور یہ بھی اہتمام کر سکوں گا کہ آگ کا انگارہ ہی اٹھا لاؤں تا کہ ہم یہاں جلا لیں گے اور رات بھر سردی سے بچ جائیں گے۔ آپ لوگ آگ تاپ سکو گے۔ آپؑ کے ہمراہ بیوی بچوں اور خادم کے علاوہ جانور بھی تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرف چل پڑے جہاں سے روشنی پھوٹ رہی تھی اور وادی کو منور کر رہی تھی۔ آپؑ چونکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہاں کسی نے آگ جلا رکھی ہے اور یقیناً وہاں کچھ لوگ بھی ہوں گے جو شاید راستے سے واقف ہوں۔ آپؑ راستہ پوچھنے اور آگ کا انگارہ لینے کی غرض سے چل پڑے۔ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ جب وادی میں پہنچے تو بات ہی اور ہوگئی۔ جب اس روشنی میں پہنچے اور سامنے آگ دکھائی دی تو ایک درخت نظر آیا جو

شعلہءطور بنا ہوا تھا۔اُس سے شعلے ابھر رہے تھے اوراس کی روشنی ساری وادی کومنور کررہی تھی۔قرآنِ کریم میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (طٰہٰ:12) آپ جوتے اتار دیجیے۔آپ طوٰی کی مقدس وادی میں ہیں۔

وادی طوٰی مقدس کیسے ہوگئی؟ وہاں جوتجلیات اورانوارات تھے اُن کی وجہ سے وہ مقدس ہوگئی۔اسی لیے مسجد احترام اور تقدس کا مقام ہے، داخل ہونے سے پہلے جوتے اتار دیے جاتے ہیں۔کسی نیک شخص کی محفل میں بیٹھنے کے آداب میں ہے کہ جوتا باہر اتار کر محفل میں بیٹھیں۔اللہ کے نام، اللہ کے بندوں کے وجود سے، اللہ کی صفات سے جگہیں بھی متبرک اور معزز ہوجاتی ہیں۔

جب آپ وادی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ میدان کی داہنی جانب ایک مبارک مقام میں ایک درخت ہے جس میں شعلے نکل رہے ہیں، تجلیات وانوارات ہیں۔ابھی اسی حیرت میں تھے کہ درخت سے آواز آئی یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۳۰﴾ اے موسیٰ! یہاں اور تو کچھ بھی نہیں ہے، میں ہوں اللہ تمام جہانوں کا پروردگار۔یہاں آپ کو نبوت عطا فرمائی جارہی ہے۔آپ نبیؑ مبعوث ہورہے ہیں اور یہاں سے حکم ہو رہا ہے کہ آپ فرعون کے پاس جائیں۔

قرآن کریم پھر اس ذکر کو نہیں چھیڑتا کہ اہلیہ کہاں گئیں، بچے اور غلام کہاں گئے۔اس سے قرآن کا تعلق نہیں۔قرآنِ کریم اپنی بات کرتا ہے کہ اُنہیں وہاں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔

## کیا تجلیات ذاتی تھیں یا صفاتی؟

وحی الٰہی آئی کہ اے موسیٰ! حیران کیوں کھڑے ہیں میں ہوں اللہ، تمام جہانوں کا ربّ، پروردگار۔ علمائے تفسیر یہاں بحث فرماتے ہیں کہ کیا اس درخت میں تجلیاتِ باری ذاتی تھیں یا صفاتی تھیں؟ یہاں فرمایا گیا 'میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا ربّ' تو چونکہ ربوبیت اللہ کی صفت ہے تو یہ تجلیات صفاتی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے طور پر تجلیاتِ ذاتی کے دیدار کی خواہش کی۔آپ کو جب شرفِ کلامی نصیب ہوا تو آپؑ نے عرض رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ۔۔۔اللہ مجھے اپنی ذات دکھا دے میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔جواب ملا: لَنْ تَرٰىنِیْ ۔۔۔اس دنیا میں ان آنکھوں سے آپؑ برداشت نہیں کر سکتے۔فرمایا دیکھو میں پہاڑ پر ذرا سی تجلی کرتا ہوں فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۔۔۔اگر پہاڑ نے وہ تجلی برداشت کر لی تو آپؑ بھی دیکھ لیں گے۔فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ۔۔۔پھر کوئی سوئی یا اس کی نوک کی برابر

بہت معمولی سی تجلیِ ذاتی اللہ کریم نے پہاڑ کی طرف بھیجی تو وہ پاش پاش ہو گیا۔ پہاڑ کے پرخچے اُڑ گئے۔ وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۔۔۔ (الاعراف:143) موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے حالانکہ وہ اللہ کے رسولؑ تھے جنہیں شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا۔

اگر درخت میں تجلیاتِ ذاتی ہوتیں تو کون برداشت کرتا لہٰذا یہ تجلیاتِ صفاتی تھیں اور ربوبیت کا مظہر تھیں۔

## معجزات عطا ہوئے:

ارشاد ہوا: وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ ۔۔۔ یہ جو آپ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے، اسے ڈال دیجیے۔ انہوں نے لاٹھی ڈال دی تو اتنا بڑا اژدھا بنا کہ موسیٰ علیہ السلام خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے جب اتنا بڑا اژدھا حرکت کرتے پھنکارتے دیکھا تو خوفزدہ ہوئے اور وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۔۔۔ اور پیچھے کو بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے یا نہیں۔

یاد رہے بشری خصوصیات انبیاؑ میں بھی ہوتی ہیں اور موذی جانور کو دیکھ کر آپؑ کو اس سے خطرہ محسوس ہوا تو آپؑ اس سے دور جانے کے لیے پیچھے بھاگے۔ آواز آئی: يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ یا موسیٰ! اللہ کریم نے پکارا، موسیٰ رک جاؤ! پیچھے نہیں بھاگو، آگے بڑھو۔ واپس آ جاؤ آگے بڑھو اور اسے پکڑ لو۔ آپ ہرگز نہ ڈرو اس لیے کہ آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ نے امن دے دیا ہے۔ انبیاؑ اور رُسُل مامون ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امن دیے جاتے ہیں اور اُن کی طرف جو پتھر پھینکتا ہے وہ بالآخر پھینکنے والے کے ہی سر پر لگتا ہے۔ اس کی سزا اُسے خود بھگتنی پڑتی ہے۔ فرمایا، آپ ڈریے نہیں آپ امن دیے گئے ہیں، واپس آئیے اور اسے پکڑ لیجیے۔ یہ پھر سے لاٹھی بن جائے گی۔

اور: اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۔۔۔ اپنا ہاتھ اپنے دامن، اپنے بغل میں ڈالیے اور آپ دیکھیں گے کہ وہ چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔ کوئی داغ یا دھبہ اس میں نہیں ہوگا۔ چاند میں تو داغ ہیں آپ کے ہاتھ میں کوئی داغ بھی نہیں ہوگا ایسا روشن ہو جائے گا۔ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ اور خوف دور کرنے کے لیے اپنے بازو کو پھر اپنے ساتھ لگالیں۔ یہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس دلائل ہیں۔ یہ دو معجزات ہیں آپ کے پاس اور اب آپؑ کا کام ہے جانا: اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ کہ آپ کو بطورِ نبیؑ فرعون کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ فرعون اور اس کے اہل دربار کے پاس تشریف لے جائیں۔ وہ بہت ہی بدکار لوگ ہیں۔ فاسق ہیں، نافرمان ہیں۔

غور کریں کہ فرعون ایک بہت بڑی عالمی طاقت تھا اپنے عہد کی سپر پاور کہہ لیں۔ اس کی مخلوق پر اتنی گرفت تھی کہ کہتا تھا کہ تمہارا معبود خالق و مالک میں ہوں لہٰذا مجھے سجدے کرو۔ خود کو سجدے کرواتا تھا اور اُن سے کہتا تھا کہ میرے علاوہ کون معبود ہوسکتا ہے۔ مجھ جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔ انتہائی جابر اور سخت گیر تھا۔ اس نے تانبے کی گائے بنوا رکھی تھی جو اندر سے خالی تھی۔ جسے سزا دینا چاہتا اس میں اُس بندے کو بند کر کے نیچے آگ جلوا دیتا۔ کسی کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں گاڑ دیتا۔ وہ بندہ تڑپ تڑپ کر جان دیتا۔ بے حد ظالم تھا، طاقتور تھا اور موسیٰ علیہ السلام اکیلے ہیں۔ اللہ کریم حکم دے رہے ہیں جاؤ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اور یہ دلائل، معجزات آپؑ کے پاس ہیں۔

معجزات نبوت حق کو ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ معجزہ اللہ کا کام ہوتا ہے، نبیؑ کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ نبیؑ کا خلوص سے اتباع کرنے والے اور اُنؑ کی برکات سے روشن سینہ رکھنے والے لوگ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ اُن سے اگر کوئی عقل کو عاجز کرنے والی بات صادر ہو جائے تو کرامت کہلاتی ہے۔ کرامت بھی اللہ ہی کا کام ہوتا ہے ولی کے ہاتھ پر بطفیلِ اتباعِ نبیؑ صادر ہوتی ہے۔ معجزے کا حاصل بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ نبیؑ کی صداقت کا گواہ بن جائے۔ کرامت کا حاصل بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ دین کے برحق ہونے اور نبیؑ کے سچا ہونے کا گواہ بنے۔ یہ جو روزمرہ مداری شعبدے دکھاتے ہیں یہ کرامت یا معجزہ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ہوا میں بھی اُڑنا شروع کر دے تو ہوا میں تو گدھ اور کوے بھی اڑتے پھرتے ہیں۔ اگر پانی پر چلنا شروع کر دے تو سارا دن مینڈک بھی پانی پر تیر رہے ہوتے ہیں۔ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ اصل کمال ہے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کا حق ادا کرنا۔

اللہ کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے اہلِ دربار کے پاس تشریف لے جانے کا حکم دیا جو انتہائی ظالم، طاقتور اور متکبر ہے۔

## اللہ کے بندوں میں جرأتِ رندانہ کہاں سے آتی ہے؟

اتنے بڑے دشمن کی طرف اکیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا جا رہا ہے۔ یہ کیا قوت ہوتی ہے جو اللہ کے نبیؑ کو ایسے لوگوں کے پاس لے جاتی ہے؟

روئے زمین پر کفر و شرک کا اندھیرا ہے۔ ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا مبعوث ہوتے ہیں اور ساری دنیا کو للکارتے ہیں کہ جو کچھ کر رہے ہو یہ غلط ہے۔

یہ اتنی جرأت کہاں سے آتی ہے؟ اس لیے کہ نبیؑ کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ دنیا کی کتنی بڑی طاقتیں ہوں،

قوتیں ہوں، وسائل و اسباب ہوں وہ اللہ کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہوتے۔ نبیؐ کے ساتھ اللہ ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ ہونے کا نبیؐ کو اتنا یقین اور اعتماد ہوتا ہے کہ وہ حق پر قائم رہتا ہے۔ اپنے راستے سے ہٹتا ہے نہ ہی بھٹکتا ہے۔ کتنی ہی بڑی مشکل کیوں نہ آجائے۔ بڑے سے بڑا حکمران یا لشکر آجائے نبیؐ کو یقین ہوتا ہے میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔

## ہمارا المیہ:

ہم کیوں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ ہم کیوں در بدر پھرتے ہیں؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم سے شعبدہ باز بھی سجدہ کرا لیتا ہے۔ کوئی حکمران یا حکومت کا کارندہ بھی ہم سے پاؤں پکڑوالیتا ہے اور پیسے بھی لے لیتا ہے۔ یہ حال اس لیے ہے کہ ہم نے چند الفاظ یاد کر لیے ہیں اور سمجھا یہی کافی ہے۔ ہم نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یقین کی وہ کیفیت حاصل ہی نہیں کی جو معیتِ باری کی ہے۔ ہم نہ الفاظ پر عمل کر سکے نہ ہی اُن کی کیفیات وصول کر سکے۔ معیتِ باری کی کیفیت جب نصیب ہو تو وہ بندے کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ جو لوگ اس کے باوجود بندوں کے محتاج بنے پھرتے ہیں حقیقت میں اُنہیں کوئی کیفیت حاصل ہی نہیں ہوتی۔

شیخ پندارد کہ دارد حاصل
شیخ را حاصل بجز پندار نیست

یعنی شیخ صاحب کو پیر صاحب کو بڑا وہم ہو گیا ہے کہ میرے پاس بہت کمال ہے، بڑا کچھ ہے۔ اُن کے پاس سوائے اس وہم کے اور کچھ بھی نہیں۔

اگر کسی کو معیتِ باری کا کوئی شمہ نصیب ہو جائے تو وہ اُسے مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے اور خالق کا غلام بنا دیتا ہے۔

فرمایا: اُسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جب مبعوث ہوتے ہیں تو اس عہد کے اپنے کچھ کمالات ہوتے ہیں چنانچہ انبیاءؑ کو ایسے معجزات عطا ہوتے ہیں جو اس دور کے کمال کو عاجز کر دیں۔ معجزہ ایسا کام ہوتا ہے جو عقلِ انسانی کو عاجز کر دے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اہل مصر میں جادو کا بہت رواج تھا۔ مصر میں بڑے ماہر اور معروف جادوگر تھے۔ اسرائیلیوں کی روایات میں فرعون کے بارے عجیب و غریب باتیں ملتی ہیں۔ ان میں

کتنی صداقت ہے یہ تو اللہ کریم ہی جانتے ہیں۔ ان عجیب وغریب روایات میں ملتا ہے کہ فرعون جب دریا کی سیر کو نکلتا تو اس کے دونوں پہلوؤں میں دونو جوان، خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوتیں۔ لیکن اگر کوئی غیر متعلقہ بندہ اس کی کشتی کی طرف جاتا تو وہ لڑکیاں شیر بن جاتیں اور جب وہ پیچھے ہٹ جاتا تو پھر سے لڑکیاں بن جاتیں۔ ایسا عجیب جادو کا کھیل تھا۔

اسی طرح فرعون کے ملکی خزانے پر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور وہ اوپر جا کر کھلتا تھا۔ اگر پہلی سیڑھی پر کوئی قدم رکھتا تو اُسے نظر آتا کہ اوپر کوئی بندہ تیر کمان لیے کھڑا ہے۔ جب دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھتا تو اوپر کھڑا بندہ تیر کو ترکش سے نکال کر کمان میں کھینچ لیتا پھر جب وہ تیسری سیڑھی پر پاؤں رکھتا تو تیر لگ جانے سے ہلاک ہو جاتا۔ اس طرح کی باتیں فرعون کے عہد میں عام تھیں اور جادو کا کمال تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا ہوئے وہ ایسے تھے کہ جادو کو عاجز کر دیں۔ چار پانچ فٹ لمبا عصا جسے گراتے تو اتنا بڑا اژدھا بن جاتا لیکن ہاتھ میں پکڑتے تو وہی لاٹھی ہوتا۔ اسی طرح دوسرا معجزہ عطا فرمایا کہ اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں ڈالیں پھر باہر نکالیں تو ایسا روشن ہوگا کہ چاند میں تو داغ نظر آتے ہیں آپ کے ہاتھ میں کوئی داغ نہیں ہوگا۔ دوبارہ پہلو میں ڈالیں گے تو ہاتھ پہلے جیسا ہو جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بھی بہت سے معجزات عطا ہوئے جو قرآن میں اپنی جگہ مذکور ہیں۔ سو فرمایا یہ دو بڑے معجزے تھے۔ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے دو بہت قوی دلیلیں ہیں، فرعون اور اس کے اہلِ دربار کے لیے اور بے شک یہ لوگ من حیث القوم نافرمان ہیں۔

برائی پھیلتے پھیلتے جب قوموں کا رویہ بن جاتی ہے تو پھر پوری قوم پر زوال آتا ہے۔ جب تک قوم میں کچھ لوگ نیکی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں اور کچھ غلط کار ہوں تو گزارا چلتا رہتا ہے لیکن جب سب ہی برائی پر کاربند ہو جائیں تو پھر مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

ہر قوم کے نیکی اور برائی کے حوالے سے اپنے عہد کے اپنے رویے ہیں۔ فرمایا یہ فرعون اور اس کی قوم جو حکمران ہے من حیث القوم برائی کی طرف مائل ہوگئی ہے برائی میں لگ گئی ہے۔ جب ایسا ہو جائے تو پھر قوم پر عجیب وغریب عذاب نازل ہوتے ہیں۔

## دورِ حاضر کا المیہ:

آج ہمارا المیہ بھی یہی ہے کہ پوری قوم کا ایک عجیب مزاج بن چکا ہے۔ ہمارے عہد کا سب سے بڑا گناہ جو سمجھ آتا ہے وہ دنیا طلبی ہے۔ کسی کو حلال حرام، جائز ناجائز کی پروا نہیں، بس دولت ملنی چاہیے، جہاں سے

بھی ملے، یہ ہمارا قومی المیہ بن گیا ہے۔ حکمرانوں پر مقدمے بنتے ہیں کہ قومی دولت اڑا لی۔ ٹھیکیدار تاجر پکڑے جاتے ہیں کہ چور بازاری کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک عام آدمی تک نوبت آ گئی ہے کہ جسے جہاں موقع ملے وہ بد دیانتی کرتا ہے۔ عجیب بات ہے قصاب گوشت ذبح کر کے بیچتے ہیں، آگے ایسی کمپنیاں بن گئی ہیں جو سپلائی کرتی ہیں انہوں نے پیسے بنانے کے لیے حرام سپلائی کرنا شروع کر دیا۔ اُن کا مقصد لوگوں کو حرام کھلانا نہیں ہے بلکہ پیسے بنانا ہے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دین کا کام کرنے والوں میں بھی اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو محراب و منبر سے بھی پیسہ کمانا چاہتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ من پسند فتوے خریدے جا سکتے ہیں، حد ہو گئی۔ یعنی پیسہ ہماری قوم کی کمزوری بن چکا ہے اور اللہ کی سزائیں بھی عجیب ہوتی ہیں، فرماتے ہیں کہ لوگ جب ان برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں تو ہم اُن کی روزی تنگ کر دیتے ہیں۔ اُن پر ایک ایسا عذاب مسلط کر دیتے ہیں کہ اُن کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ پیسے ہوتے ہیں مگر چیزیں دستیاب نہیں ہوتیں، عام روزمرہ کی چیزیں قوتِ خرید ہونے کے باوجود نہیں ملتیں۔ یعنی روزی تنگ کر دی گئی ہے۔

یہ درست ہے کہ ملک میں اور بھی برائیاں ہیں، کچھ لوگ قتل کرتے ہیں کچھ اس سے منع کرنے والے بھی ہوتے ہیں، چوری کرنے والے ہیں تو چوری سے منع کرنے والے بھی ہیں۔ دیگر برائی کرنے والے ہیں تو برائی سے منع کرنے والے بھی ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ دوسروں کو برائیوں سے روکنے والے بھی پیسے کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اس لیے کہ یہ ہمارا قومی رویہ بن چکا ہے۔

فرمایا کہ فرعون اور اس کی ساری قوم برائی میں دھنس چکے ہیں اس لیے آپؑ فرعون اور اس کے اہلِ دربار کے پاس جائیں۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست:

موسیٰ علیہ السلام عرض گزار ہوئے، قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾
بارِ الٰہا آپ جانتے ہیں میرے ہاتھ سے اُن کا ایک بندہ غلطی سے مارا گیا تھا۔ میں نے توبہ کی، آپ کی طرف رجوع کیا آپ نے معافی دے دی لیکن یہ میرا اور آپ کا معاملہ ہے۔ فرعون اور اس کی قوم تو اس قتل کو نہیں بھولے ہوں گے۔ مجھے خطرہ ہے کہ فرعون نے تو پہلے ہی میرے قتل کا حکم دے رکھا ہے جس سے بھاگ کر بچ نکلا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جاتے ہی میری گردن اتار دے اور میں آپ کا پیغام بھی نہ پہنچا سکوں۔ آپ مجھ پر مہربانی فرمایئے اور وَاَخِیْ هٰرُوْنُ
هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۡ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے۔ میری زبان میں کچھ رکاوٹ ہے تھوڑی سی لکنت ہے لیکن وہ بات کو بہت کھول کر واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ آپ میرے بھائی کو میری قوت بنا دیجیے، معاون اور مددگار بنا دیجیے۔

دوسری یہ بات بھی ہے میرا اندازہ یہ ہے کہ فرعون کے دربار میں فرعون سے لے کر نیچے تک کوئی بندہ میری تصدیق نہیں کرے گا۔ اگر میرا بھائی میرے ساتھ ہوگا تو اس بھری محفل میں ایک بندہ تو ایسا ہوگا جو میری تصدیق کر سکے گا کہ جو میں کہہ رہا ہوں حق ہے۔ اللہ کریم آپ مہربانی فرمایے میرے بھائی کو میرے ہمراہ کر دیجیے۔ اُسے اجازت اور توفیق دیجیے کہ وہ بات کو کھول کر بیان کرے اور میرا معاون و مددگار ہو۔ اس دربار میں میری نبوت کی تصدیق بھی کرے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہاں فرعون اور اس کے جتنے اہلِ دربار ہوں گے وہ میری تکذیب کریں گے تو کوئی ایک بندہ تو ایسا ہو جو میری نبوت کی تصدیق کرے۔

## عطائے باری:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں ارشادِ باری ہوا، فرمایا: قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ ۔۔۔ ہم آپ کے بھائی سے آپ کے بازو مضبوط کریں گے۔ آپ کے بھائی کو آپ کی قوتِ بازو بنا دیں گے، آپ کے ساتھ بھیجیں گے۔

چنانچہ اللہ کریم نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کر دی تا کہ دعوت کا کام ہو سکے۔ یہ اللہ کریم کی عطا ہے کہ اُنہیں بھی نبوت عطا کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کی قوتِ بازو بھی بنا دیا۔ فرمایا: وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۔۔۔ اور ہم آپ کو ایسی قوت اور ایسی ہیبت عطا فرمائیں گے کہ فرعونی آپ کی طرف میلی نظر سے بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ انکار یا اقرار کا تو اختیار ہے اُن کے پاس لیکن وہ آپ پر غالب ہو جائیں یا شہید کر سکیں، ایسا ہرگز نہ کر سکیں گے۔ آپ دونوں کو ہم وہ قوت دیں گے کہ بے حد جابر ہونے کے باوجود فرعون یہ جرأت نہیں کر سکے گا کہ آپ پر ہاتھ ڈالے۔ اُن لوگوں کے ہاتھ آپ کے دامن تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ اُن میں جرأت ہی نہیں ہوگی کہ آپ کو قید کر سکیں یا قتل کر دیں، اس لیے کہ ہم آپ کو ایسی غیبی طاقت اور قوت دیں گے۔ حق کے ساتھ ایسی طاقت ہوتی ہے، قوت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اہلِ حق بڑے بڑے ظالموں کے سامنے ڈٹ کر حق بولتے آئے ہیں۔ اللہ کریم کی طرف سے طاقت عطا ہو جاتی ہے۔

فرمایا: بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ میرے عطا کردہ معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس جائیں نتیجہ آپ کو بتا دیا جاتا ہے کہ بالآخر آپ اور آپ کے پیروکار غالب ہوں گے اور فرعون مغلوب ہوگا۔ انجام

کار کتنا عرصہ مقابلہ ہوگا، کتنی مشکلات آئیں گی کتنا وقت لگے گا اس بحث کو چھوڑیے۔ یہ بات طے ہے کہ آپ اور آپ کے پیرو کار غالب ہوں گے جیت جائیں گے۔

## بات میں اثر:

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جو وحی نازل ہوتی ہے وہ قطعی و یقینی بات ہوتی ہے اور اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ کے نبیؑ کو اس میں رائی برابر بھی شک پیدا ہو۔ نبیؑ جس بلندیٔ منازل پر فائز ہوتا ہے جب اس اعلیٰ مقام پر وحیٔ الٰہی کو سنتا ہے یا آگے بیان فرماتا ہے تو قطعی یقین کے ساتھ کرتا ہے۔

آج دیکھا جائے تو علمائے ظواہر جو صرف صاحبِ قال ہوتے ہیں اُن کی تقریریں یا بیانات سنیں تو اُن تقریروں میں تشبیہات، خوبصورت الفاظ اور استعارے ہوں گے۔ معنی بھی خوبصورت ہوں گے لیکن تیقن کی کیفیت نہیں ہوگی۔ اس میں یہ کیفیت نہیں ہوگی کہ یہ بات قطعی ہے۔ جہاں کوئی صاحبِ حال، صاحب دل بات کر رہا ہوگا، جو بات اس کی زبان پر آئے گی اس میں تیقن ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ اہل اللہ کے جملے علمائے ظواہر کی طرح مُسَجّع و مُقفّیٰ نہ ہوں، اُن کے الفاظ کا انتخاب ویسا نہ ہو لیکن جو بات بھی وہ کہیں گے اس میں تیقن ہوگا۔ وہ پورے یقین سے قطعی طریقے سے کہہ رہے ہوں گے اور اُن کے سامعین کو بھی اللہ یقین نصیب کر دے گا۔ اگر اہل اللہ میں یہ صفات ہیں تو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کتنی بلند ہوگی؟ وہ جب وحیٔ الٰہی سنتے یا بیان کرتے ہوں گے تو کس اعلیٰ درجے کے قطعی یقین کے ساتھ کرتے ہوں گے!

ظاہری حالات یہ ہیں کہ فرعون کے پاس ایک عظیم سلطنت ہے۔ اپنے زمانے کی سپر پاور ہے۔ فرعون ایک مطلق العنان حکمران ہے جس سے اردگرد کی بادشاہتیں بھی لرزتی ہیں۔ اس کی طرف میلی نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے پاس لشکر ہیں، خزانے ہیں، طاقت ہے۔ خدائی کا دعویدار ہے اپنی ساری رعیت سے اپنی پوجا کراتا ہے، سجدے کرواتا ہے۔ دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام ہیں اور عالم یہ ہے کہ آپؑ نے ایک اونی کمبل کا لباس پہنا ہوا تھا جو ٹخنوں تک لمبا تھا۔ اس لباس کو درمیان سے کاٹ کر گلا بنایا ہوا تھا اور گلا بند کرنے کے لیے کانٹے لگا رکھے تھے۔ پاؤں میں کچے چمڑے کا جوتا تھا جو چمڑہ سکھا کر آپؑ نے خود بنایا تھا اور ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی۔ یہ سارا ساز وسامانِ زندگی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا۔ آپؑ کے ساتھ ایک بھائی تھا جسے اللہ نے نبوت عطا کر دی اور تصدیق کرنے کے لیے ساتھ بھیج دیا۔ جب اللہ کریم نے انہیں نتیجہ بتا دیا کہ ہم آپ کو وہ قوت دیں گے کہ فرعون آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا تو ان دو ہستیوںؑ کو اب فرعون کا رعبِ سلطنت خائف نہیں کر سکتا۔ فرعونی لشکروں کی طاقت انہیں دبا نہیں سکتی۔ فرعونی خزانوں کی چمک ان کے ارادے کمزور نہیں کر سکتی۔

## فرعون کو دعوتِ حق اور اُس کا جواب:

فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچ گئے اور دعوتِ حق دی اور علی الاعلان دی۔ فرعون نے اُن کی بات سن کر کہا کہ آپ تو عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ ایسی باتیں تو ہمارے باپ دادا کے عہد میں بھی نہیں سنی گئیں کہ کوئی اور اِلٰہ بھی ہے۔ کوئی اور خالق بھی ہے اور ہم پر موت آئے گی اور ہم پھر سے زندہ ہو کر حساب کے لیے اس معبود کے سامنے جائیں گے۔ ہماری دانست میں تو یہ فسانے ہیں۔ ہماری اتنی نسلیں گزر گئیں، باپ دادا گزر رہے لیکن یہ باتیں ہم نے کسی سے سُنی تک نہیں۔

یہ جو آپ کی لاٹھی سے اژدھا بن جاتا ہے اور آپ کا ہاتھ جب نکالتے ہیں تو چمکنے لگتا ہے یوں سمجھ آتا ہے کہ آپ کو جادو آتا ہے۔ سِحْرٌ مُّفْتَرًى ۔۔۔ یہ ایک ایسا جادو ہے جو آپ نے منتر پڑھ کر تماشا کر دیا ہے۔ لوگوں کو جادو آتا ہے، آپ کو زیادہ آتا ہے۔ جو باتیں آپ کر رہے ہیں یہ اتنی عجیب ہیں کہ ہم نے کبھی سنی ہی نہیں نہ کسی نے کبھی کہیں کہ ہم مرنے کے بعد پھر سے زندہ ہو جائیں گے۔ کتنے لوگ مر گئے لیکن آج تک کوئی زندہ ہو کر واپس آتا نہیں دیکھا گیا۔ ایسی باتیں کبھی نہیں سنیں۔ آپ عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں۔

فرمایا: وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میرا پروردگار حقیقتِ حال سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے، اس کے علم میں ہے کہ اس کی طرف سے ہدایت لے کر کون آیا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اُس نے کس کو یہ ذمہ داری سونپی ہے اور بالآخر انجامِ کار کون کامیاب ہوگا۔ وہ سب جانتا ہے کہ اُخروی گھر کس کو ملے گا۔

جس بات کو تم آج فسانہ کہہ کر جھٹلا رہے ہو انکار کر رہے ہو، اس کا انجام میرا پروردگار جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کامیابی کی منزل کون پائے گا اور یہ بھی خوب کان کھول کر سُن لو کہ وہ غلط کاروں کو کبھی کامیاب نہیں کرتا اور تم جو کچھ کر رہے ہو سب غلط ہے۔ تمہارا عقیدہ بھی غلط ہے اور عمل بھی غلط ہے۔ وہ غلط عقیدے اور عمل کو کبھی قبول نہیں فرماتا اور ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ تم لوگ ظلم کر رہے ہو اور وہ ظالموں کو کبھی کامیابی عطا نہیں کرتا۔ یہ اس کا قانون ہے۔

ظلم کا لغوی معنی ہے وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ، یعنی کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اُس کا مقام نہ ہو۔ یعنی غلط کام کرنا، الٹا کام کرنا تو غلط بات کہنا بھی ظلم ہے اور غلط کام کرنا بھی ظلم ہے۔ غلط عقیدہ بھی ظلم ہے۔ گویا ہر

غلط چیز ظلم میں داخل ہو جاتی ہے۔

فرمایا، وہ جانتا ہے اس کے روبرو ہے جو کچھ ہو رہا ہے اور وہ غلط کاروں کو کبھی کامیابی عطا نہیں کرتا۔

فرعون اپنا رخ موسیٰ علیہ السلام سے پھیر کر اہل دربار سے مخاطب ہوا، کہنے لگا کہ اے میرے امرا! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود ہے۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ میرے علاوہ بھی کوئی ہستی ایسی ہے جس کی پوجا کی جائے، جس کو سجدہ کیا جائے۔ پھر ہامان، جو اس کا وزیر خاص تھا اس سے کہنے لگا: فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا ۔۔۔ اے ہامان! مٹی کا گارا بنا کر اس کی اینٹیں بنا کر آگ میں پکاؤ اور میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۔۔۔ میں اس پر چڑھ کر، اوپر جا کر آسمانوں میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ میں انہیں سچا نہیں مانتا لیکن اگر ان کا کوئی معبود ہے اور وہ آسمانوں میں بیٹھا ہے تو میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ہامان کو حکم دیا کہ گارے کو آگ میں پکا کر پتھر پکائیں جائیں اور اس سے کئی منزلہ بلند محل بنایا جائے جس کے اوپر چڑھ کر آسمانوں میں جھانک کر موسیٰ کے الہا کو دیکھ سکے۔ اسی لیے محققین لکھتے ہیں کہ اینٹ فرعون کی ایجاد ہے۔

## تکبر اور انسان:

اللہ کریم فرماتے ہیں: وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ۔۔۔ فرعون اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے۔ فرعون اور اس کے لشکریوں میں ایسا تکبر تھا کہ جتنی اکڑ فرعون میں تھی اس کے سپاہی میں بھی اتنی ہی تھی۔ وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ جو میں کر رہا ہوں وہی حق ہے اور مجھ سے بہتر کوئی ہے ہی نہیں۔

دنیا کا نظام عجیب ہے جسے اللہ رب العالمین ہی سمجھتے ہیں، انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔ انسان بھلا اسے کیا سمجھے گا کہ دنیا میں چند لمحوں کے لیے آیا اور چلا گیا۔ انسان تو اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکا تو باقی باتیں کیا سمجھے گا؟ یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ جس سے بات کریں اُس بندے کے دل میں یہ خیال ہوگا کہ وہ خود کو ناگزیر سمجھتا ہوگا۔ اس کی سوچ یہ ہوگی کہ وہ نہیں ہوگا تو پتا چلے گا یعنی ہر بندہ خود کو کائنات کے لیے ضروری گمان کرتا ہے۔ بادشاہ سے لے کر گداگر تک، کسی خانہ بدوش سے بھی سوال کریں تو کہتا ہے کہ میرے دم سے سب ہے میں نہیں ہوں گا تو یہ کام کیسے ہوگا۔ پھر عجیب بات ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوسرے دن لوگ بھول جاتے ہیں۔ بادشاہ مر جاتے ہیں، جرنیل مر جاتے ہیں، امرا مر جاتے ہیں، غریب مر جاتے ہیں لیکن کسی کے جانے سے سورج کے طلوع ہونے میں تاخیر ہوتی ہے نہ غروب ہونے میں تاخیر ہوتی ہے۔ بادل اور بارش کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اللہ کے نظام میں کسی کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب تک سانس چل رہی ہے، اللہ کے بندوں کے علاوہ کسی کو یہ

یقین نصیب نہیں کہ میرا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، یہ سب کچھ ربّ العالمین کر رہے ہیں۔ یہ یقین صرف اللہ کے پیارے بندوں کو نصیب ہوتا ہے اور اُن کی طلب محض رضائے الٰہی ہوتی ہے وہ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں کہ اللہ اُن سے راضی ہو جائیں۔ ورنہ اہل اللہ کے علاوہ ہر بندے کے دل میں یہ بات موجود ہے کہ اس جیسا کائنات میں کوئی نہیں۔ یہی وبا فرعون اور اس کے سب لشکریوں کے دل میں گھر کر چکی تھی کہ اُن جیسا کوئی نہیں اور جو وہ کرتے ہیں وہ ٹھیک ہے باقی سب غلط ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ ناحق زمین پر اکڑ رہے تھے بڑائی کے دعوے کر رہے تھے۔

## تکبر میں مبتلا ہونے کا سبب:

فرمایا: وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ ان کا گمان یہ تھا کہ یہی دنیا ہے اور اس میں ہم جو عیش کر رہے ہیں، من مانی کر رہے ہیں، جو چاہے کر لیں ٹھیک ہے۔ جب مر جائیں گے تو قصہ ختم ہو جائے گا۔ ہمیں واپس بارگاہِ الٰہی میں جوابدہی کے لیے نہیں جانا ہے۔ فرمایا، ان لوگوں کو میری بارگاہ میں حاضری کا یقین نہیں ہے۔

اللہ کریم نے گناہ کا فلسفہ ارشاد فرما دیا ہے کہ بندہ گناہ کیوں کرتا ہے؟ آخر انسان گناہ کیوں کرتا ہے جبکہ اُسے جرم سمجھتا ہے اور لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے، کسی کے سامنے نہیں کرنا چاہتا؟ فرمایا، دراصل اس کے دل میں یقین نہیں رہتا کہ اسے اللہ کے حضور حاضر ہو کر جواب دینا ہے۔ ہر گناہ کا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ گناہگار کو یہ یقین نہیں رہتا اور وہ بعد میں توبہ نہیں کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے جس کا مفہوم ہے کہ بندہ جب برائی کرتا ہے تو اس وقت اس میں ایمان نہیں ہوتا اگرچہ بعد میں لوٹ آئے لیکن گناہ کے وقت اس میں ایمان نہیں رہتا۔ اگر یہ یقین ہو کہ اللہ کریم ہر آن میرے پاس موجود ہیں اور ایک دن اللہ کے حضور جواب بھی دینا ہے تو پھر جرم کرنا اتنا آسان نہیں رہتا۔ پھر بھی اگر شیطان اتنی غفلت طاری کر دے اور انسان گناہ کر بیٹھے تو بندہ فوراً رجوع الی اللہ کرتا ہے، توبہ کرتا ہے، اس کا کفارہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی سزا بھگتنے کی کوشش کرتا ہے۔

انسان سے گناہ کا صدور ممکن ہے کیونکہ سوائے انبیاؑ کے کوئی معصوم نہیں لیکن جن کا ایمان کامل ہوتا ہے وہ پھر اس گناہ کو ہضم نہیں کرتے بلکہ رجوع الی اللہ کرتے ہیں۔ اللہ کے ایسے بندے بھی تھے جنہوں نے خود عدالتوں میں جا کر سزائیں بھگتیں اس درد سے کہ یہ گناہ مجھ سے کیوں سرزد ہوا۔

## تکبر کا نتیجہ:

فرعون اور اس کے لشکریوں کے سارے تکبر اور خدائی دعوؤں کا نتیجہ کیا ہوا، فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ

فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٤٠﴾ ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکریوں کو پکڑا اور اُن کو سمندر کی نذر کر دیا، سمندر میں پھینک دیا۔ اُن کا تکبر، اُن کی ریاستی طاقت، فوجی قوت، لاؤ لشکر اور مال و دولت کچھ بھی انہیں بچا نہ سکا۔ اے مخاطب! دیکھ لو غلط کاروں کا انجام کیسا ہوتا ہے، گناہ کا نتیجہ کیا ہے۔ اللہ کی نافرمانی سے جب اللہ کی گرفت آتی ہے تو پھر مال و دولت، حکومت و سلطنت، مقامات و مناصب یا اختیارات نہیں بچا سکتے اور ہر چیز چُور چُور ہو جاتی ہے۔

## امام:

فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً ۔۔۔ ہم نے انہیں امام بنا دیا، فرعون اور اس کے لشکریوں کو امام بنا دیا۔

لفظ 'امام' کوئی شرعی منصب نہیں ہے۔ امام کا مطلب ہے پیشوا جسے انگریزی میں لیڈر کہتے ہیں۔ نیکوں کا پیشوا ہوگا تو بہت نیک ہوگا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام کہا گیا ہے۔ وہ اللہ کے نبیؑ اور خلیل تھے اور نیک، صحیح راہ پر چلنے والوں کے پیشوا تھے۔ انہیں امام کہا گیا ہے یعنی نیکوں کے پیشوا۔ امام کوئی شرعی منصب نہیں ہے۔ ہمارے آئمہ اربعہ ہیں، فقہ کے امام ہیں۔ انہوں نے ساری دنیا کو فقہ کی تعلیم فرمائی، وہ فقہ کے راہنما ہیں۔ محدثین کو حدیث کا امام کہا جاتا ہے۔ بعض علما کا خطاب امام المحدثین ہے یعنی محدثین کے امام و پیشوا ہیں۔ اسی طرح جو لوگ نیکی میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں اور لوگ اُن کے پیچھے نیکی کے راستے پر چلتے ہیں۔ وہ دوسروں کو نیکی پر لانے کا سبب بنتے ہیں نیکوں کے امام ہیں۔

ہر شعبے میں کوئی نہ کوئی شخص سب سے بڑا ہوتا ہے۔ وہ آگے ہوتا ہے لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اسے امام کہتے ہیں۔

اسی طرح کافروں کے پیشواؤں کو آئمۃ الکفر کہا گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے: فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۔۔۔ (التوبہ:13) کفر کے اماموں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ لوگوں کو کفر کی دعوت دے رہے ہیں۔ کفر کو بڑھا رہے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ جہاد کرو۔ کفر کے پیشو کو بھی امام کہا گیا ہے۔

ان آیات میں فرمایا کہ فرعونی بُرائی میں اتنے بڑھ گئے تھے کہ ہم نے انہیں امام بنا دیا تھا۔ کس بات کا امام؟ فرمایا: یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔۔۔ وہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے۔ وہ دوزخ کے داعی تھے، دوزخ کی طرف لے جانے والے پیشوا تھے اور دوزخیوں کے سربراہ بن گئے۔

فرعون اپنی قوم کا سربراہ تھا تو اس کے لشکری اپنے اپنے خاندان، جہاں تک ان کی رسائی تھی اس کے پیشوا تھے لہٰذا امامت کوئی شرعی منصب نہیں ہے۔ اگر شرعی منصب ہوتا تو صرف نیک لوگوں کے لیے آتا پھر یہ لفظ کفار یا

فرعون اور اس کی آل کے لیے نہ آتا۔ سورۃ ھود میں ارشاد ہوتا ہے: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ۔۔۔(ھود:98) وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا پھراُن کو دوزخ میں جا اتارے گا۔قوم کی قیادت کرے گا اور سب کو لے کر جہنم میں داخل ہو گا تو وہاں بھی امام ہو گا۔

فرمایا، ہم نے فرعونیوں کو بعد میں آنے والے بدکاروں کا پیشوا بنا دیا۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ﴿۴۱﴾ اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی یہ اپنا کیا ضرور بھگتیں گے۔ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً۔۔۔ اور ہم نے اس دنیا میں بھی اُن کے پیچھے لعنت لگا دی ہے۔

اللہ کی سزائیں بھی عجیب ہیں۔ اللہ نے شیطان کے پیچھے لعنت لگا دی تو جو لوگ ساری عمر شیطان کے پیچھے چلتے ہیں وہ بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اُسے اچھا نہیں کہتے۔ کیسی عجیب بات، ساری عمر اس کی غلامی کرتے ہیں۔ اُس کا کہنا مان کر اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی کرتے ہیں لیکن جب شیطان کی بات ہوتی ہے تو اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

فرمایا، فرعون کو دنیا میں ہم نے یہ سزا دی کہ اس کے پیچھے لعنت لگا دی ہے جن کا اپنا کردار فرعون جیسا ہو گا وہ بھی فرعون اور اس کی آل پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ اللہ کے بھلے لوگ تو بھیجیں گے ہی بُرے لوگ بھی ان سب پر لعنت ہی کرتے رہیں گے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴿۴۲﴾ اور قیامت کے دن یہ بہت ہی بدحال لوگوں میں ہوں گے۔ جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہو گا جنہیں نجات کی کوئی اُمید نہیں ہو گی، کسی سے مدد کی اُمید نہیں ہو گی۔ کسی سے کوئی بھلائی کی توقع نہیں ہو گی۔ ہر حال میں محروم و بدحال لوگوں میں ان کا شمار ہو گا۔

# سورۃ القصص رکوع 5 آیات 43 تا 50

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ
لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ
اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ
نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ
قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ
اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ
تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ
اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ
فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى
مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾

اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اگلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد کتاب (تورات) عطا فرمائی جو لوگوں کے لیے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت

تھی تا کہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں﴿۴۳﴾ اور آپ (طُور کی) مغرب کی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیے اور نہ آپ (اس واقعہ کے) دیکھنے والوں میں سے تھے﴿۴۴﴾ ولیکن ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) کئی امتوں کو پیدا فرمایا پھر اُن پر طویل مدت گزر گئی اور نہ ہی آپ مدین والوں میں رہنے والے تھے کہ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے۔ ہاں ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے﴿۴۵﴾ اور نہ آپ اس وقت جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) آواز دی طُور کے کنارے تھے ولیکن (آپ کا بھیجا جانا) آپ کے پروردگار کی رحمت سے ہے تا کہ ایسے لوگوں کو (انجام بد سے) ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں﴿۴۶﴾ اور ایسا نہ ہو کہ جو اعمال ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں ان کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت پڑے (دنیا یا آخرت میں) تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم آپ کے احکام (آیات) کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے﴿۴۷﴾ پس جب ہمارے پاس سے ان کے پاس حق پہنچا تو کہنے لگے جیسے (معجزات) موسیٰ (علیہ السلام) کو ملے تھے ان کو کیوں نہیں ملے۔ کیا جو کچھ موسیٰ (علیہ السلام) کو ملا (یعنی کتاب) کیا پہلے یہ اس کے منکر نہیں ہوئے کہتے تھے کہ دونوں ایک دوسرے جیسے جادو ہیں اور کہتے تھے یقیناً ہم سب کا انکار کرتے ہیں﴿۴۸﴾ آپ فرمایئے (اچھا) تو تم کوئی کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں (تورات اور قرآن) سے بہتر ہو میں اس کی پیروی کرلوں گا اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو﴿۴۹﴾ پھر اگر یہ لوگ آپ کا، فرمانا نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات پہ چلتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہشات پہ چلتا ہو بغیر اس کے کہ اللہ کی طرف سے (اس کے پاس) کوئی دلیل ہو۔ بے شک اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرمایا کرتے﴿۵۰﴾

# تفسیر و معارف

## تورات کا نزول اور خصوصیات:

فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ۔۔۔ یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اگلی اُمتوں کے ہلاک کرنے کے بعد کتاب (تورات) عطا فرمائی۔

اللہ کریم کے اپنے کام ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مقابلہ رہا تب تک احکام وحی کے ذریعے آتے رہے۔ آپ علیہ السلام کے پاس کتاب نہیں تھی۔ کم وبیش نصف صدی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا مقابلہ کیا۔ بعض علما نے یہ مدت چالیس برس لکھی ہے۔ اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی اُن کی ریاست وسلطنت جاتی رہی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طُور پر طلب فرمایا گیا اور آپ علیہ السلام چالیس دن وہاں رہے پھر آپؑ کو پوری کتاب، تورات عطا کی گئی۔ اس کتاب کی خصوصیات یہ تھیں کہ: بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝۴۳ یہ لوگوں کے لیے دانشمندیوں کا سبب تھی۔ ہر عام آدمی کے لیے بھی چشم کُشا تھی، راہنمائی کرنے والی تھی۔ زندگی، موت، مابعد الموت، کردار، بھلائی، برائی، ظلم، عدل اور ان تمام امور پر واضح، آنکھیں کھول دینے والی تا کہ صحیح راستے کی سمجھ آ جائے۔ اس کے ساتھ وَهُدًى ۔۔۔ ہدایت کا سبب بھی تھی یعنی اس کتاب کو مان کر بندہ ہدایت پاتا، اسی پر عمل کر کے وہ سیدھے راستے پر چلتا اور تیسری خصوصیت یہ تھی: وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝۴۳ یہ کتاب اللہ کی رحمت بھی تھی، اس میں برکات بھی تھیں۔ اس کی برکات یہ تھیں کہ جو کتاب کا مطالعہ کرتا، تلاوت کرتا، سمجھتا اور عمل کرتا وہ اللہ کی رحمت اور قرب پالیتا اور کامیاب ہوجاتا۔

اللہ کریم یہ خصوصیات تورات کی بیان فرما رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک خاص وقت کے لیے تھی۔ جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت رہی تورات رہی پھر جب بعد میں نئی نبوت آ گئی، نئی کتابیں آ گئیں تو تورات کا ماننا تو حق رہا لیکن اس پر عمل ختم ہوگیا۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ افروز ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ اور کچھ اور صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس تورات کا ایک ورق تھا جسے وہ دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تورات کا ایک ورق ہے اسے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخِ انور متغیر ہوگیا۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات ناپسند کرتے تو رخِ انور

سرخ ہوجاتا تھا۔ یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور سرخ ہوگیا صحابہؓ لرز گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس بات پر خفا ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ
(رواہ احمد البیہقی فی کتاب شعب الایمان)

(مفہوم) تم تو تورات کے ایک پھٹے ہوئے گم گشتہ ورق کی تحقیق کر رہے ہو۔ آج خود اگر موسیٰ علیہ السلام اس دنیوی زندگی میں موجود ہوتے تو باوجود اس کے کہ وہ کلیم اللہ ہیں انہیں براہ راست اللہ سے شرف ہمکلامی نصیب ہے ان کے پاس میرا اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

پہلی کتابیں ساری برحق ہیں ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں لیکن عمل اس کتاب پر ہوگا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

آج کل پھر بڑا چرچا کیا جارہا ہے فیس بک اور انٹرنیٹ پر کہ تورات اور انجیل سیکھیں ایسی چیزیں سیکھنے کی ترغیب بھی دی جارہی ہے اور ہماری نوجوان نسل اُن کے نرغے میں آجاتی ہے۔ پھر جب وہ سیکھتے ہیں تو انہیں بعض سکھانے والے جادو کے کلمات بھی سکھا دیتے جس کے نتیجے میں یہ پاگل ہوجاتے ہیں۔ ایسے بہت پاگل یہاں آتے ہیں کہ فیس بک پر پڑھا تھا جب اُسے کیا تو پاگل ہو گئے۔ یہ لوگ قرآن نہیں پڑھتے حدیث پاک نہیں پڑھتے لیکن ایسی باتیں سیکھنے میں تیزی دکھاتے ہیں۔ اللہ کی کتابیں آتی رہیں اور اپنے وقت کے لیے ان پر عمل ضروری تھا۔ جب ان کا وقت پورا ہوا، نئی کتاب آگئی تو نئی پر عمل ہوگا پھر جب قرآن آگیا تو پہلی تمام کتابوں پر عمل ختم ہوگیا۔ تورات کو اللہ کی برحق کتاب ماننا ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ ہم اسے اللہ کی کتاب تو مانتے ہیں لیکن اس کی تلاوت یا اس کو سمجھنا یا عمل کرنا ہمارے لیے اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ تمام سابقہ کتب کے لیے یہی اصول ہے۔ چنانچہ سمجھا قرآن کو جائے گا، سیکھا قرآن کو جائے گا اور عمل بھی صرف قرآن پر ہوگا۔ بعثتِ عالی سے قیامت تک کے مسائل کا حل بیان کر دیا جبکہ باقی تمام کتابوں نے اپنے عہد کے مسائل کا حل بتایا۔ قرآن نے قیامت تک کے لیے ہر قوم، ہر ملک، ہر شہر ہر قریے، ہر موسم اور ہر حال کے لیے، ایک غریب مزدور سے لے کر ایک شہنشاہ تک کے لیے قواعد وضوابط مرتب کر دیے۔ اس ایک بات سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن نے جو عبادات حج، روزہ، نماز تعلیم فرمائی ہیں وہ کسی ملکی حدود یا قوم کی پابند نہیں۔ اقوام عالم مختلف ہیں، رنگ، قد کاٹھ اور زبانیں مختلف ہیں موسم مختلف ہیں۔ سب کی غذائیں، بیماریاں اور دوائیں مختلف ہیں لیکن عبادت سب کی ایک ہے۔ روئے زمین پر ایک قبلہ ہے اور ساری دنیا کے مسلمان ادھر ہی رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ حج کے لیے ہر مسلمان ایک ہی طرف سفر کرتا ہے۔ نماز ایک ہے کہ ہر مسلمان سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ سے لے کر یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ تک ایک ہی انداز سے دہراتا ہے۔ رکوع وسجود کا ایک انداز

ہے اور روئے زمین کے ہر گوشے میں ہر مسلمان بغیر کسی مشکل کے ویسا ہی کرتا ہے۔ ایک ہی انداز ہے روزہ رکھنے کا بھی، ہر مسلمان روزہ رکھتا ہے، افطار کرتا ہے، کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ یعنی یہ بات کتنی عجیب ہے کہ ملک مختلف، قومیں مختلف، زبانیں، رنگ، نسل، موسم، طلوع وغروب کے اوقات، عادات واطوار مختلف ہیں لیکن اللہ کی عبادت میں سب ایک ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے روئے زمین کے سارے مسلمان ایک وجود ہیں۔ فرمایا، اللہ کی کتابیں تو بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ۔۔۔ لوگوں کے لیے چشم کشا ہوتی ہیں۔ اندھیرا ہو، تاریکی ہو، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا ہو ایسے میں کوئی ہمارے سامنے سارا راستہ روشن کر دے تو یہ بصائر ہوگا۔ اللہ کی کتابیں کفر اور ظلم کے اندھیروں میں حق کا راستہ روشن کر دیتی ہیں چشم کشا ہوتی ہیں اور وَهُدًى۔۔۔ ہوتی ہیں۔ راہنمائی بھی کرتی ہیں اور اگر ان کی تلاوت کریں، ان میں غور کریں تو ہاتھ پکڑ کر سیدھے راستے پر چلاتی ہیں۔ کھانا کیسے ہے پینا کیسے ہے، سونا جاگنا کیسے ہے، صلح و جنگ کیسے کرنی، کس کی ماننی ہے کس کی بات نہیں ماننی، لباس حلیہ کیسا ہوگا؟ ہاتھ پکڑ کر ایک ایک کام کراتی ہے کہ یہ کرو ایسے کرو اور یہ نہ کرو۔ اس کے بعد فرمایا کتابِ الٰہی کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ سراپا رحمتِ الٰہی ہوتی ہے۔ وَّرَحْمَةً۔۔۔ ہے کہ اسے دیکھو تو رحمتِ الٰہی نصیب ہوگی، چُھو لو گے تو رحمتِ الٰہی نصیب ہوگی۔ اس کی تلاوت کرو گے، اسے سمجھو گے، اس پر عمل کرو گے تو رحمتِ الٰہی نصیب ہوگی۔ کتابِ الٰہی کا یہ خاصہ ہے لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝ کہ یہ نصیحت فرما دیتی ہے۔ جینے مرنے کے ڈھنگ سکھا دیتی ہے۔ یہاں کتاب کی بات ہو رہی تھی، تورات کی بات ہو رہی تھی۔ آج ہم مکلف ہیں قرآن کریم کے جبکہ تمام کتبِ سابقہ تورات، انجیل، زبور پر ہمارا ایمان ہے کہ یہ اللہ کی کتابیں ہیں۔ ان میں حق تھا جو اللہ کریم نے نازل کیا۔ اب وہ اصل کتابیں نہیں ملتیں، اُن میں تحریف کر دی گئی۔ لیکن جو اصل کتابیں تھیں وہ حق تھیں اس کے باوجود اب عمل صرف قرآن کریم پر ہوگا۔

## کرنے کا کام:

اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ رمضان میں کون سا عمل زیادہ کیا جائے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لحہ بہ لحہ کریم، لحہ بہ لحہ شفیق تھے اور عالمین کے لیے لحہ بہ لحہ رحمت ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔۔۔ (الانبیاء:107) ہم نے آپ کو (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جب رمضان شریف آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو باتیں مزید بڑھا دیتے۔ ایک تلاوتِ کتاب زیادہ ہو جاتی یعنی باقی مہینوں میں تلاوتِ قرآن کریم کا جو معمول تھا، اس سے زیادہ تلاوت فرماتے۔ دوسرا رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ سخاوت بہت زیادہ بڑھ جاتا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں سے ہے کہ زندگی بھر کسی سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار نہیں سنا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جاؤ کچھ نہیں ہے۔ اس کے باوجود رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت بڑھ جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو زیادہ عطا فرماتے، زیادہ بانٹتے اور زیادہ صدقات دیتے تھے۔

رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تلاوت کی کثرت ہونی چاہیے۔ ہماری تو بدنصیبی ہے کہ ہم سارا سال تو پڑھتے ہی نہیں تو کثرت کیا ہوگی! ہم تو پڑھتے ہی قلیل ہیں سوائے اللہ کے بندوں کے کہ کوئی حافظ ہے، قاری ہے عالم ہے تو پڑھتا ہے، عام آدمی کب پڑھتا ہے؟ فرصت ہوتی ہے تو ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور وہ تصویریں اور خرافات دیکھتے رہتے ہیں، قرآن تو کوئی نہیں پڑھتا۔ حالانکہ قرآن پڑھنا چاہیے۔ مومن کے دن کی ابتدا قرآن سے ہونی چاہیے اور سونے سے پہلے اُسے قرآن پڑھ کر سونا چاہیے تو پھر دن بھی نزولِ رحمت کا سبب بن جائے اور رات کی غفلت کی ساعتوں میں بھی رحمتِ الٰہی نازل ہوتی رہے۔ جو لوگ روزانہ تلاوت کرتے ہیں ان کو بھی رمضان میں اپنی تلاوت میں زیادتی کرنی چاہیے اس لیے کہ کتابِ الٰہی کی خصوصیت ہے کہ یہ مجسم رحمت ہے۔ جتنی دیر آپ تلاوت کر رہے ہیں رحمتیں آپ پر برس رہی ہیں۔

آج کی دعوت یہ ہے کہ رمضان میں تلاوت میں زیادتی کر دی جائے، قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کی کوشش کی جائے۔ اللہ کریم توفیق بھی دیں اور قبول بھی فرمائیں۔ آمین

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل:

فرمایا: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) (طور کی) مغرب کی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیے اور نہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس واقعے کے دیکھنے والوں میں تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو وہی واقعات قرآن کریم میں دہرائے جا رہے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اور جب انہیں شرفِ ہمکلامی بخشا گیا اس وقت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں موجود نہیں تھے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا تو اس کی مغرب کی جانب بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ ۔۔۔ بیٹھنے کی جگہ ہوگی اس لیے فرمایا وہ جگہ جہاں سے یہ سارا نظر آتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں تشریف نہیں رکھتے تھے۔ وَمَا كُنتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۴۴﴾ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ سب اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا ایک ایک حصہ بیان فرما رہے ہیں۔ اُن کی ولادت کے بعد اُن کی والدہ پر جو الہام ہوا پھر دریا میں ڈالے گئے، فرعون نے پرورش کی اور پھر قبطی کا اُن کے ہاتھوں قتل ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے فرار ہونا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا اور واپسی پر طور پر شرف ہمکلامی سے مشرف ہونا۔ یہ جو اس واقعہ کی جزئیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کر کے بیان فرما رہے ہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس زمانے میں موجود نہیں تھے، اس جگہ موجود تھے نہ واقعہ کے شاہد تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل صحیح حقیقت بیان فرما رہے ہیں تو پھر کسی نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتائی ہوگی۔ کس نے بتائی؟ فرمایا، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے کہ یہ باتیں بذریعہ وحی اللہ کریم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرما رہے ہیں۔ یہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت، نبوت اور صداقت کی دلیل ہے۔ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۔۔۔ اس پر زمانے گزر گئے یہ کوئی کل کی بات نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سُن لی ہو بلکہ عوام میں تو عجیب وغریب قصے کہانیاں پھیلے ہوئے تھے جن میں حقیقت کی کوئی رمق باقی نہ رہی تھی۔ حقائق، حکایات کے نیچے دب چکے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ کریم ہے کہ پھر ایک ایک حقیقت کو اُن حکایات سے نکال کر بالترتیب بیان فرما رہے ہیں۔ یہ کوئی کل کا واقعہ تو نہیں، اُن کے بعد کتنی اُمتیں آئیں، کتنے زمانے آئے، کتنے لوگ آئے کتنے انبیاء آئے، کتنے لوگ کامیاب ہوئے کتنے تباہ ہوئے۔ کیا کچھ ہوا اور اس طرح ایک طویل عرصہ گزر گیا۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ﴿۴۵﴾ اہلِ مدین میں بھی اُس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود نہیں تھے جب اُن پر مصیبتیں آئیں، جب اُن پر عذاب آئے۔ جب وہ تباہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف نہیں رکھتے تھے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ ہماری رحمتِ خاصہ ہے کہ ہم نے وہاں پیغمبر بھیجے اور ہم ہی پیغمبر بھیجنے والے تھے۔ کیسی نرالی، کیسی عجیب رحمتِ الٰہی ہے۔ جب لوگ بگڑتے ہیں اُن کے عقائد تباہ ہوتے ہیں تو چونکہ عقائد بنیاد ہیں کردار کی، لہٰذا جب عقائد کمزور پڑتے ہیں تو بندہ ڈگمگانے لگتا ہے۔ اس کی گرفت کردار پر ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ اگر عقیدہ بالکل ختم ہوجائے تو کردار صفر ہوجاتا ہے، بالکل ختم ہوجاتا ہے۔ عقیدے کے بغیر کردار کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

پھر جب لوگوں کے عقائد بگڑ گئے اور اس کے نتیجے میں کردار بگڑے تو چاہیے تو یہ تھا کہ اُن پر غضبِ الٰہی نازل ہوتا لیکن ایسے کریم ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ بگڑے تو ہم نے اُن میں انبیاؑ بھیجے جو مجسم رحمت تھے حالانکہ بگڑنے کی سزا تو ملنی چاہیے تھی لیکن یہ میرا اکرم ہے کہ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ ہم نے پھر اُن میں انبیاؑ بھیجے جنہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اُن تک اللہ کا کلام پہنچایا اور جتنی خرافات پھیل گئی تھیں اُن کو الگ کر کے حقائق سامنے رکھے۔ اللہ کریم کا کرم ہے کہ لوگوں کے پاس اپنے رسولؑ اور پیغمبرؑ بھیجے جو حق کے علمبردار تھے اور انہوں نے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی۔

## ایک ضمنی بات:

آج ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ بہت موثر ہیں اور الیکٹرانک میڈیا کے آنے سے باتیں ہی نہیں بلکہ واقعات بھی دکھائے جاتے ہیں۔ اس پر جو ہمارا کردار نظر آ رہا ہے اس سے یہی پتا چلتا ہے کہ ہم رسماً مسلمان ہیں ہمارے عقیدے میں جان نہیں رہی۔ ایک زمانے میں علمائے حق کا کام تھا کہ معاشرے میں مسلمان پیدا کرتے تھے۔ اگر غیر مسلم معاشرہ ہے تو اپنے کردار سے، اپنے افکار سے، تقریر و تحریر سے لوگوں کو متاثر کر کے مسلمان کرتے تھے۔ آج جس طرف دیکھو الٹی تحریک چل گئی ہے اور مسلمان پر کفر کے فتوے دیے جا رہے ہیں۔ کوئی تھوڑا بہت مسلمان ہے بھی تو اُس پر کفر کا فتوی لگا کر کافر کہہ کر بھگایا جا رہا ہے۔

علما کا کام غیر مسلم معاشرے کو دین پہنچانا اور کفر سے لوگوں کو اسلام میں لانا ہے اور جو ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہیں انہیں پیار سے، ہمدردی سے بتایا جائے کہ تم میں یہ کمی واقع ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کرو۔

## کلامِ الٰہی قصے کہانیاں نہیں:

فرمایا: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں طور پر موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو شرفِ ہمکلامی بخشا۔ یہ سارے واقعات جو ہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہیں۔ یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ رحمتِ الٰہی ہے کہ حقائق کو خرافات کے طوفانوں سے چھانٹ کر، نکال کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے کر دیا۔

یہ ربّ العالمین کا کلام ہے، یہ رحمتِ الٰہی ہے۔ قرآنِ کریم کا ایک ایک لفظ رحمتِ الٰہی ہے اور انسان کی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لیے ایک جملہ ہی کافی ہے۔ کلام میں متکلم کی ذات کا پَرتو ہوتا ہے اس لیے فرمایا یہ قصے

کہانیاں نہیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہے ہیں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کہاں پیدا ہوئے، کہاں ٹھہرے اُن کو نبوت کب ملی۔ یہ رحمتِ الٰہی ہے، قرآن کریم ہے، اللہ کا کلام ہے تو پھر اس میں کتنی تاثیر ہونی چاہیے!

ہم روزمرّہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ہم کسی کو ایک جملہ کہتے ہیں تو وہ ہمیں مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ آخر چند الفاظ ہی تو تھے لیکن اُن میں کوئی ایسی کیفیت تھی جس نے اُس کو شعلہ دکھا دیا، بھڑکا دیا۔ ہم ایک جملہ کہتے ہیں تو بندہ خوشی سے جھوم اٹھتا ہے گویا اس جملے میں ایسی کیفیت تھی جس نے اس کا دل خوش کر دیا۔

یہی حروف و الفاظ جب کوئی شعر میں سجا کر ادا کرتا ہے تو ہم واہ واہ کہہ اٹھتے ہیں حالانکہ شاعر نے نہ کوئی نیا لفظ ایجاد کیا ہوتا ہے نہ ہی نیا جملہ، اُنہی الفاظ کی ترتیب ایسی دیتا ہے کہ سننے والا جھوم اٹھتا ہے۔ اگر بندے کے کلام میں اتنی تاثیر ہے تو ربّ العالمین کے کلام میں کتنی ہوگی! قرآن میں تین طرح کے موضوع ہیں، اوامر، نواہی اور امثال یعنی کچھ باتوں کا حکم دیا گیا ہے، کچھ باتوں سے روکا گیا ہے اور کچھ باتیں بطورِ مثال پیش کی گئی ہیں۔ یہ سارا اللہ کریم کا کلام ہے۔ جب ہم کوئی آیت سنتے ہیں اگر اُس کی کیفیت بھی دل میں اتر جائے تو بندہ بدل جاتا ہے لیکن اگر کانوں تک ہی رہی دل تک نہ پہنچی تو پھر بدنصیبی ہے۔ انسان بندے کے کلام سے متاثر ہوتا ہے اُسے دل پر لیتا ہے تو اللہ کے کلام سے کیوں متاثر نہیں ہوتا، اللہ کے کلام کو دل پر کیوں نہیں لیتا؟

اسی لیے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ کلام قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ رحمتِ الٰہی ہے، صرف الفاظ و حروف تک نہ رہو بلکہ اس کیفیت کو دل میں اتارو۔ کافروں پر اثر نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ مذاق اڑاتے تھے، انکار کرتے تھے۔ اس کی وجہ اللہ کریم نے فرمائی ہے: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔۔۔ (المطففین: 14) دیکھو! بلکہ ان کے کردار کا زنگ اُن کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے۔

ہم ایک تار کو لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں تو وہ سارنگی، ستار یا گٹار بن جاتی ہے۔ جب اُس تار کو انگلی سے چھیڑتے ہیں تو نغمے نکلتے ہیں۔ اس تار کو اگر زنگ لگ جائے تو اس سے نغمہ نہیں نکلے گا۔ اسی طرح دلوں کو جب زنگ لگ جاتا ہے تو یہ اثر قبول نہیں کرتے۔ کیفیات دل میں نہیں اترتیں، انسان الفاظ و حروف جملے سن لیتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ اس لیے سُن لیتا ہے کہ ثواب کا کام ہے۔ ثواب آخر کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ کوئی ٹھوس چیز ہے مائع ہے، گیس ہے، کیا ہے؟ ثواب کا ترجمہ ہے اُجرت یا بدلہ۔ کوئی کام جو ہم نے کیا اُس کا جو بدلہ ملے گا وہ ثواب ہے۔ قرآن پڑھنے اور سننے کا ثواب یہ ہے کہ وہ دل میں اُتر جائے۔ اس کا بدلہ اس کا اجر یہ ہے کہ اللہ کریم اس کی کیفیات کو ہمارے سینوں میں اُتار دیں۔ ہمارے دلوں میں بات اتر جائے۔ یہاں غور کریں کہ بات اللہ کی ذات کی نہیں ہو رہی، صفات کی نہیں ہو رہی، اوامر و نواہی کی نہیں ہو رہی۔ بات ہو رہی ہے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی اور اللہ کریم فرماتے ہیں

کہ قرآن کی یہ آیات بھی رحمتِ الٰہی ہیں۔ یہ دلوں کو جلا بخشنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں یہ دلوں کو روشن کرنے والی آیات ہیں، کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن نے ایک قصہ بیان کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان کر دیا، ایسی بات نہیں ہے۔ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔۔۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروردگار کی طرف سے نری رحمت ہی رحمت ہے۔

اگر دلوں کو ہی زنگ لگ جائے تو کیا کریں! زنگ خوردہ تاریں تو بجتی نہیں ہیں۔ اُن سے نغمہ نہیں نکلتا۔ یہ سوال بارگاہِ رسالت پناہی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پیش کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن نے بتایا ہے کہ دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے تو اُس کا علاج بھی تو ہونا چاہیے کہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ ہر مرض کی دوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ ۔۔۔ (رواہ البیہقی: فی شعب الایمان) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہر چیز کی ایک پالش ہوتی ہے۔ اگر وہ میلی ہو جائے، زنگ لگ جائے تو اس کی پالش ہوتی ہے جو اُسے صیقل کر دیتی ہے۔ چمکا دیتی ہے۔ قلوب کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ اگر آیات پڑھنے سے دل میں کیفیات پیدا نہیں ہوتی تو پھر دل بیمار ہے۔ اُس میں کوئی میل آ گیا ہے۔ پھر اللہ کا ذکر کرو اور اُسے دل میں اتارو، اللہ کے ذکر سے دل مانجھا جائے گا کہ یہ صقالۃ القلوب ہے۔ دلوں کی پالش ہے۔ اگر قرآن کو پڑھنے اور سننے کا مزا لینا ہے تو پھر دلوں کو روشن کرو۔ دلوں کو جلا بخشو، قلبی ذکر سیکھو اور حاصل کرو تو پتا چلے گا کہ واقعی ہر آیت میں کتنے انوارات ہیں کتنی برکات ہیں کتنی روشنیاں ہیں اور کتنی لذتیں ہیں۔

فرمایا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو طُور پر جلوہ افروز نہیں تھے نہ ہی ان واقعات کے وقت موجود تھے۔ ان واقعات کے حقائق اللہ کریم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتا رہے ہیں جو آپ بیان فرما رہے ہیں۔ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی دلیل ہے ورنہ کتنی صدیاں گزر چکی ہیں اور کتنی قومیں آئیں اور گزر گئی ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ باتیں کیسے پہنچ سکتی تھیں۔ یہ صرف اللہ کریم بتا رہے ہیں اور یہ قصے نہیں ہیں کلامِ الٰہی ہے۔ اس قصے سے بھی دل روشن ہو جائیں گے۔

## مقصدِ نزولِ کلام:

فرمایا: لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ اور یہ حکایات بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس لیے نازل فرمائی جا رہی ہیں کہ جن لوگوں کے پاس مدت مدید سے کوئی اللہ کا رسول نہیں آیا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کو اِن کی خبر دیں۔ اُن کے دل روشن ہوں، اُنہیں نورِ ایمان نصیب ہو۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اللہ کی یاد میں لگ جائیں انہیں سمجھ آجائے، بھلے بُرے کی تمیز آجائے، اُن میں مثبت تبدیلی آجائے۔ اُن کا کردار بدل جائے، اُن کا عقیدہ درست ہو جائے۔

## ہمارا المیہ:

الحمد للہ! ہم کلمہ گو ہیں۔ اللہ کریم ہماری مسلمانی قبول فرمائیں۔ ہم اللہ کریم کے احکام سنتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے ہیں۔ ہم ان پر عمل کیوں نہیں کرتے، آخر کیا وجہ ہے؟ جب ہم کسی بات کو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے، یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے پھر اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اس لیے کہ ہمارے دلوں میں زنگ لگ گیا ہے۔ باتیں دل میں اترتی ہی نہیں، دل کے تار نہیں بجتے۔ کان سنتے ہیں، دل کے تار نہیں بجتے۔ کتنے ایسے قرآن سنانے والے ہیں جنہوں نے از بر کر رکھا ہے لیکن اسے ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے نہیں، پیسے لینے کے لیے پڑھتے ہیں۔ کیا اب کلام الٰہی بھی بیچا جائے گا اور کیا بکتا نہیں ہے؟ ایسا اس لیے ہے کہ زبان پر ہے، دماغ میں ہے، سینے میں نہیں ہوتا۔ جس کے سینے میں اتر جائے اُسے لذت نصیب ہوتی ہے۔

## اتمام حجت:

فرمایا: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اللہ کتنے کریم ہیں، فرماتے ہیں جو مانتا ہے اُسے بھی میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اور جو انکار کرتا ہے آنا اسے بھی ہے۔ کسی کے ماننے یا نہ ماننے سے آخرت کے حساب کتاب پر کوئی فرق نہیں پڑتا، سب کو وہاں آنا ہے۔ یہ نہ ہو کہ کل جب میری بارگاہ میں پہنچیں تو گرفتارِ بلا ہو جائیں، مجرم نکلیں، پکڑے جائیں اور عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر اُن پر عذاب ہوگا تو وہ میری طرف سے مسلّط نہیں ہوگا بلکہ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۔۔۔ جو اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے اُسی کا نتیجہ ہوگا۔

یہ دنیا مسافر خانہ ہے انسان کا گھر نہیں ہے۔ آخرت انسان کا گھر ہے۔ جو عمل انسان دنیا میں کرتا ہے وہ اپنے گھر اپنی کمائی بھیج رہا ہے۔ فرمایا جو برائیاں کر کے آئیں گے تو گرفتارِ بلا ہو جائیں گے پھر وہ نہ کہیں کہ اے ربّ کریم: فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ آپ نے ہماری طرف کوئی رسولؑ کیوں نہ بھیجا؟ ہمارے پاس بھی آپ اپنا کوئی نبیؑ بھیجتے۔ آپ کے کلام سے ہمارے دل بھی روشن ہوتے۔ نبیؑ کے ارشادات سے ہمارے دلوں میں بھی نور آتا ہم بھی ہدایت پاتے۔ آپ کی آیات کو سُن کر چھوڑ نہ

دیتے بلکہ اُن کا اتباع کرتے، اُن کو حرزِ جاں بنا لیتے۔ اُن کے مطابق زندگی گزارتے تو آج ہم بھی ایمان داروں کی صف میں کھڑے ہوتے۔

فرمایا، ہم اس لیے پے در پے انبیاؑ بھیج رہے ہیں کہ واپس آ کر یہ نہ کہیں کہ آپ اگر نبیؑ بھیج دیتے تو ہماری اصلاح ہو جاتی۔ آپ نے ہماری طرف نبیؑ نہیں بھیجا ہم کیا کرتے؟

یاد رہے کہ نبیؑ کے مبعوث ہونے کے بعد بھی اگر بات نہ مانی جائے تو یہ ایک اور اتمامِ حجت ہو گیا۔ اس کے بعد تو کوئی عذر یا بہانہ کرنے کی مہلت بھی نہ رہی اور نہ بچنے کی صورت رہی۔ جب آخرت میں پہنچتا ہے تو اُسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اُسے نبیؑ کے ارشاد پر عمل کرنا چاہیے تھا۔

عالمِ انسانیت میں سب سے اعلیٰ، سب سے عظیم سب سے بہترین انسان اللہ کا نبیؑ ہوتا ہے۔ ہر نبیؑ کو وحی الٰہی نصیب ہوتی ہے اور وہ جو ارشاد فرماتا ہے وہ اللہ کریم سے لے کر بندوں تک پہنچاتا ہے۔ غیر نبی، نبیؑ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ دنیا میں نبیؑ آئے، رسولؑ آئے جو اللہ کی کتابیں لائے۔ پھر اولوالعزم رسولؑ آئے اور پھر امام الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا کیا ٹھکانہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قیامت تک روئے زمین پر کسی نئے نبیؑ کی ضرورت باقی نہ رہی۔

تمام انبیاؑ ہدایت کا سورج تھے اور ہر نبیؑ نے لوگوں تک اللہ کا نور پہنچایا، دلوں کی روشنی پہنچائی، ہدایت پہنچائی لیکن ہر نبیؑ کا زمانہ، قوم اور علاقہ متعین تھا۔ ایک ہی وقت میں روئے زمین پر متعدد نبیؑ، متعدد قوموں میں ہوئے اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہر نبیؑ کا اپنا علاقہ یا افراد متعین تھے لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو زمانے کی قید رہی نہ اقوام کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا: يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔۔۔ (الاعراف:158) اے اولادِ آدمؑ! تم جہاں کہیں ہو میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔ اب بعثت سے قیامت تک ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نبوت جاری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب موجود ہے، ارشادات موجود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین موجود ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس دین کو اپناتے ہیں اور بے حد خوش نصیب وہ ہیں جو اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِيْنَ وَ شَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰى اُفُقِ الْعُلٰى لَا تَغْرُبُ

ہر نبیؑ سورج تھا۔ پہلوں کے سورج طلوع بھی ہوئے، غروب بھی ہو گئے۔ اُن کا عہدِ نبوت بھی ختم ہو گیا۔ رسولؑ آئے کتابیں لائے پھر اُن کا عہد بھی ختم ہو گیا اور نئی کتاب آ گئی۔ والشمسنا لیکن ہمارا سورج طلوع ہوا،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ سورج ہمیشہ اُفقِ اعلیٰ پہ رہے گا۔ اسے غروب نہیں ہونا۔ اب کسی نئے نبی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

ہم پچھلی قوموں کو توطعن کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نبیؑ کی بات نہ مانی مگر کیا کبھی ہم نے اپنا محاسبہ کیا ہے؟ کیا ہم نے یہ حساب لگایا ہے کہ ہمارا کردار، ہمارا نظریہ ہمارے خیالات اور روزمرّہ کا معمول پرتوِ جمالِ مصطفوی سے روشن ہے یا محض رسم بنی ہوئی ہے؟

## نافرمانوں کا رویہ:

فرمایا، لوگوں کا رویہ تو یہ تھا: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى۔۔۔ اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب، قرآنِ کریم لے کر آئے تو اب وہی لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو یکبارگی تورات دی گئی تھی اسی طرح قرآن کیوں کتاب کی صورت میں یکبارگی نہیں دیا جاتا؟

## نزولِ قرآن میں تدریج کی حکمتیں:

قرآن کو تدریجاً نازل فرمانا تو اللہ کریم کا بہت احسان ہے۔ جب کوئی سوال پیدا ہوتا اس کے جواب میں آیت نازل ہو جاتی۔ اس نزول سے یہ فائدے ہوئے ہیں کہ کسی واقعہ کے ساتھ جب کوئی بات منسلک کر دی جائے تو وہ بات کبھی بھولتی نہیں۔ جب بھی واقعہ یاد کرو تو وہ بات یاد آجاتی ہے اور اس طرح بات یاد رکھنا آسان ہوتا ہے۔ ایک اور فائدہ یہ حاصل ہوا ہے کہ بات کے معنی متعین ہو گئے۔ یعنی فلاں جگہ یہ واقعہ ہوا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کے کیا معنیٰ بتائے، صحابہؓ نے کیا سمجھے اور اُن پر عمل کیسے کیا گیا؟ اس طرح معنی بھی متعین ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے قرآن کو اتنا آسان کر دیا اور اُسے یاد کرنے اور معنی متعین کرنے کے ذرائع بھی بنا دیے۔ اگر آج کی مسلمان دنیا اس ایک بات پر متفق ہو جائے کہ جب یہ واقعہ ہوا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ مفہوم بتایا۔ اس پر صحابہؓ نے اس طرح عمل کیا تو پھر صرف ایک ہی فرقہ رہ جائے اسلام میں 'مسلمان'۔ ساری فرقہ بندی صرف اس لیے ہے کہ ہم ہر آیت کو اپنی مرضی کے معنی پہناتے ہیں۔ اگر سب مسلمان آیت کے شانِ نزول اور مفہوم پر متفق ہو جائیں تو تمام فرقے بندیاں ختم ہو جائیں۔ اللہ کریم نے قرآن کو آہستہ آہستہ اس لیے نازل کیا تھا تاکہ ہمارے پاس یہ آسانی موجود رہے کہ کیا واقعہ ہوا مثلاً کسی سے قتل ہو گیا تو یہ قصاص کی آیت نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کیا مفہوم فرمایا اور صحابہؓ نے اس پر کیسے عمل کیا۔ کوئی بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ کسی نے ورثا سے معاف کرا لیا، قصاص دے دیا۔ اگر اسی معنی کو سب قبول کر لیں تو اسلام میں کوئی فرقہ نہ رہے سب ایک ہو جائیں۔

فرمایا، لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب ہم نے مہربانی کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری طرف سے حق لے کر جلوہ افروز ہوئے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یکبارگی قرآن کیوں نہیں دیا گیا جیسے موسیٰ (علیہ السلام) کو تورات یکبارگی عطا ہوئی تھی۔

## معترضین کا کردار:

فرمایا: اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ۔۔۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان معترضین سے پوچھیے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) کو دفعتاً تورات مل گئی تھی تو کیا تم لوگوں نے مان لیا تھا؟ تب بھی تو تم انکار کرتے تھے۔ تب بھی تم نہیں مانتے تھے۔ یہ تمہی لوگ تھے جو کہتے تھے: قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا۔۔۔ کہ دونوں بھائی جادوگر ہیں، جادو سیکھ کر آئے ہیں۔

قرآن کے تدریجی نزول پر اعتراض ایسے کر رہے ہو جیسے یکبارگی نازل ہونے والی تورات کو تو تم نے مان لیا تھا۔ اس پر ایمان لے آئے تھے، تصدیق کی تھی۔ تم نے تو کہا تھا کہ یہ دونوں تو جادو سیکھ کر آگئے ہیں۔ تب تمہارا یہ حال تھا تو اب اگر قرآن یکبارگی مل جائے تو مان لو گے؟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ اور تم نے تو کہا تھا کہ ہم سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس کا ایک لفظ بھی نہیں مانتے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ۔۔۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان معترضین سے فرما دیجیے کہ مقصد تو ہدایت کی پیروی کرنا ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ فلاں کتاب کو مانا جائے یا فلاں بندے کی بات مانی جائے۔ مقصد اللہ کی اطاعت اور ہدایت کو اپنانا ہے۔ اگر تورات اور قرآن کے مقابلے میں کوئی کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے ہے کہ حق تو اللہ کے پاس سے ہی آئے گا تو اگر تمہارے پاس کوئی ایسی کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے ہے تو وہ لے آؤ۔ ہم اُسے مان لیتے ہیں کہ مقصد تو اللہ کی اطاعت کرنا ہے اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی اس کو مانو ہم بھی اس کو مان لیتے ہیں۔ سب اُسی پر چل پڑتے ہیں کہ غرض تو اطاعت ہے، ہدایت کی پیروی کرنا ہے۔

آج ہمارا مسئلہ یہی ہے کہ ہم فرقوں میں بٹ رہے ہیں۔ اگر ہم سارے مل کر کتاب ہدایت کی پیروی کریں۔ اپنی طرف سے معنی نہ پہنائیں بلکہ ہر آیت کا وہی معنی لیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اُسے صحابہؓ نے سمجھا اور اس پر عمل کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی تھی تو ایسا کرنے سے سارے

فرقے ختم ہو جائیں گے۔فرقے تو تب بنتے ہیں جب لوگ ہدایت کی پیروی نہیں کرتے بلکہ اپنی بات منوانا چاہتے ہیں کہ جو وہ کہہ رہے ہیں وہی درست ہے۔

یہ درست نہیں ہے۔ جو بات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں وہ ماننا درست ہے۔کوئی بڑے سے بڑا عالم، مفسر یا مفکر بھی اپنی طرف سے کچھ کہنے کا مجاز نہیں ہے۔ بات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانی جائے گی۔

فرمایا: فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ۔۔۔ اگر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہ مانیں اور کہیں کہ ہمارے پاس تو کچھ نہیں ہے تو پھر یہ جان لیجیے کہ یہ اللہ کی اطاعت نہیں کر رہے بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اسے انہوں نے مذہب کا نام دے رکھا ہے اور اس سے دولت کما رہے ہیں۔ اس سے شہرت کما رہے ہیں، اپنی خواہشات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اسے مذہب کا، عقیدے کا، فرقے کا نام دے رکھا ہے۔ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) جان لیجیے یہ اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہے ہیں اللہ کی اطاعت نہیں کر رہے دین کا لبادہ اوڑھ کر دنیا کی عیش وعشرت کمانا چاہتے ہیں۔ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔فرمایا یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی جواب نہیں دیں گے اس لیے کہ یہ خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں۔

## گمراہی کا وبال:

فرمایا: وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ بِغَیۡرِ ہُدًی مِّنَ اللّٰہِ۔۔۔ جو بھی اللہ کی ہدایات کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ جاتا ہے اس سے بڑا گمراہ اور کون ہوگا! یہ بہت بڑا جرم ہے۔ ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جانا ایسی گمراہی ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۰﴾ ایسے ظالم لوگوں کو پھر ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اللہ کریم پھر ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتے یہ سزا اُس کی ہے جو اللہ کے کلام کو سن کر، جان کر، پھر اپنی خواہشات کی اطاعت کرنے کو اللہ کی اطاعت پر ترجیح دیتا ہے۔ اُس کی کیا سزا ہوگی جو اللہ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو ذریعہ بنا کر عیش کرنا چاہے؟ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہم دین کو، قرآن وسنت کو اپنی عیش وعشرت کا ذریعہ بنالیں، کمائی کا ذریعہ بنا لیں۔ اس کی سزا کیا ہوگی؟ اس کی سزا تو یہ ہے کہ اللہ کریم اسے ہمیشہ گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں حتیٰ کہ جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم پناہ دیں۔

ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ. قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ: وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَنْ یَّدْخُلُهَا قَالَ: اَلْقُرَّاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ۔
(ترمذی۔ابواب الزہد)

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے۔ پناہ مانگو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جُب حُزن سے۔عرض کی صحابہؓ نے کیا چیز ہے جُب حزن اے اللہ کے رسول، فرمایا، ایک (وادی) ہے۔جہنم میں کہ پناہ مانگتی ہے اس سے جہنم ہر دن سو بار۔عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم! کون داخل ہوگا اس میں۔فرمایا قاری (علما) جو اپنے عملوں میں ریا کرنے والے ہیں۔

جُب کہتے ہیں کسی بہت بڑی، گہری، کنواں نما، تاریک غار کو اور حزن دکھوں کو کہتے ہیں۔عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ ہے تو جہنم ہی کا حصّہ لیکن جہنم بھی دن میں سو مرتبہ اس سے اللہ کی پناہ مانگتی ہے۔پوچھا گیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اس میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔یہ اُن لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو قرآن اور سنت کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں۔یہ مفہومِ حدیث ہے۔ کافر دوزخ میں ہوں گے اور دوزخ اس سے دن میں سو مرتبہ استغفار کرتی ہے۔یہ جگہ اُن علما کی ہے جو دین سے دنیوی دولت کمانا چاہتے ہیں۔

اللہ کریں کہ قرآن کے الفاظ و معانی، ارشاداتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ و معانی ہمارے دلوں میں اتریں۔وہ کیفیات ہم پر وارد ہوں۔جنت کی بات آئے تو دل کِھل اٹھیں۔دوزخ کا تذکرہ آئے تو بدن لرز اُٹھے ہمارے اندر یہ کیفیات اتریں تب مثبت تبدیلی آئے گی۔

# سورۃ القصص رکوع 6 آیات 51 تا 60

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ
بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا
سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى
مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ
ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ
بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى
حَتّٰى يَبْعَثَ فِىْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى
الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور بیشک ہم نے اس (قرآن) بات کو ان کے پاس یکے بعد دیگرے بھیجا تا کہ یہ
نصیحت حاصل کریں ﴿۵۱﴾ جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے (آسمانی)

کتابیں دی ہیں وہ اس (قرآن) پر ایمان لے آتے ہیں ﴿۵۲﴾ اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے (جو) ہمارے پروردگار کی طرف سے (نازل ہوا ہے) یقیناً ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی مانتے تھے ﴿۵۳﴾ ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دُگنا ثواب ملے گا اور وہ نیکی سے برائی کا دفاع کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾ اور جب (کسی سے اپنی نسبت) کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں تم کو سلام ہو، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے ﴿۵۵﴾ بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں فرما سکتے ولیکن اللہ جس کو چاہیں ہدایت فرما دیتے ہیں اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہیں ﴿۵۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر (اس) ہدایت (دین) کی پیروی کرنے لگیں تو (فوراً) اپنے ملک سے اچک لیے جائیں۔ کیا ہم نے ان کو امن والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس (ہماری قدرت) سے کھانے کو ملتے ہیں ولیکن ان کے اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے ﴿۵۷﴾ اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھیں سو یہ ان کے گھر (تمہارے سامنے ہیں) جو ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم۔ اور (ان کے بعد) ہم ہی ان کے وارث ہوئے ﴿۵۸﴾ اور آپ کا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کے مرکزی شہر میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اور ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے یہاں تک کہ انکے باشندے ظلم نہ کرنے لگیں ﴿۵۹﴾ اور جو چیز تم کو دی گئی ہے سو وہ محض دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ سمجھتے نہیں ﴿۶۰﴾

# تفسیر و معارف

## اللہ کا احسان:

فرمایا: وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ یہ تو لوگوں پر ہمارا احسان ہے کہ ہم نے قرآن کی آیات کو بار باران کی طرف نازل فرمایا۔ یہ جو وقفے وقفے سے ہم نے قرآن کی آیات نازل فرمائی ہیں اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ ان کے دل دُھل جائیں، چمک جائیں۔

اللہ کتنا کریم ہے، وہ اپنی طرف سے اتنا کرم فرما رہا ہے کہ آیاتِ قرآنی کو آہستہ آہستہ، کبھی دو آیات کبھی دس آیات ٹکڑوں میں نازل فرما رہا ہے تا کہ ہر باران کے دلوں پر نئی پالش لگے، نیا صابن لگے اور یہ صاف ہوں۔

ہم نے بار باران پر قرآن اس لیے نازل فرمایا، یہ یاددھانی حاصل کریں لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ تا کہ یہ سُدھر جائیں ان کے سینے صاف ہو جائیں، چمک جائیں اور یہ بدل جائیں۔

آپ ایک کپڑا دھوتے ہیں یکبارگی اس پر صابن لگا دیتے ہیں۔ وہ بھی صاف ہو جائے گا لیکن اگر آپ صابن کے پندرہ بیس حصے بنا لیتے ہیں اور اُسے بار بار صابن لگا کر دھوتے ہیں تو کتنا چمک جائے گا!

## نورِ ایمان کی برکت:

فرمایا: اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو آسمانی کتابیں دی گئیں اور وہ اُن پر ایمان رکھتے تھے۔ یہود و نصاریٰ میں بھی ایسے لوگ تھے جو اپنی تورات و انجیل پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اُن کے دلوں میں نورِ ایمان پہلے سے موجود تھا تو وہ قرآن پر ایمان لے آتے ہیں: وَاِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۵۳﴾ جب انہوں نے قرآن سنا تو اُنہوں نے کہا یہ تو ہمارے رب کا کلام ہے ہم تو پہلے سے اس پر ایمان رکھتے تھے۔ ہماری کتاب میں بھی اس کے اوصاف آئے تھے۔ اللہ کریم نے اس کی باتیں بتائی تھیں تو ہم تو اس آنے والے نبیؐ اور قرآن پر: اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۵۳﴾ ہم تو ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ نبوت سے پہلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالی سے پہلے، نزولِ قرآن سے پہلے، ہم اپنی کتابوں میں پڑھ کر اس پر ایمان رکھتے تھے۔ آج جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے، قرآن میدان میں آ گیا تو ہم پہلے مانتے تھے، آج پھر مانتے ہیں۔

یہاں لوگوں کے دو طبقے ہیں، ایک تو وہ تھے جنہوں نے حرف حرف کا انکار کر دیا اور دوسرے وہ بھی ہیں جو پہلے صاحبِ کتاب تھے۔ کتاب پر یقین رکھتے تھے، اُس کے مطابق عقیدہ اور عمل رکھتے تھے جب انہوں نے قرآن سنا تو انہوں نے کہا کہ اس کے نزول سے پہلے ہم اس کو مانتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے ہمارا ان پر ایمان ہے کہ ہماری کتابوں میں یہ ساری بات بیان کی ہوئی ہے ہم تو پہلے سے مسلمان تھے۔

## دوہرا اجر:

فرمایا: أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾ ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دُگنا ثواب ملے گا اور وہ نیکی سے برائی کا دفاع کرتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو بخشا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

فرمایا، ان لوگوں کو دو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ ایک تو ویسے ہی اللہ کریم کا کرم ہے کہ ہر نیکی کا اجر دس گنا کر دیا جاتا ہے جبکہ ہر برائی کا بدلہ اتنا ہی رہتا ہے جتنی برائی ہے۔ نیکی کے اجر پر دس گنا کی قید نہیں ہے۔ کم از کم دس گنا ہو جاتا ہے زیادہ تو وہ جتنا چاہے، کروڑوں گنا کر دے اُس کی مرضی اور مہربانی ہے بندہ عمل کرتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق، وہ عطا کرتا ہے اپنی شان کے مطابق، بندہ اندازہ نہیں کر سکتا۔

فرمایا، یہ لوگ جن میں پہلے بھی نورِ ایمان ہے اور کتاب پر یقین اور عمل موجود ہے جب انہوں نے قرآن کو بھی تسلیم کر لیا تو ان کے ہر عمل کا اجر دوگنا ہو گیا۔ ہر عمل کا اجر دوبار دیا جائے گا۔ اب کتنا اجر دیا جائے گا وہ کروڑوں گنا بھی ہو سکتا ہے لیکن ہر عمل کی اسی طرح جزا ملے گی۔

علمائے حق نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو دو اجر دیے جائیں گے۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وخدمت کرنے کا اور دوسرا بحیثیت بہترین بیوی بن کر رہنے کا۔ دوہرا اجر ہوگا۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے دوہرے اجر ہوں گے ایک خود عمل کرنے کا اور اُمت سے عمل کروانے کا، تو یہ بڑے خوش نصیب لوگ ہوں گے۔

ایک بندہ دین پڑھتا ہے، قرآن پڑھتا ہے، حدیث پڑھتا ہے، سمجھتا ہے، پھر اُس پر عمل کرتا ہے۔ پھر دوسروں تک پہنچاتا ہے، اُنہیں توفیقِ عمل نصیب ہوتی ہے تو یہ دو اجر ہو گئے۔ ایک اپنے کرنے کا اور ایک جس نے اُسے سن کر عمل کیا یا اُس سے تعلیم حاصل کر کے کیا یا مشورہ کر کے کیا۔ فرمایا، یہ ایسے لوگ ہوں گے جن کے ایک ایک عمل کے دو دو اجر ہوں گے۔ اب یہ اللہ کی مرضی کہ اُن دو کو کروڑ بنا کر عطا فرمائے یا اُس سے زیادہ یا کم

کردے۔ یہ اس کی عطا ہے۔

اس ضمن میں علمائے حق فرماتے ہیں کہ یہ نیکی کی برکات ہیں بعض جگہیں مبارک ہو جاتی ہیں۔ یہاں چٹیل میدان تھا۔ جب یہاں بتوفیق الٰہی مسجد بن گئی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں لوگوں کو اللہ اللہ سکھائی تب سے اب کتنی مخلوق یہاں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ کتنا قرآن پڑھا جاتا ہے۔ کتنا قرآن بیان ہوتا ہے۔ کتنے سجدے دیے جاتے ہیں تو اب یہ زمین ویسی تو نہیں رہی جیسے پہلے تھی۔ اب اس کا اجر اور ہوگا۔ اسی طرح نیکوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اجر بڑھ جاتے ہیں۔ اُن سے نیکی کی باتیں سننے کا، عمل کرنے کا ہر بات کا دوہرا اجر ملتا ہے۔ نیکی کو دیکھنا بھی نیکی ہے۔ برائی کو دیکھنا بھی برائی ہے۔ نیکوں کی زیارت بھی اجر کا سبب بن جاتی ہے۔ اللہ کریم جب بانٹتے ہیں تو اپنی شان کے لائق بانٹتے ہیں۔ یہ انسان ہے جو اپنے آپ کے ساتھ ظلم کرتا ہے اور اللہ کی عطا سے محروم رہتا ہے۔

بڑے خوش نصیب ہیں کہ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا ۔۔۔ ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دُگنا اجر ملے گا۔ یعنی وہ اپنی کتاب پر قائم رہے، دنیا گمراہ ہوتی رہی لیکن اُنہوں نے اپنی کتاب کو نہیں چھوڑا اور جب قرآن کریم آیا تو بھی انہیں اس پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہیں ہوا۔ لوگ انکار کرتے رہے لیکن ان لوگوں نے صبر کیا۔

## صبر کا معنیٰ اور صابرین کے اوصاف:

صبر کیا ہے؟ صبر اللہ کی اطاعت پر اپنے آپ کو روک لینے کا نام ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ غلط العام ہو گیا ہے۔ کسی کا نقصان ہو جائے اور وہ روئے دھوئے نہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس نے صبر کیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ صرف اسے ہی صبر کہا جائے۔

صبر کا معنی عربی لغت میں ہے جیسے دوڑتے ہوئے گھوڑے کی لگام کھینچ کر روک لیا جائے۔ برائی میں جانے سے خود کو روک لیا جائے۔ اطاعتِ الٰہی پر خود کو کاربند رکھا جائے جیسے منہ زور گھوڑا روک لیا جاتا ہے، اسے صبر کہتے ہیں۔ فرمایا جن کو دوہرا اجر دیا گیا ہے اُنہوں نے صبر بھی تو کیا ہے، اپنے آپ کو روکا ہے، اطاعت الٰہی پر قائم رکھا ہے اور پھر یہ عجیب لوگ تھے کہ: وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴿۵۴﴾ یہ لوگ عجیب تھے کہ جب باقی لوگ کفر بکتے، ان کی توہین کرتے، ان کی مخالفت کرتے لیکن یہ صابر لوگ اُن کو نیکی کی تعلیم کرتے۔ یہ کیسے عجیب لوگ تھے۔ یعنی یہ سنت اللہ کی پیروی کرتے۔ اللہ کی سنت کیا ہے؟ لوگ غلطیاں کرتے ہیں تو وہ نبیؑ بھیجتے ہیں کتاب نازل کرتے ہیں، فرمایا میرے یہ بندے بھی ایسے ہی تھے۔ لوگ انہیں بُرا بھلا بھی کہتے، ان کی مخالفت بھی کرتے تھے یہ پھر اُنہیں میری ہی باتیں سکھاتے تھے۔ یہ بُرائی کو نیکی سے دھونے کی کوشش کرتے

تھے۔ بُرائی کو نیکی سے صاف کرتے تھے۔

یہ لوگ، وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ جو نعمتیں ہم نے اُنہیں دیں وہ میری ہی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ اگر دولت دی ہے تو اُسے میری نافرمانی پر خرچ نہیں کرتے تھے۔ طاقت دی ہے تو میری نافرمانی پر خرچ نہیں کرتے تھے۔ علم دیا ہے تو اُسے میری ہی راہ میں خرچ کرتے تھے ہر نعمت میری ہی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ دولت اور شہرت کے اسیر نہیں تھے۔ بس ان کا دل رضائے الٰہی میں اٹکا رہتا تھا لہٰذا جو نعمتیں ہم نے انہیں دی تھیں اُن کو میرے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے۔ یہ دو صفات ان لوگوں کی تھیں کہ لوگ ان کے ساتھ زیادتی بھی کرتے یہ اُن کے ساتھ احسان کرتے تھے یعنی برائی کو نیکی سے دھوتے تھے۔ اگر لباس کا ایک حصہ ناپاک ہو جائے اور اُسے ناپاک پانی سے دھونا شروع کر دیں تو کیا وہ حصہ پاک ہو جائے گا؟ اُسے پاک پانی سے دھوئیں گے تو ہی پاک ہوگا۔ اسی طرح معاشرے میں اگر برائی شروع کر دی تو برائی اور پھیلے گی، ختم نہیں ہوگی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ میرے وہ بندے تھے جو برائی کو نیکی سے دور کرتے تھے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا اُسے میری رضا پر خرچ کرتے تھے۔ فرمایا، وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ ۔۔۔ اور جب کوئی بالکل ہی برائی پر بضد ہو جاتا ہے تو ڈنڈا لے کر اس کا سر نہیں پھاڑ دیتے تھے بلکہ اُن سے الگ ہو جاتے تھے اور کہتے تھے، وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۔۔۔ اگر تم نہیں مانتے ہو تو تمہارے اعمال اور کردار تمہارے لیے ہیں۔ ہمارا کردار ہمارے لیے ہے۔ تم جو کر رہے ہو وہ کر کے دیکھ لو۔ ہم جو کر رہے ہیں یہ کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ دونوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ کل بارگاہ الوہیت میں تم نے بھی آنا ہے۔ ہم نے بھی حاضر ہونا ہے۔ وہ لوگ اس سے اعراض کرتے لیکن کہتے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ یعنی یونہی الگ نہیں ہوتے تھے بلکہ اُن کو سلامتی کی دعا بھی دیتے تھے کہ ہم تمہارے لیے ہدایت پانے کی دعا کرتے رہیں گے۔ اللہ تمہیں سلامتی عطا فرمائے۔

کیسے عجیب ہوتے ہیں یہ اللہ کے بندے کہ لوگ ان سے اختلاف کرتے ہیں، لوگ برائی کرتے ہیں ان کو برا بھلا کہتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم تم سے لڑنے نہیں آئے تم جانو تمہارا کام جانے۔ ہم جو کر رہے ہیں اُسے ہم جانیں اور اُن سے الگ ہو جاتے ہیں اور پھر اُن کے لیے دعا بھی کرتے ہیں۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔۔۔ تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ ہم جاہلوں کے ساتھ الجھنا نہیں چاہتے لیکن پھر بھی اُن کے لیے نیک تمنا رکھتے ہیں نیکی اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

## ہدایت کا مدار:

اللہ کریم نے انسان کو سب سے اعلیٰ شعور عطا کیا ہے۔ ساری مخلوق میں سے یہ نعمت انسان کو سب سے بڑھ کر عطا فرمائی ہے۔ انسان کو یہ شعور عطا فرمایا کہ وہ عظمتِ باری کا ادراک کر سکتا ہے۔ صفاتِ باری پر غور کر کے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس کی شان کا ادراک کرتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ انسان کو وہ روح عطا فرمائی ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ اصل انسان روح ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ یاد رہے، ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جس چیز سے اُسے بنایا جائے وہ اس کی بنیاد ہے اور ویسا ہی اس کا مزاج ہوتا ہے۔ بدن تو روح کی سواری ہے، چھلکا ہے اوزار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسانیت کی اساس، انسان ہونے کی وجہ سے ہے بندے کو معرفتِ باری کا حصول چاہیے، عظمتِ باری کا ادراک چاہیے۔ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی شان کو سمجھنا چاہیے لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بدن جو مادّے سے بنا ہے، کم حیثیت ہے، عارضی ہے۔ کہاں عالمِ امر اور کہاں مادّہ! پھر اس بدن کی لذات، خواہشات مادّی ہیں، غذا اور دوا بھی مادّی ہے۔ دوسری طرف روح ہے جس کی غذا بھی اللہ کی یاد اور انوارات وتجلیات ہیں۔ جس کی دوا بھی اللہ ہی کی عظمت کا ادراک ہے، اللہ ہی کا ذکر ہے جس کا دن بھر کاروبار بھی رکوع وسجود ہے اور یادِ الٰہی ہے لیکن انسان ایسی عجیب مخلوق ہے کہ سوائے اللہ کے بندوں کے اس اعلیٰ اور قیمتی رخ کو سب چھوڑ دیتے ہیں اور مادّی رخ سے چمٹے رہتے ہیں۔ یہی فکر ہوتی ہے کہ مال حاصل ہو جائے، خوراک کھا لوں، اعلیٰ لباس پہن لوں۔ ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ کتنے اعلیٰ لباسوں والے کفن میں جا سوئے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے اعلیٰ مکانوں والے قبروں میں جا لیٹے۔ کتنے اعلیٰ قسم کے کھانے کھانے والوں کا پیٹ اور منہ مٹی نے بھر دیا۔ یہ سب دیکھنے کے باوجود پھر ہم اُدھر ہی چمٹے رہتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

اب یہ بڑی نازک سی اور عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کا ارشاد ہوا ہے کہ: اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چاہنے سے یا جس سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) محبت کرتے ہوں، اچھا جانتے ہوں لیکن اس سے وہ ہدایت نہیں پا سکتا۔ اللہ ہی جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔

انسان کو جب اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے تو پھر انسان کو یہ چاہیے کہ اس گھٹیا، مادّی اور وقتی دنیا کو چھوڑ کر حقیقی، ابدی اور اعلیٰ دنیا کو اختیار کرے اور وہ خود فیصلہ کر لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کو اچھا سمجھتے ہیں اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر وہ خود قبول نہیں کرتا تو کوئی اُسے زبردستی قبول نہیں کروائے گا۔ وہ

کتنی بڑی نعمت کو ٹھکرا رہا ہے کہ قبول نہیں کرنا چاہتا تو پھر انجام وہی ہوگا جو وہ چاہتا ہے۔ اللہ کریم نے اُسے اتنی نعمتیں دی ہیں تو اُسے چاہیے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ اُسے مادّی چیزوں کی بجائے قربِ الٰہی، رضائے الٰہی، معرفتِ الٰہی اور بارگاہِ الوہیت میں حاضری کی طلب ہے۔ جب یہ فیصلہ وہ کرتا ہے تو: وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ۔۔۔(الشوریٰ:13) تو اُسے سیدھا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ انابت دل کے فیصلے کو کہتے ہیں۔ جس کا دل یہ طے کرلے کہ مجھے اللہ کے حضور جانا ہے، فرمایا میں اس کے لیے راستے کھول دیتا ہوں، اُسے ہدایت دے دیتا ہوں۔ اگر اس کا اپنا دل یہ فیصلہ نہ کرے تو اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس کو اچھا بھی سمجھتے ہوں تو وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔

اس آیۂ کریمہ کے شانِ نزول کے متعلق علما لکھتے ہیں کہ یہ ابو طالب کے بارے نازل ہوئی تھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا احترام کرتے تھے اور زندگی بھر چچا کی ممکن حد تک مدد بھی کرتے رہے۔ بچپن میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُجرت پر بکریاں چرا کر چچا کی مدد فرماتے اور چچا نے بھی ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ حتیٰ کہ عندالموت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ آپ میرے کان میں کلمہ پڑھ لیں، کوئی دوسرا نہ سنے تاکہ میں حشر کو آپ کی سفارش کرسکوں۔ اُن کا جواب جو علما لکھتے ہیں وہ یہ تھا کہ قریش کی عورتیں کہیں گی کہ موت سے ڈر کر اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ میں اُسی دین پر مرتا ہوں جو میرا ہے تو اسی ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُن کا احترام کرتے ہیں اُن سے پیار کرتے ہیں لیکن ایمان کا تعلق تو اُن کے اپنے قبول کرنے سے ہے۔ جب وہ خود فیصلہ نہیں کرتے تو پھر اللہ کریم ہدایت نہیں دیتے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ اور جو ہدایت پاتے ہیں وہ اپنے بارے اتنا نہیں جانتے جتنا وہ جانتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو اور ہدایت کا کوئی طالب محروم نہیں رہتا۔

## ایک اہم تنبیہہ:

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں زیادہ بحث نہیں کرنی چاہیے صرف ضمناً بات کرنی چاہیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات طبعاً ناگوار گزر سکتی ہے۔ اس لیے ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب، اہلِ بیت اور صحابہ کرامؓ کے بارے بڑے ہی محتاط انداز میں زبان کھولنی چاہیے۔

آج کل تو رواج ہو گیا ہے کہ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہوتا ہے۔ یہ سخت گستاخی ہے اور انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ ہمیں اللہ کو ماننا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا برحق رسولؐ اور خاتم النبیّن تسلیم کرنا ہے۔ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام تلاش کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہمارا موضوع نہیں ہو سکتی۔

## مشرکین کو مادّی نقصان کا خوف اسلام سے روکتا ہے جبکہ یہی روش آج مسلمانوں کی ہے:

فرمایا: وَقَالُوٓا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰی مَعَكَ ۔۔۔ کافر کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر آ جائیں تو نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا ۔۔۔ تو لوگ تو ہمیں ہماری زمین سے اُچک لیں گے۔ ہمیں قتل کر دیں گے، ہمیں اغوا کر کے لے جائیں گے، غلام بنا کر بیچ دیں گے۔ ہمیں گھروں سے نکال دیں گے، ہمارے مال چھین لیں گے۔

یہ مسئلہ صرف مشرکینِ مکہ کا نہیں، تب سے اب تک چل رہا ہے اور بہت عجیب بات ہے کہ آج جو کلمہ گو ہیں اُن کو بھی یہ مسئلہ درپیش ہے۔

مسلمان حکمران اور حکومتیں بھی کہتی ہیں کہ اگر ہم اسلام نافذ کر دیں تو اہلِ مغرب ہمارا ناطقہ بند کر دیں گے اور دینِ اسلام صرف اس لیے ہے کہ اسے چند لوگ مساجد میں اور چند لوگ گھروں میں پڑھتے رہیں؟ اس پر عمل نہ ہو؟ اگر آج اس پر جو لوگ عمل کرتے ہیں تو اللہ کی دی ہوئی توفیق اور اپنی مرضی سے کرتے ہیں جبکہ سرکاری سطح پر کوئی اہتمام نہیں ہے کہ کوئی عمل قرآن کے مطابق کیا جائے۔ آخر کیوں اسلام نافذ نہیں کرتے۔؟

خلیجی ریاستوں میں اور بالخصوص عرب میں الحمد للہ اسلام کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ ان کی عدالتیں شرعی عدالتیں ہیں اور ان کا نظام، اسلامی نظام ہے۔ خلیج کی ریاستوں میں بھی دیکھا ہے کہ اُن کے مسلمان حکمران اسلام کے مطابق چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت رعایت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ باقی ممالک کا یہی مسئلہ ہے کہ جی بھوکے مر جائیں گے، عالمی ادارے سے قرضہ نہیں ملے گا، بین الاقوامی طاقتیں روٹھ جائیں گی۔ وطنِ عزیز میں دیکھ لیں ماضی میں عدالتیں سزائے موت دیتی رہیں لیکن حکومت نے عمل درآمد نہیں کیا کہ مغربی طاقتیں روٹھ جائیں گی۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر عدالتوں سے کہو کہ سزا دینا ہی بند کر دیں۔ اگر عدالتیں سزا دیتی ہیں تو اس پر عمل درآمد ہونا چاہیے۔ اب کہیں جا کر عمل درآمد شروع ہوا تو سرکاری حکم آ گیا

کہ رمضان میں اس پر عمل درآمد روک دیا جائے۔ اگر ظلم کر رہے ہو تو غیر رمضان میں بھی نہ کرو۔ کسی بے گناہ کو بے قصور کو پھانسی نہ چڑھاؤ۔ اگر عدل کر رہے ہو تو رمضان میں ضرور کرو۔ یہ عجیب سا تماشہ بنا ہوا ہے کہ رمضان شریف آ گیا تو انصاف ختم کر دو۔ رمضان میں تو زیادہ انصاف ہونا چاہیے۔ یہ سب کیوں ہے؟ یہ وہی مشرکینِ مکہ والی بات کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لیں گے تو لوگ ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور مالی امداد بند کر دیں گے۔

## مکہ مکرمہ، امن اور رزق کا گہوارہ:

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کم از کم اہلِ مکہ کو تو یہ اعتراض زیب نہیں دیتا: اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا۔۔۔ کہ ان کے لیے، کیا ہم نے حرم کو امن کی جگہ نہیں بنا دیا؟ یہاں تو کوئی مشرک، کافر بھی زیادتی نہیں کرتا کہ حدودِ حرم کا احترام تو مشرک بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا مکہ والوں کا تو یہ اعتراض بنتا ہی نہیں ہے کہ کوئی انہیں گھر سے نکال دے گا یا انہیں مار دے گا یا ان کا مال لوٹ لے گا۔ حرم کو تو ہم نے ایسی مبارک جگہ بنایا ہے: يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا۔۔۔ کہ ہماری عطا سے روئے زمین کی نعمتیں کھنچی چلی آتی ہیں عرب کی طرف اور حرم میں ہر پھل سارا سال دستیاب ہوتا ہے۔ دنیا میں جہاں کوئی پھل ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح حرم میں پہنچ جاتا ہے۔ فاصلوں کی یا موسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہاں ہر طرح کے میوہ جات، ہر قسم کے کھانے، ہر قسم کا کپڑا، ہر نعمت پوری دنیا سے یہاں پہنچانے کا اہتمام ہم خود کرتے ہیں۔ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا۔۔۔ ہماری طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ دنیا کی تمام نعمتیں بیک وقت یہاں جمع کر دی جاتی ہیں۔

ہر سال حج پر تیس پینتیس لاکھ کا مجمع ہو جاتا ہے جن میں سے تقریباً پچیس چھبیس لاکھ تو باہر سے آنے والے ہوتے ہیں۔ مقامی حاجی ملا کر تیس پینتیس لاکھ ہو جاتے ہیں یہ سارے حجاج آٹھ ذوالحج کو ایک شہر مکہ مکرمہ میں ہوتے ہیں۔ حج کی سُنّت ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر پھر منیٰ کے لیے نکلیں۔ حجاج فجر کی نماز مکہ میں ادا کر کے منیٰ کے لیے نکلتے ہیں۔ دنیا کے کسی شہر میں اگر شہر کے باسیوں کے علاوہ تیس لاکھ بندہ آ جائے تو دیکھیں کیا ہو۔ کسی کو پانی ملے کسی کو نہ ملے۔ کسی کو کھانا ملے کسی کو نہ ملے۔ کسی کو جگہ ملے کسی کو نہ ملے لیکن حرم میں کسی آدمی کو کسی بھی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

فرمایا، ہم اپنی طرف سے اہتمام کرتے ہیں اور دنیا کی ساری نعمتیں سب کے لیے موجود ہوتی ہیں۔ جو چیز جس کو چاہیے وہ دستیاب ہوتی ہے۔ فرمایا ان کو تو اعتراض زیب نہیں دیتا۔

## منعم سے لاعلمی اور اس کا وبال:

اس دنیا نے تو چھن ہی جانا ہے تو پھر ہم اس کے لیے دین کو کیوں چھوڑ بیٹھتے ہیں؟ فرمایا: وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۵۷﴾ اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو اللہ کی نعمتیں کھاتے تو رہتے ہیں لیکن یہ جاننے کا تکلف نہیں کرتے کہ یہ کون دے رہا ہے۔ یادرکھو جو کچھ تم کھا پی چکے ہو، جو ملے گا وہ سب اللہ کریم عطا فرما رہے ہیں۔ حیرت ہے کہ اُسے ناراض کر لیتے ہو لیکن دنیوی واسطوں کے ناراض ہونے سے ڈرتے ہو کہ کہیں کوئی روٹھ نہ جائے۔ یہ دنیا تو تمہیں نہیں دے رہی۔ سب کچھ اللہ کریم ہی عطا فرما رہے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھ لو: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا۔۔۔ کتنی ایسی آبادیاں تباہ ہو گئیں جن کی معیشت بہت عروج پر تھی۔ وہ معاشی طور پر بہت آسودہ حال تھے۔ اُن کی کھیتیاں لہلہاتی تھیں، درخت پھلوں سے لدے پڑے تھے۔ چشمے اور نہریں جاری تھیں اور بہت خوبصورت گھر اور شہر آباد کیے لیکن جب اللہ کی گرفت میں آئیں تو تباہ و برباد ہو گئیں۔

کیا وہ دنیوی شان وشوکت، مال و دولت، خوبصورت گھر، قلعے اور دیواریں یا قیمتی لباس انہیں بچا سکے؟ اُن کے پاس کتنے بہترین سامانِ عیش تھے، اُن کی معیشت کتنی مضبوط تھی لیکن اللہ کی گرفت آئی تو وہ تباہ ہو گئے۔ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا۔۔۔ اور یہ اُن کے گھر کھنڈر بنے ہوئے پڑے ہیں۔ وہ ان میں پھر آباد تو نہیں ہو سکے چند روز ہی رہے اُن میں، پھر تباہ ہو گئے۔ گھر بھی تباہ ہو گئے۔ مال و دولت بھی تباہ ہو گئے لیکن انسان بھی عجیب شئے ہے کہ پھر عبرت حاصل نہیں کرتا۔ یہاں اس علاقے میں ایک طبقہ ہے جو قبریں کھود کر ڈھونڈتا ہے کہ اس میں سے شاید کوئی دولت مل جائے۔ چنانچہ اس علاقے میں بہت سی پرانی قبریں کھودی ہوئی نظر آتی ہیں۔ انسان بھی عجیب ہے یہ نہیں سوچتا کہ اگر دولت اتنے کام کی ہوتی تو جو قبر میں ہے اُسی کے کسی کام آ جاتی۔

ماضی میں لوگ دانتوں پر شوق سے سونے کا خول چڑھا لیتے تھے۔ اب یہ چور قبروں سے اُن کے دانت نکال کر توڑ توڑ کر سونا اتار لیتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ اے ظالمو! تم یہاں ہمیشہ رہو گے کہ تمہارے کام آ جائے؟ کتنی آبادیاں جن کی معیشت بہت مضبوط تھی، ہم تباہ کر چکے۔ آخر وہ تباہ کیوں ہوئیں؟

## تباہی کا سبب:

اللہ بہت کریم ہے، بردبار ہے حلیم ہے وہ انہیں رزق، مضبوط معیشت، عیش و عشرت کی زندگی، دولت اور ہر چیز دیتا رہا۔ اپنے نبیؑ مبعوث فرمائے اپنا پیغام پہنچاتا رہا کہ اب بس کر دو، اب باز آ جاؤ لیکن انہوں نے اللہ کو ناراض

کیا۔ جب ایک حد سے گناہ بڑھے تو تباہ کر دیے گئے، برباد ہو گئے کچھ نہ بچا۔ فرمایا، یہ دیکھ لو کہ بڑے بڑے محلات کے کھنڈرات پڑے ہیں۔ وہ لوگ ان میں چند روز ہی رہ سکے ہوں گے۔ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ۝ ہر چیز کے مالک ہم ہیں۔ یہ جو نعمتیں تم استعمال کر رہے ہو یہ تمہاری نہیں ہیں بلکہ اس کے مالک ہم ہیں۔ ہم نے جب چاہا واپس لے لیں۔ یہ بھی مت سوچو کہ اللہ کریم کسی کو یونہی تباہ کر دیتے ہیں بلکہ: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا۔۔۔ ان آبادیوں کو تب تک تباہ نہیں کیا جاتا جب تک ان کی کسی مرکزی آبادی میں اللہ کا نبیؑ مبعوث نہ کیا جائے۔ جو اُنہیں ہمارا پیغام سناتا ہے اور یاد دلاتا ہے کہ جس رب العالمین نے تمہیں پیدا فرمایا ہے۔ جس نے تمہیں روح و جسد عطا کیے ہیں۔ جس نے تمہیں مال و دولت، اولاد، کھیتیاں، سبزیاں، پھل عطا کیے ہیں، قیمتی لباس عطا کیے ہیں یہ اسی رب کی باتیں ہیں۔ سن لو کہ وہ تم سے کیا ارشاد فرماتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۝ ہم کسی آبادی کو تباہ نہیں کرتے جب تک اس کے رہنے والے خود ظالم نہ ہو جائیں۔ اتنا ظلم جب تک جمع نہ ہو جائے کہ اُن کی تباہی کا باعث بن جائے، ایک کشتی ہے، بحری جہاز ہے سمندر میں تیرتا رہے گا، محفوظ رہے گا۔ لیکن اگر اس پر ہر روز بوجھ لادتے رہیں تو آخر میں ایک وقت آئے گا کہ وہ غرق ہو جائے گا۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ لوگ اللہ کی نافرمانی شروع کر دیتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ وہ کریم درگزر فرماتا رہتا ہے اپنی نعمتیں بند نہیں کرتا۔ رزق بند نہیں کرتا، نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے اور لوگ ہیں کہ نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔ پھر ایک لمحہ آتا ہے کہ وہ بوجھ اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا، کسی آبادی کو تب تک تباہ نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس میں رہنے والے لوگ ظالم نہ ہو جائیں۔

یعنی تم لوگ یہ ڈر رہے ہو کہ ہم اللہ کی بات مانیں گے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے تو کفار ہمیں تباہ کر دیں گے، رہنے نہیں دیں گے۔ یہ بھی تو سوچو کہ نبیؐ کی اطاعت نہیں کرو گے تو اللہ تمہیں تباہ کر دیں گے۔ دیکھو کفار بھی انسان ہیں تم بھی انسان ہو لیکن اللہ کا مقابلہ کیسے کرو گے؟ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی اور یہ انسانوں کو خوش کرنے کے لیے اُن کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں، اسی میں تباہ ہو جاتے ہیں۔

## متاعِ دنیا:

فرمایا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا۔۔۔ جتنی نعمتیں تمہیں دنیا میں دی جاتی ہیں یہ صرف دنیا کا سرمایہ ہے اور محض دنیا کی زیب و زینت کے لیے ہے۔ تمہارے قیمتی لباس، عمدہ قبائیں، شان و شوکت والی پگڑیاں، جوتیاں اور سواریاں۔ تمہارے عالی شان محلات تمہارے بہترین کھانے سب دنیا کے

استعمال کے ہیں ان کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ آخرت میں کام نہیں آئیں گے نہ ہی قبر میں ساتھ جائیں گے۔ جب تک سانس چل رہی ہے تب تک ہیں اور وہ ایسا بے نیاز ہے کہ بے شمار دولت جمع ہو جانے پر پھر وہ کہتا ہے اب تم بھوکے رہو، کھاؤ پیو نہیں۔ ایسے امراض چمٹا دیتا ہے کہ نعمتوں سے گھر بھرے ہوتے ہیں لیکن بھوکے بیٹھے ہوتے ہیں، کھا نہیں سکتے۔ فرمایا، تمہارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، مال و دولت ہے، جتنی بھی آسائش و آرام ہے یہ دنیا کی زینت ہے۔ یہ دنیا میں تمہارے کام آ رہا ہے لیکن یہ دنیا تو چھوڑ کر جانی ہوگی۔ فرمایا: وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔۔۔ لیکن جو اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے اس متاعِ دنیا سے، اس لیے کہ وَّاَبْقٰى۔۔۔ وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ جو نعمتیں اللہ کریم کے پاس ہیں اگر تم روح کا ساتھ دو، اگر تم اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے حکم کے مطابق جائز کماؤ، حلال اور پاکیزہ کھاؤ، سچ بولو اللہ کی اطاعت کرو، ناجائز ذرائع استعمال نہ کرو تو اس سے جو آخرت تعمیر ہوگی وہ دنیا سے کروڑ ہا درجہ بہتر ہے اور پھر وہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔

دنیا میں تو ایک بیماری لگ جائے تو ہزار نعمتیں چھڑوا دیتی ہے۔ بہت سی چیزوں سے پرہیز بتا دی جاتی ہے یہ نہیں کھا سکتے، وہ نہیں کھا سکتے وغیرہ۔ آخرت میں، جنت میں کوئی بیماری، دکھ اور پریشانی نہیں ہے۔ ہر نعمت استعمال کر سکتے ہیں۔ وہاں بیماری ہے نہ پریشانی ہے۔ وہاں گرمی سردی بھی نہیں ہے۔ وہاں ہمیشہ موج ہی موج ہے اور دنیا سے کروڑوں درجے بہتر ہے اس لیے کہ اَبْقٰى۔۔۔ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ کیا تم میں اتنی عقل بھی نہیں ہے؟ ہر بندہ صبح سے رات تک اسی دنیا کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

دنیا کمانا بھی عبادت بن جاتا ہے اگر اللہ کے حکم کے مطابق کمائی جائے۔ اسلام دنیا کے لباس، کھانے، گھر بنانے سے روکتا نہیں ہے بلکہ یہ سب اہتمام کرنا بھی عبادت ہے اگر جائز اور حلال طریقے سے کیا جائے۔ اسلام ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے روکتا ہے دوسروں کا حق چھیننے سے روکتا ہے۔ فرمایا، تمہیں آخرت کے مقابلے میں دنیا عزیز ہے، تم کیسے عجیب لوگ ہو، تم میں اتنی بھی عقل نہیں ہے کہ یہ سوچ سکو کہ ایک چیز لذت میں بھی کروڑوں درجے بہتر ہے اور ابدی ہے اور تم نے اُسے بلاتکلف استعمال کرنا ہے۔ دنیا میں تو کتنی نعمتیں تمہارے پاس ہوتی ہیں لیکن تم استعمال نہیں کر سکتے۔ کتنی چیزیں تمہاری غذا ہوتی ہیں لیکن معالج تمہیں روک دیں تو تم چھوڑ دیتے ہو۔ جب اللہ منع کرتا ہے تو کیوں منع نہیں ہوتے، کیوں نہیں چھوڑتے؟ تمہیں بدن سے تو اتنی محبت ہے کہ ایک طبیب کہتا ہے کہ یہ غذا کھاؤ گے تو تکلیف دے گی تو اس چیز کو چھوڑ دیتے ہو۔ جب اللہ کریم فرماتے ہیں حرام نہ کھاؤ تو وہ حرام کیوں نہیں چھوڑتے؟ کیا اتنی بھی عقل نہیں رکھتے!

# سورۃ القصص رکوع 7 آیات 61تا75

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا
هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا
اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ
فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ
الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى
وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ
عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۗ
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۗ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۷۳ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝۷۴ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۷۵

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پس وہ اس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہے، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے محض دنیا کی زندگی کا (چند روزہ) فائدہ دے رکھا ہے؟ پھر وہ اُن لوگوں میں ہوگا جو قیامت کے دن (بطورِ مجرم ہمارے سامنے) پیش کیے جائیں گے ﴿۶۱﴾ اور جس روز (اللہ) ان کو پکار کر فرمائیں گے میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے ﴿۶۲﴾ تو جن لوگوں پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو چکا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا ہم نے ان کو ویسا ہی گمراہ کیا تھا جیسا ہم خود گمراہ تھے ہم آپ کی طرف متوجہ ہو کر ان سے بیزار ہوتے ہیں (اور) یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے ﴿۶۳﴾ اور ارشاد ہوگا اپنے شریکوں کو بلاؤ چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ عذاب (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں گے اے کاش! (دنیا میں) یہ لوگ راہِ راست پر ہوتے۔ ﴿۶۴﴾ اور جس دن ان (کافروں) سے پکار کر پوچھیں گے تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا؟ ﴿۶۵﴾ تو وہ اس روز تمام مضامین سے اندھے ہو جائیں گے پھر وہ آپس میں بھی پوچھ نہ سکیں گے ﴿۶۶﴾ پس جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے تو امید ہے کہ وہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں میں ہوں گے ﴿۶۷﴾ اور آپ کا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ فرمالیتا ہے۔ اُن (لوگوں) کو اس کا اختیار نہیں۔ یہ جو شرک کرتے ہیں اللہ اس سے پاک اور بلند تر ہے ﴿۶۸﴾ اور آپ کا پروردگار سب چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۶۹﴾

اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسی کے لیے ہیں سب خوبیاں دنیا اور آخرت میں اور اسی کی حکومت ہے اور تم سب اُسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ﴿۷۰﴾ ان سے کہیے کہ دیکھو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت تک رات ہی رہنے دیتے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی لا دے۔ تو کیا تم (دلائل کو) سنتے نہیں ﴿۷۱﴾ فرما دیجیے کہ بتاؤ بھلا اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ تم پر دن ہی رہنے دیں تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے جس میں تم آرام کر سکو پھر کیا تم (شاید قدرت کو) دیکھتے نہیں ﴿۷۲﴾ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تا کہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور (دن میں) اس (اللہ) کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو ﴿۷۳﴾ اور جس دن (اللہ) ان کو پکار کر فرمائیں گے کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے؟ ﴿۷۴﴾ اور ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے پھر فرمائیں گے اپنی دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے کہ حق بات اللہ کی ہے اور جو کچھ وہ گھڑا کرتے تھے وہ ان سے جاتا رہے گا ﴿۷۵﴾

# تفسیر و معارف

## تم کس کا ساتھ چاہتے ہو؟

فرمایا: اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ۔۔۔ فرمایا، یہ سوچو جس سے ہم نے اپنی عطا مہربانی کرم اور انعامات کا بہت خوبصورت وعدہ کیا ہے اور وہ ان شاء اللہ اس وعدے کو پانے والا ہے۔ جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اللہ کے نبیؐ کا اتباع کرتا ہے اور اس کے ساتھ جس خوبصورت آخرت کا وعدہ ہے اور وہ اُس کو پانے والا ہے۔ دوسرا وہ ہے، كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ جس کو ہم نے دنیا کی دولت تو دے دی ہے لیکن وہ اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کر رہا تو دنیا کی دولت تو چھوڑ کر مر جائے گا اور روزِ حشر مجرموں کی صف میں جوابدہی کے لیے کھڑا ہوگا۔ دونوں میں سے کون بہتر ہے؟

تم کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

ایک شخص ہے جو اللہ پر ایمان لایا، اللہ کے وعدوں پر یقین کیا۔ اللہ کے نبیؐ کا اتباع کیا، حلال رزق کمایا محنت سے کمایا، صحیح جگہ پر خرچ کیا اور اللہ کا اس سے آخرت کی بہتری اور جنت کا وعدہ ہے۔ وہ اللہ کے وعدے کو پالے گا۔ وہ جب دنیا کو چھوڑ کر جائے گا جو کہ گھٹیا چیز ہے تو اس سے بے پناہ بلندی و عالی درجہ جنت میں پالے گا۔ یہ اچھا ہے یا جس کو دنیا ملی اور وہ اللہ کی یاد بھول گیا، برائیاں کرتا رہا، عیاشیاں کرتا رہا۔ چند سال وہ عیاشی کے تھے پھر دنیا چھن گئی تو آخرت میں مجرموں کی صف میں جوابدہی کے لیے کھڑا ہو گیا۔ دونوں میں سے کون بہتر ہے، تم کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟

## دنیا میں برائی پر متحد، آخرت میں ملامتِ باہمی:

وہ بہت سخت دن ہوگا: وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ اس دن اعلان کروایا جائے گا کہ اللہ کے علاوہ تم جن سے اُمیدیں رکھتے تھے۔ جنہیں تم نے معبود بنا لیا تھا، انہیں بلاؤ۔ یاد رہے جس کی غیر مشروط اطاعت ہو گی وہی معبود ہے اور خلافِ شریعت جس کی اطاعت ہو گی وہی بت ہو گا۔ اس لیے کہ شریعت کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت ہے اللہ کے نبیؐ کی اطاعت ہے اور نبیؐ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ اس لیے کہ کوئی نبیؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا وہی فرماتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا نبیؐ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے اور احکامِ الٰہی کے خلاف کسی سے فائدے کی امید پر اس کی اطاعت کرنا، اُس کی عبادت کرنا ہے۔ فرمایا، اُس دن اعلان کیا جائے گا کہ جن لوگوں سے تم اُمیدیں رکھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جنہیں خوش رکھنے کے لیے تم اللہ کی نافرمانی کرتے رہے ذرا اُنہیں بلاؤ تو سہی۔ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ ۔۔۔ جو مجرم ثابت ہو چکے ہوں گے، جنہیں دوزخ نظر آرہی ہو گی وہ کہیں گے: رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا ۔۔۔ وہ اپنے بڑوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے یا اللہ! ہمیں تو انہوں نے مروا دیا۔ یہ ہمارے پیر صاحبان تھے، ہمارے مولوی تھے۔ ہمارے لیڈر تھے یہ سارے اُسی طرف بھاگ رہے تھے ہم بھی اُن کے پیچھے اُدھر ہی چلے گئے۔ اُن کے پیشوا کہیں گے: أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۔۔۔ یا اللہ! ہم کیا کرتے جو ہماری سمجھ میں آیا، ہم نے انہیں وہی بتایا۔ ہم خود گمراہ تھے تو انہیں ہدایت کیسے دیتے؟ ہم جب خود گمراہ تھے تو انہوں نے ہم سے گمراہی ہی لینی تھی۔ یہ اپنی مرضی سے لیتے رہے ہم نے ان پر جبر تو نہیں کیا تھا۔ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ اے اللہ! ہم آپ کی طرف آتے ہیں ہم ان سے بیزار ہیں۔ یہ ہماری اطاعت ہماری عبادت اور پوجا نہیں کرتے تھے۔ یہ اپنی اغراض کے لیے چمٹے رہتے

تھے۔اپنے نفس کی خواہشات کے لیے چمٹے رہتے تھے، دراصل یہ اپنے نفس کی پوجا کرتے تھے۔انہوں نے ہمیں اپنا راہنما اس لیے بنایا ہوا تھا کہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح انہیں دنیوی فائدے اور لذتیں ملیں گی۔

پھر لیڈروں اور پیروکاروں کو کہا جائے گا: وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ۔۔۔ پھر ان سب سے کہا جائے گا کہ ذرا اُن سب کو بلاؤ جن سے اللہ کے علاوہ تمہیں اُمیدیں تھیں کہ وہ تمہاری مدد کریں گے۔اب انہیں بلاؤ کہ تمہاری مدد کریں۔ فَدَعَوْهُمْ ۔۔۔وہ پکاریں گے بھئی کہاں ہو تم، ہم تو یہ سب تمہارے لیے کرتے رہے۔تم کہاں ہو؟ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا ۔۔۔کوئی نہیں سنے گا کہ وہ اپنی مصیبت میں پھنسے ہوں گے۔ان کی کون سنے گا۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ۔۔۔اب عذاب ان کے سامنے ہوگا، کوئی راستہ نکلنے کا نہیں ہوگا اور عذاب میں جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ارشاد ہوتا ہے: لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ کیا ہی اچھا ہوتا اگر انہوں نے دنیا میں ہدایت کا راستہ چُن لیا ہوتا۔دنیا میں دامانِ نبوت تھام لیا ہوتا اور دنیا میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔

## حشر کے روز یہ سوال ہوگا:

فرمایا: وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ اس دن اعلان کرا دیا جائے گا، منادی کردی جائے گی اور پوچھا جائے گا کہ میرے رسولوں کو تم نے کیا جواب دیا؟

ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا کیا جواب دیا؟ کیا تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا یا کسی اور کے پیچھے چلتے رہے؟ قیامت کا دن اتنا سخت ہوگا، جہنم سامنے ہوگی، عذاب الٰہی سامنے ہوں گے تو اُن کے ہوش گم ہوجائیں گے۔ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ دنیا میں تو بہانے کرتے ہیں، وہاں ان کے پاس کوئی بہانہ بھی نہیں ہوگا۔ان کے ہوش گم ہوں گے۔اس قابل بھی نہیں ہوں گے کہ ایک دوسرے سے پوچھ سکیں کہ ہم کیا کہتے اور کرتے تھے؟ کسی کو کسی کا ہوش نہیں ہوگا۔گُم سُم کھڑے ہوں گے کسی کو کچھ بتانے کے بھی قابل نہیں ہوں گے۔

## جب تک دنیا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

فرمایا: فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾ لیکن ان سب کوتاہیوں، گستاخیوں، بے ادبیوں، تمام نافرمانیوں اور گناہوں کے باوجود جب تک یہ دنیا میں رہے اِن کے لیے ہم نے بابِ توبہ کو کھلا رکھا۔

اللہ کے کرم کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ وہ کتنا کریم ہے۔ اس نے کوئی قدغن نہیں لگائی کہ کس نے کیا جرم کیا ہے۔ کتنے گناہ کیے ہیں اس لیے کہ کوئی گناہ اس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا۔ ہم نے بابِ توبہ کھلا رکھا ہے کہ جب بھی کسی کو احساس ہو جائے وہ توبہ کر لے۔ ہم اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیں گے۔ آئندہ نیکی اختیار کر لے۔

## توبہ کیا ہے؟

توبہ یہ ہے کہ جس نے توبہ کی اور ایمان درست کیا۔ توبہ یہ ہے کہ پہلے عقیدے کی خرابی کو دور کرے۔ وہ عقیدہ اختیار کرے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے تعلیم فرمایا ہے۔ اس کے بعد اپنے کردار کی اصلاح کرے، رسومات کو چھوڑ کر حقائق کو قبول کرے۔ توبہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ زبانی توبہ توبہ کہتا رہے اور گناہ بھی کرتا رہے۔ توبہ یہ ہے کہ عقیدے اور عمل کی اصلاح کرے تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ بھی فلاح پانے والوں میں ہوگا۔ وہ بھی اُن بھلائیوں کو پالے گا جو بڑے نیک لوگوں کو نصیب ہوں گی، وہ اسے بھی نصیب ہو جائیں گی۔ اس کے گناہ ہم معاف کر دیں گے بلکہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے، یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔۔۔(الفرقان:70) ہم اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے۔ اس نے گناہ کیے۔ ہم اسے نیکیوں کا اجر دیں گے۔ یہ تو اس کے کرم کی ایک جھلک ہے، ایک انداز ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ نہیں پوچھتا تُو نے کیا گناہ کیا ہے۔ بخاری شریف میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ کوئی شخص تھا اس نے ننانوے قتل کیے تھے۔ اب جس شخص نے ننانوے قتل کیے ہوں وہ کوئی نیک آدمی تو نہیں ہوگا۔ ننانوے قتل کرنے کے بعد اسے خیال آیا کہ اُسے توبہ کرنی چاہیے۔ وہ کسی عالم کے پاس گیا اور اپنی بات بتائی کہ مجھ سے ننانوے قتل ہو گئے ہیں اور میں اب توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اسے بہت ڈانٹا اور کہا کہ مردود تجھے اب ننانوے قتل کے بعد توبہ کی سوجھی ہے۔ اب تیرے لیے توبہ نہیں ہے۔ وہ بندہ ویسے ہی ایسے مزاج کا تھا اوپر سے جب ڈانٹا گیا تو اس نے تلوار نکال کر عالم کا بھی کام تمام کر دیا۔ کہنے لگا اگر دوزخ ہی جانا ہے تو سو پورے کر لوں۔

مگر جو اس کے دل میں خلش تھی وہ ختم نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ کسی اور عالم کے پاس گیا۔ وہ اللہ کا نیک بندہ اور صاحبِ حال تھا۔ اس نے کہا، اللہ کے بندے تیرا کوئی گناہ اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا۔ ابھی توبہ کر اور ابھی سے اپنی اصلاح کر، عقیدہ درست کر، کردار درست کر لے تو اللہ کی رحمت کو پا لے گا۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو انہوں نے اسے نصیحت کی کہ واپس اپنے ماحول میں نہ جانا۔ اپنے گھر نہ جانا، وہاں ایک بستی ہے، ایک طرف ہے اس میں وہ نیک لوگ ہیں۔ نیکوں کی بستی میں چلا جا۔ اگر واپس اپنے ماحول میں جائے گا تو وہی لوگ ہوں گے، طعنے دیں گے،

چھیڑیں گے تو پھر تیری توبہ کا اللہ ہی حافظ ہوگا۔ تُو پھر کسی جرم میں شریک ہو جائے گا۔

نیک لوگوں کے پاس چلا جا وہاں نیکی ہوتی ہے، اللہ کا ذکر ہوتا ہے، اللہ اللہ ہوتی ہے، تُو بھی اللہ اللہ کر۔ جب وہاں سے نکلا کہ نیکوں کی بستی کی طرف جائے تو موت آ گئی۔ جہنم کے فرشتے روح قبض کرنے کے لیے آ گئے کہ یہ ہماری آسامی ہے۔ جنت کے فرشتے بھی آ گئے کہ یہ تو توبہ کر چکا ہے اسے تو ہم لے کر جائیں گے۔ اب فرشتوں میں تکرار ہوئی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ یا اللہ! آپ فیصلہ فرمائیں کہ یہ کس کے ساتھ جائے گا۔

اللہ نے فرمایا، فاصلہ ناپ کر دیکھ لو۔ اگر نیکوں کے قریب ہے تو جنت والے لے جائیں اور اگر ابھی اُن سے دور ہے تو پھر دوسرے لے جائیں۔ فرشتوں کو پیمائش پر لگا کر زمین کو حکم دے دیا کہ نیکوں کی طرف سے سمٹ جا، تو جب انہوں نے ناپی تو نیکوں سے فاصلہ کم نکلا اور یوں وہ جنت میں چلا گیا۔ اللہ کی رحمت کے یہ انداز ہیں۔ فرمایا، ہم نے تو توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ کتنے بھی گناہ کر چکا ہے، کبھی تو آ جائے اور جو لوٹ کر آئے وہ اپنا عقیدہ اور کردار درست کر لے تو پھر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بھی کامیاب ہو جائے گا۔

## سب کام اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں:

فرمایا: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔۔۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار ہے جو پیدا بھی فرماتا ہے، توفیق بھی عطا فرماتا ہے، برگزیدہ بھی کر دیتا ہے۔ چُن لیتا ہے۔ یہ سب اس کے کام ہیں بندہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ بندے کے پاس صرف اتنا اختیار ہے کہ یا وہ دامانِ رسالت کو تھام لے یا چھوڑ دے۔ یہ فیصلہ بس اس کا اپنا ہے۔ جس نے تھامنے کا فیصلہ کر لیا اُسے بھی آگے خود اللہ نے ہی چلانا ہے اور جس نے چھوڑ دیا اُسے پرے بھی اس نے ہی دھکیلنا ہے۔

## اللہ کی ذات پاک اور بلند تر ہے:

فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ اللہ کریم اس بات سے بہت بلند ہے جس بات سے یہ شرک کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شرک یہی ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ میں اس بت کو اللہ کی جگہ مانتا ہوں۔ نہیں بلکہ ایسے چھوٹے چھوٹے دعوے بھی شرک بن جاتے ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ میں نے یہ کر دیا۔ یہ 'میں' کون ہے؟ کیا تم دنیا کے خالق ہو؟ تم دنیا میں کارساز ہو، تم کرنے والے ہو؟ اگر یہ کہو کہ یہ کامیابی مجھے اللہ نے دی ہے تو الحمد للہ کیسی خوبصورت بات ہے۔ اگر نقصان ہو جائے تو کہو، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔۔۔ (البقرۃ:156) ہم سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ ہی کی بارگاہ میں ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ نفع نقصان سب اسی کی طرف سے ہے۔ افسوس کہ

ایسا کہنے والے لوگ کم ہی کہتے ہیں اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے

اور بگڑ جائے تو خطا کاتبِ تقدیر کی ہے

کوئی کام سنور جائے تو کہتے ہیں میں نے سنوارا، بگڑ جائے تو کہتے ہیں اللہ نے بگاڑ دیا۔ نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں اللہ نے بگاڑ دیا۔ سنور جائے تو کہتے ہیں، میں نے سنوارا ہے میں نے یہ کام کر دیا۔ فرمایا، اللہ ان سب چیزوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ یہ تو قدم قدم پر شرک کرتے پھرتے ہیں۔

فرمایا: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار اُن بھیدوں سے آگاہ ہے جو اُن کے سینوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ ایسی باتیں، خیالات جو انہیں ابھی خود خبر نہیں ہے کہ وہ انہیں سوچیں گے لیکن اللہ کریم جانتے ہیں کہ وہ یہ سوچے گا۔ جو باتیں ظاہر کرتے ہیں وہ تو اللہ کے سامنے ہیں ہی لیکن جو بہت چھپی ہوئی ہیں اور بھی اللہ کے سامنے ہیں۔

## سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے:

فرمایا: وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ۔۔۔ وہی اللہ ہے۔ اُس ایک کے علاوہ، اس وحدہٗ لاشریک کے علاوہ، کوئی اِس قابل نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمام تعریفیں اسی ایک ذات کے لیے ہیں۔ اوّل تا آخر۔ اگر کوئی بات شروع کرتا ہے تو اسی کی تعریف کے لیے ہے اور بات ختم ہو جاتی ہے تو اسی کی حمد پر ختم ہو جاتی ہے۔ اوّل و آخر ہر حال میں تمام تعریفیں اسی ذاتِ بے ہمتا کے لیے ہیں۔

فرمایا: وَلَهُ الْحُكْمُ ۔۔۔ حکومت بھی اسی کی ہے۔ لوگوں کو بہت غلط فہمی ہے کہ وہ حکمران ہیں۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے مصاحب اور عالم کے ساتھ کہیں جنگل میں نکل گئے۔ سیر یا شکار کر رہے ہوں تو پانی ختم ہو گیا۔ بادشاہ کو بہت پیاس لگی تو ہرکارے دوڑائے گئے کہ کہیں سے پانی تلاش کر کے لائیں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ حضور یہ جو پانی نہیں مل رہا تو اگر کوئی بندہ آ جائے جس کے پاس پانی کا کٹورہ ہو اور وہ کہے کہ وہ پانی قیمتاً دے گا تو آپ اُس پانی کی کیا قیمت دیں گے؟

خلیفہ کہنے لگے کہ اس کے بدلے میں اپنی آدھی سلطنت تک تو قیمتاً دے سکتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا چلو اچھا ہو گیا آپ کے پاس حکومت و سلطنت تھی آپ نے آدھی دے کر کٹورہ خرید لیا۔ آدھی بھی آپ کے پاس کافی ہے۔

اگر آپ یہ پانی پی لیں اور پھر پیشاب رک جائے پھر کیا کریں گے؟ وہ بولے پھر آدھی کیا ساری بھی دے

کر جان بچاؤں گا۔ سلطنت جاتی ہے تو جاتی رہے جان بچ جائے۔ انہوں نے فرمایا، آپ کی ریاست کی قیمت تو اتنی سی ہے تو اس پر آپ جتنا چاہیں اتراتے رہیں!

اصل حکومت اللہ کریم کی ہے اس نے بندوں کو آزمانے کے لیے عارضی طور پر انہیں سونپ رکھی ہے۔ ہمارے پاس اقتدار و اختیار وقتی اور لمحاتی ہے۔ ایک دن چلا جائے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں جواب دینا ہوگا۔ کوئی اپنے گھر والوں پر حکمران ہے کوئی ممالک پر حکمران ہیں۔ وَلَهُ الْحُكْمُ ۔۔۔ حقیقی حکومت اللہ کی ہے۔ حاکم وہ ہے تمہیں وقتی طور پر آزما رہا ہے۔ تھوڑا تھوڑا اختیار دے کر آزما رہا ہے لہٰذا اللہ کی اطاعت کا راستہ اپناؤ کہ: وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ تم بھاگ نہیں سکتے، تمہیں واپس اس کی بارگاہ میں جانا ہے۔ اس سے کوئی فرار نہیں ہے یا تو یہ ہوتا کہ نافرمانی کر کے کہیں اور نکل جاتے لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ تمہیں اسی کی بارگاہ میں جانا ہے۔

## شب و روز کا نظام اللہ کے دستِ قدرت میں ہے اور رحمت ہے:

ذرا سوچو: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔۔۔ اگر اللہ تمہاری رات کو قیامت تک کے لیے لمبا کر دے۔ دن طلوع ہی نہ ہو۔ سورج نظر ہی نہ آئے تا قیامِ قیامت رات ہی رہے تو پھر: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۔۔۔ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے جو پھر سے تمہیں روشنی لا دے؟ یہ نظام تو اللہ کریم ہی چلا رہے ہیں۔ رات اور دن اپنی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ سورج اور چاند ستارے اپنی اپنی راہ پر چل رہے ہیں لیکن اگر وہ سورج کو بھٹکا دے، غائب کر دے اور قیامت تک صرف رات ہی رہ جائے۔ کیا کوئی اور ہستی ایسی ہے جو دوبارہ تمہیں روشنی لا دے؟ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ کیا تمہیں بات سنائی نہیں دیتی؟ تم ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے؟ تم آیاتِ الٰہی نہیں سنتے ہو؟ یہ دیکھ لو پھر کہ: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ فرما دیجیے کہ اگر اللہ ہمیشہ کے لیے دن کر دیں، سورج غروب ہی نہ ہو۔ پھر ایسا کون ہے جو اس دائمی دن میں تمہیں رات لا دے؟ اگر سورج غروب نہ ہو، مسلسل رہے تو تم کتنا جاگو گے، کتنا کام کرو گے اور کب آرام کرو گے؟ کس طرح سے زندگی بسر کرو گے؟ اوقات کیا ہوں گے کہ کوئی سو رہا ہوگا تو کوئی کھا رہا ہے تو کوئی دفتر میں بیٹھا ہے۔ اب تو یک رنگی ہے اوقات میں کہ دن ہوتا ہے تو سارے اُٹھ کر کام پر لگ جاتے ہیں۔ رات ہوتی ہے تو سارے آرام کرتے ہیں۔ اگر دن ہی دن ہو تو پھر اوقاتِ کار کیا ہوں

گے؟ زندگی کیسے گزرے گی؟ زندگی کی ترتیب ہی تباہ ہو جائے گی۔ کیا پھر کوئی ہستی ہے جو تمہیں اس دائمی دن میں پھر راتیں لادے؟ پھر تمہیں وہ وقت لادے جس میں تم آرام کرسکو؟ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ کیا تم اندھے ہو گئے ہو؟

کیا تمہیں یہ ساری باتیں سمجھ نہیں آتیں؟ تم یہ سب دیکھ نہیں سکتے؟ فرمایا: وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ اس نے تمہارے لیے، اپنی رحمت سے یہ شب وروز بنائے، ان کو چلا دیا تاکہ دن آئے تو تم اللہ کا رزق تلاش کرو، اپنی حلال روزی حاصل کرو، دنیا کے کام کرو اور رات آئے تو آرام کرلو۔ لِتَسۡكُنُوۡا ۔۔۔ رات کو سکون سے آرام بھی کرسکو تاکہ تمہارے وجود میں سے جتنی قوت زائل ہوئی اُسے پھر سے حاصل کر سکے۔ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ تاکہ تم رات اور دن میں اللہ کا دیا ہوا رزق اور نعمتیں تلاش کرو۔ دنیوی رزق بھی تلاش کرو اور اگر اللہ کے حکم کے مطابق کرو گے تو وہ بھی عبادت بن جائے گی۔ آخرت کا رزق بھی انہی شب وروز میں تلاش کرو۔ اللہ کی عبادت کرو، حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ، نیک کام کرو، اللہ کو یاد رکھو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

عبادت کیا ہے؟ عبادت اظہارِ تشکر ہے کہ اے میرے معبودِ برحق! بے شک آپ نے مجھے بہت نعمتیں دی ہیں۔ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

## غیر اللہ کی فرمانبرداری کا کوئی جواز نہیں:

فرمایا: وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ یاد رکھو! ایک دن آرہا ہے، اعلان کیا جائے گا کہ اے لوگو تم نے میری اطاعت چھوڑ کر دوسروں کی فرمانبرداری کی تو آج اُنہیں بلاؤ تاکہ تمہارے کام آئیں۔ تمہارا جو وہم تھا، زعم تھا بڑا فخر تھا کہ تمہارا فلاں دوست ہے۔ تم جو کہتے تھے کہ میں تو فلاں کی بات مانتا ہوں فلاں کے پیچھے چلتا ہوں۔ تم نے اللہ کی اطاعت کی پروا نہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلاتے رہے تم دوسری طرف چلتے رہے۔ تو پھر جن کی طرف چلتے رہے ہو انہیں آج مدد کے لیے بلالاؤ کہ آج ہی تو مشکل پڑی ہے۔

وَنَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا ۔۔۔ ہم ہر اُمّت سے گواہ لائیں گے۔ ہر اُمّت کا نبیؑ اس پر گواہ ہوگا۔ ہر اُمّت کے صالحین گواہ ہوں گے۔ ایسے گواہ بھی موجود ہوں گے جو بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ تیرا

پیغام ان تک پہنچتا رہا۔ تیرے نبیؐ نے ان تک تیرا دین پہنچا دیا۔ تیرے مختلف بندوں نے ان تک تیرے دین کی آواز پہنچائی، اُن تک دین پہنچتا رہا۔

ہم لوگوں سے کہیں گے: فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔۔۔ کہ آپ لوگ دلائل سے بات کرو۔ اس بات پر کوئی دلیل لاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جو تمہارا خالق مالک اور رازق ہے، دوسروں سے اُمیدیں کیوں وابستہ کرتے ہو؟ تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے؟ اگر ہے تو لاؤ، پیش کرو۔ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ۔۔۔ پھر اُن کو پتا چل جائے گا کہ حق اللہ کی بارگاہ میں ہے۔ اللہ کے پاس ہے۔ حق وانصاف وہی ہے جو اللہ کر رہا ہے۔ حق وہی ہے جو اللہ نے فرمایا، حق وہی ہے جو اللہ کے نبیؐ نے پہنچایا۔ اگر ہم نے اسے قبول نہیں کیا تو ہم گمراہ ہو گئے۔ ہم باطل پرست ہو گئے۔ باطل کی طرف چلے گئے۔ حق اُدھر ہی ہے جو اللہ کا حکم تھا۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝ اور جو قصے کہانیاں جوڑ رکھے تھے کہ فلاں میری مدد کرے گا، فلاں مجھے دولت دے گا یا مجھے بچا لے گا وہ سب جھوٹ نکلے۔ وہ سارے ختم ہو گئے۔ اب اُن میں سے کوئی اِن کے کام آنے والا یا بچانے والا نہیں۔

# سورۃ القصص رکوع 8 آیات 76 تا 82

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ
مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۖ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝٧٦ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا
تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ
الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٧٧ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ
عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۗ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ
الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۗ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ
الْمُجْرِمُوْنَ ۝٧٨ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ
عَظِيْمٍ ۝٧٩ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝٨٠ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ
الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝٨١ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ
عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۗ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝٨٢

بے شک قارون، موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر وہ ان پر سرکشی کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا کہ اتراؤ مت، بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے ﴿۷۶﴾ اور جو (مال) اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے اس میں آخرت کے گھر (کی بھلائی) کی جستجو کرو اور اپنا حصہ دنیا سے (آخرت میں لے جانا) مت بھولو اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے تم بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کرو اور دنیا میں فساد کے خواہاں مت ہو۔ بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتے ﴿۷۷﴾ کہنے لگا بے شک مجھ کو سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ نے یقیناً اس سے پہلے، امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر دیا جو قوتِ (مال) میں (بھی) اس سے بڑھے ہوئے تھے اور جم (بھی) ان کا زیادہ تھا۔ اور مجرموں سے ان کے جرم کے بارے سوال نہ کرنا پڑے گا ﴿۷۸﴾ پھر وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے چاہنے والے تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ (مال و دولت) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بہت بڑے نصیب والا ہے ﴿۷۹﴾ اور جن لوگوں کو (دین کا) علم عطا ہوا تھا وہ کہنے لگے تم پر افسوس! اللہ کا ثواب (اس دنیاوی کرّ وفر سے) بہت بہتر ہے جو ایسے لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملتا ہے ﴿۸۰﴾ پس ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے گھر (محل سرائے) کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا ﴿۸۱﴾ اور وہ لوگ جو کل اس کے مرتبہ کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے بس جی اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں رزق زیادہ دے دیتے ہیں اور (جس کو چاہیں) تنگی دے دیتے ہیں۔ اگر ہم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتے۔ بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو کامیابی نہیں ہوتی ﴿۸۲﴾

# تفسیر ومعارف

دنیااور دولتِ دنیا کی بات ہورہی تھی۔ اللہ کریم نے دنیا بھی انسانوں کے لیے ہی ترتیب دی ہے اور دنیا کا حصول اگر جائز وسائل سے ہوتو وہ بھی عبادت ہے۔ صرف دنیا کو محبوب بنالینا اور اس کے لیے حلال حرام، جائز ناجائز کی پروانہ کرنا تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ قرآنِ حکیم نے یہاں قارون کی مثال ارشاد فرمائی ہے۔

فرمایا: اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۔۔۔ بے شک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم میں سے تھا پھر وہ ان پر سرکشی کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔

قارون اپنے عہد کا امیر ترین شخص تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ یہ شخص نہ تو کسی سلطنت کا مالک تھا نہ کوئی بادشاہ تھا محض ایک دولت مند آدمی تھا۔ اللہ نے اسے اس قدر دولت دی تھی کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانا بھی مشکل ہو جاتا۔ اس کی دولت کا ذخیرہ بہت سی جگہوں پر تھا۔ تمام کمرے سونے چاندی، ہیرے جواہرات اور مال ودولت سے پُر تھے۔ بعض مفسرین نے اس کے بارے لکھا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا۔ نصیب کی بات ہے کہ ایک چچا کا بیٹا اولوالعزم رسولؑ ہے اور دوسرا دنیا میں سرتاپا غرق۔ جس نے جو چُنا جس طرف محنت کی وہ پایا۔ جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو بنی اسرائیل کمزور تھے غلطیاں کوتاہیاں کرتے تھے لیکن جیسے بھی تھے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا اس نے نہ صرف پیغمبرؑ کو جھٹلایا بلکہ اپنی قوم پر بھی سرکشی کی اور کہا کہ میں اپنی پسند کا مالک ہوں، مال میرا ہے۔ میں جس طرح چاہوں خرچ کروں۔ میں کسی کو نبی ورسول (علیہ السلام) نہیں مانتا تو میں کسی کی اطاعت کیوں کروں؟ میں خودمختار ہوں اور میرے سارے وسائل میرے اپنے ہیں لہٰذا میں جو چاہوں کروں۔

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ جب اس کی قوم نے کہا کہ اتراؤ مت، بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اس قدر دولت پا کر وہ متکبر ہو گیا حالانکہ وہ دولت اللہ کی دی ہوئی تھی۔ اللہ کریم اِس طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ کسی کے پاس دنیا کا مال ہے تو وہ یہ نہ بھولے کہ یہ بھی اللہ نے اسے دیا ہے۔ مال اللہ کا ہی ہے، جسے وقتی طور پر مالک بنا دیا ہے یہ اس کے لیے آزمائش بن گئی ہے کہ اس سے وہ اطاعتِ الٰہی کرتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۔۔۔ (الفجر:15) مگر انسان (عجیب ہے) جب اس کا پروردگار

اس کو آزماتا ہے پھر عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔ یعنی جب اللہ کریم کسی کو آزمائش میں ڈالتے ہیں تو اس کی عزت وشہرت بڑھا دیتے ہیں۔ اسے مال ودولت، اختیار واقتدار دے دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اس حال میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں۔ اور مال کی، وسائل کی اور عہدہ واختیارات کی وسعت زیادہ بڑی آزمائش ہے کہ اس میں گناہ کے مواقع زیادہ ہیں اور کسی کی آزمائش یہ ہوتی ہے کہ اس کا رزق کم کر دیا جاتا ہے: وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ۔۔۔(الفجر: 16) اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے تو اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔ یعنی جس کا رزق کم کر دیا جاتا ہے اسے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے در پہ ہی رہتا ہے یا حصولِ رزق کی خاطر اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے در پہ جُبّہ سائی کرتا ہے۔ بلاشبہ غربت بہت بڑی آزمائش ہے لیکن دولت مندی سے کم ہے۔ دولت اور وسائل زیادہ ہوں تو بندے کے پاس برائیاں کرنے کا اختیار بھی زیادہ ہوتا ہے اور غربت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ بہت سے گناہوں سے بچا لیتی ہے۔ غربت کا بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ جب فاقہ ہو، بھوک ہو تو پھر بندہ اللہ پر اعتبار کرنے کی بجائے در در پہ جُبّہ سائی کرنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح امارت کا بڑا خطرہ یہ ہے کہ بندہ مال ودولت پا کر اترانے لگتا ہے اور دولت اور مالِ دنیا پر اترانا اللہ کو پسند نہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دولت مند ہونا برائی ہے۔ اگر کسی کے پاس جائز اور حلال وسائل سے حاصل کی گئی دولت ہے تو وہ اس کے لیے جائز ہے۔ اسے چاہیے کہ اچھا گھر بنائے، اچھی سواری رکھے، اچھا لباس پہنے لیکن تکبر نہ کرے۔ یہ ادائے شکر ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے مال کو بھلے طریقے سے اپنے معیار زندگی پر خرچ کرے۔ ارشادِ باری ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔۔۔(الضحیٰ: 11) اللہ کی نعمتوں کو بیان کرو جو اس نے تم پر کی ہیں۔ دولت مند کا ادائے شکر یہی ہے کہ اللہ کے عطا کردہ حلال مال کو اللہ کا مال سمجھے۔ اللہ کے فرمان کے مطابق اپنی حیثیت کے مطابق دنیا میں رہے۔ لباس سے لے کر گھر اور سواری تک ہر چیز اپنی حیثیت کے مطابق رکھے۔ اور اگر یہی گاڑی، گھر پر وہ غرور کرے، متکبر ہو جائے تو یہ ناشکری ہے، جرم ہے۔

یہی بات قارون کو اس کی قوم نے کہی کہ مال ودولت پر غرور نہ کرو۔ یہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ پھر قوم نے اسے سمجھایا: وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿77﴾ اور جو (مال) اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے اس میں آخرت کے گھر (کی بھلائی) کی جستجو کرو اور اپنا حصہ دنیا سے (آخرت میں لے جانا) مت

بھولو اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان فرمایا ہے تم بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کرو اور دنیا میں فساد کے خواہاں مت ہو۔ بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتے۔

قوم کے نیک لوگوں نے کہا، اللہ نے تمہیں وسائل دیے ہیں، دولت کے بھرے خزانے دیے ہیں تو ان سے آخرت تلاش کرو۔ یہ دولتِ دنیا آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کے پاس ہوگی۔ اس میں سے اپنا حصّہ لینا نہ بھولو۔ دنیا میں بھی اپنا حصّہ لو۔ حلال وسائل سے کماؤ۔ جائز طریقے پر خرچ کرو اور ان وسائل کو اللہ کے حکم پر اس کے بندوں پر خرچ کر کے آخرت میں بھی اپنا حصّہ بناؤ۔ اپنے وسائل کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کر کے تم آخرت خرید سکتے ہو لہٰذا اس دولت سے آخرت تلاش کرو، اللہ کا قرب تلاش کرو۔ جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے کہ تمہیں بے پناہ دولت دی ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرو۔ ان سے نرمی سے پیش آؤ، اچھا برتاؤ کرو، لوگوں پر رحم کرو، ان کی مدد کرو۔ اللہ کی رضا حاصل کرو، اللہ کے ہاں اپنا مقام بناؤ۔ اس دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو تا کہ تمہیں آخرت سے بھی حصّہ ملے اور روئے زمین پر فساد نہ پھیلاؤ۔ اپنے طرزِ عمل سے فساد پھیلانے کا سبب نہ بنو۔

## فساد کا سبب کیا ہے؟

جہاں بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی جائے وہی فساد کا سبب بنتا ہے۔ بعض ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کسی کے پاس دولتِ دنیا ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس میں دنیا کا فساد کہاں سے آ گیا؟ یاد رہے امن اور فساد ضدین ہیں، دو مختلف باتیں ہیں۔ جہاں سے امن اٹھتا ہے وہاں فساد ہو جاتا ہے۔ فساد کو ختم کیا جائے تو امن ہو جاتا ہے۔ دو میں سے ایک حال رہتا ہے۔ ہر وہ کام جس میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی جائے وہ فساد کا سبب ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کو پتھر مارا جائے تو یہ جھگڑے کا باعث ہے لیکن بعض اوقات ہمارے منہ سے بعض جملے ایسے نکل جاتے ہیں جو بہت بڑے جھگڑے کا سبب بن جاتے ہیں حالانکہ ہم نے کسی کو گالی نہیں دی، کوئی پتھر نہیں مارا لیکن جملہ ایسا تھا، کوئی حرکت ایسی تھی کہ فساد بن گیا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارا ہر وہ جملہ، وہ حرکت اور وہ کام فساد پھیلاتا ہے جو خلافِ شریعت ہوتا ہے۔ جو شخص جتنا خلافِ شریعت چلتا ہے اتنا وہ اللہ کی زمین پر فساد کا سبب بنتا ہے اور ہمارے مزاج ایسے ہیں کہ ہم دوسروں کو ہی دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ آج میری گفتار اور میرے عمل و کردار سے میرے اردگرد امن کو تقویت ملی یا فساد کو۔ اگر کوئی صبح سے شام تک کہی گئی باتیں اور کیے گئے اعمال کا ایک دن جائزہ لے لے تو اسے پتا چل جائے گا کہ اس کی کتنی باتیں امن کی ہیں

اور کتنے شعلے فساد کے ہیں۔ افسوس! کہ ہم اپنا محاسبہ نہیں کرتے دوسروں کا احتساب کرتے رہتے ہیں۔ دوسروں کا حساب لینے کا حق اللہ کریم کا ہے۔ وہ ساری مخلوق سے حساب لے گا۔ ہمیں اس کوشش میں لگے رہنا چاہیے کہ ہم دنیا میں فساد کا سبب نہ بنیں۔ ہر گناہ فساد کا سبب ہے۔ ہر گناہ آگ کا ایک انگارہ ہے۔ کوئی بڑا انگارہ ہے کوئی چھوٹا۔ چھوٹا گناہ بھی گناہ ہی ہے۔ کبھی کسی چھوٹی سی چنگاری سے بڑے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑا انگارہ پھینکتا ہے تو اللہ بارش برسا دیتا ہے اور وہ بجھ جاتا ہے۔ توبہ اور رجوع الی اللہ کرتے رہنا چاہیے کہ توبہ ہی وہ بارانِ رحمت ہے جو گناہوں کی آگ کو سرد کرتی ہے۔

## قارون کا جرم:

قارون کا اصلی جرم یہ تھا کہ خود کو مختارِ کُل سمجھتا تھا۔ اللہ کریم کی عطا کو ذاتی حق اور ذاتی کمال سمجھتا تھا اور تکبر کرتا تھا۔ قوم نے بھلائی کا مشورہ دیا کہ اللہ کے حکم کے آگے اپنی مرضی کرنا چھوڑ دو۔ تمہاری مرضی روئے زمین پر فساد کا سبب نہ بن جائے اور یاد رکھو تمہارے پاس جو کچھ ہے اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ تمہاری مرضی کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے باز آ جاؤ۔ یقیناً اللہ کریم فساد پھیلانے والوں کو کبھی پسند نہیں فرماتے۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ بے شک مجھ کو سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ نے یقیناً اس سے پہلے، امتوں میں ایسوں کو ہلاک کر دیا جو قوت (مال) میں (بھی) اس سے بڑھے ہوئے تھے اور جمع (بھی) ان کا زیادہ تھا۔ اور مجرموں سے ان کے جرم کے بارے سوال نہ کرنا پڑے گا۔

قوم کے جواب میں قارون کہنے لگا میری دولت کے حصول میں اللہ کہاں سے آ گیا۔ یہ تو میری لیاقت تھی۔ میرے پاس ایک علم تھا، میں ایک فن جانتا تھا، میرے پاس ایک طریقہ تھا۔ اس طریقے سے میں نے خود دولت جمع کر لی۔ یہ تو میری اپنی عقلمندی اور دانش کا نتیجہ ہے تو اللہ کہاں سے آ گیا۔

## سرکشی کا انجام، ایک مثال:

کوئی شخص، بڑا ہو یا عام آدمی جب کسی کام میں کامیابی حاصل کر لے تو کہتا ہے یہ میری قابلیت، میری ہنرمندی، میری عقل و دانش کا نتیجہ ہے۔ جب کسی کام میں نقصان ہو کہتا ہے، اللہ کی مرضی۔ آدمی اپنی حیثیت میں، اپنے مقام و درجہ میں کہتا ہے لیکن کہتا یہی ہے۔ قارون دنیوی جاہ چشم میں بہت بڑھا ہوا تھا اُس نے اپنی حیثیت کے

مطابق جرم کیا۔ شیطان انسان کا ایسا کھلا دشمن ہے کہ اللہ کے نافرمانوں میں وہی باتیں وسوسہ کرتا ہے جو بڑے بڑے منکرین کی زبانوں سے نکلی ہوتی ہیں۔ چند دہائی پہلے شہنشاہ ایران بھی نہایت دولت مند بادشاہ گزرا ہے۔ اُس کے دور میں ایران نے مادّی ترقی کے میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے تھے۔ ایک مرتبہ اس کے ہاں کسی دوسرے ملک کے مہمان آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس قدر ترقی دیکھی، نظام سلطنت کی تدبیر دیکھی، شاہی تب وتاب دیکھی تو اُنہوں نے کہا، اللہ نے آپ پر بہت مہربانی کر رکھی ہے، آپ کا ملک ترقی کر رہا ہے، آپ کی حکومت بڑی مضبوط ہے، لوگ آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور ملک ترقی کر رہا ہے۔ وہ یہ جملے سن کر پیچ وتاب کھا گیا اور کہنے لگا، اس ملک کو بنانے میں ساری عمر تو میں نے کھپائی ہے اگر یہ اللہ نے کیا ہے تو پھر میں نے کیا کیا؟ یہ سب تو میری قابلیت ہے، میری حُسن کارکردگی ہے یہ اللہ بیچ میں کہاں سے آ گیا؟

میری ذاتی رائے میں اُس کا یہ ایک جملہ اس کی تباہی کا سبب بن گیا۔ اس کے اندر کا تکبر باہر آ گیا۔ منہ سے یہ جملہ نکلا تو حالات ایسے بگڑنے شروع ہوئے کہ اس مطلق العنان، متمول بادشاہ کو ملک سے بھاگنا پڑا۔ کوئی ملک اسے پناہ دینے کو تیار نہ ہوا۔ اس سے بھی عجیب تر وقت یہ آیا کہ مر گیا تو کوئی ملک اُسے اپنی سرزمین پر قبر کی جگہ دینے کو تیار نہ ہوا۔ مصر کے اس وقت کے صدر نے معزول شہنشاہِ ایراں کی بیوہ سے یہ شرط طے کروائی کہ میرے بیٹے کو اپنی بیٹی کا رشتہ دو اور تمہارے پاس جو بے پناہ زر وجواہرات اور دولت ہے اس سے اپنی بیٹی کا جہیز ہمیں دو تو میں قبر کی جگہ دیتا ہوں۔

ہمارے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ اس روش سے بچا جائے۔ جو بھلائی، خیر اور اچھائی ہے سب اللہ کی عطا ہے۔ سب اللہ کے کرم سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ فن ہے، ہنرمند ہے، دانش مند ہے تو یہ بھی اللہ ہی کی عطا ہے۔

جب قارون نے کہا کہ یہ سب تو میری ذاتی ہنرمندی کا نتیجہ ہے تو اس وقت وہ یہ بھول گیا کہ اس سے پہلے دنیا میں اس سے زیادہ دولت مند، سرمایہ دار گزرے ہیں۔ یہ تو صرف دولت مند ہے۔ اس سے پہلے ایسے سرمایہ دار گزرے ہیں جن کے پاس ملکوں کی حکومت تھی، وسیع سلطنت کے مالک تھے دولت بھی بے پناہ تھی اور طاقت بھی بے پناہ تھی لیکن جب اللہ کریم کی گرفت آئی تو ہر شئے تباہ ہو کر رہ گئی۔ کوئی ان کا نام لینے والا بھی نہ رہا۔ ان کے محل کھنڈر اور سلطنتیں ویران ہو گئیں اور وہ خود دنیا سے ناپید ہو گئے۔

## اللہ کریم ہر کام سے ذاتی طور پر آگاہ ہیں:

فرمایا: وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴿۷۸﴾ اللہ کریم کو گناہ گاروں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ

جرم کرنے والوں نے کیا جرم کیا۔ ذرا ذرا سی بات بھی اللہ کے علم میں ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں کہ کوئی اسے بتائے تو اسے معلوم ہو کہ فلاں نے فلاں جرم کیا ہے۔ اللہ کو مجرموں سے پوچھنا نہیں پڑے گا وہ اُن کو اُن سے زیادہ جانتا ہے۔ اللہ وہ باتیں بھی جانتا ہے جوان کو بھول چکی ہیں اور وہ بھی جو انہوں نے غیر شعوری طور پر کیں۔ انہیں تو اپنے جرم یاد ہی نہیں لیکن اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ ذاتی طور پر جانتا ہے۔

## بُری سوچ بُرا انجام:

جو صرف دنیا کے طالب تھے۔ جنہیں آخرت سے تعلق نہیں تھا وہ قارون کی دولت وحشمت کو دیکھ کر کہنے لگے، کاش! ہمارے پاس بھی ایسے ہی دولت ہوتی ہم بھی اس کی طرح لباسِ فاخرہ پہنتے شاندار سواریوں پر بیٹھتے۔ ہماری بھی شان وشوکت ہوتی۔ بڑی حسرت سے کہنے لگے یہ شخص کتنا خوش قسمت ہے!

محض دولتِ دنیا کا جمع ہوجانا خوش قسمتی نہیں۔ دولتِ دنیا کے ساتھ عظمتِ الٰہی کو یاد رکھنا خوش قسمتی ہے لیکن سطحی سوچ رکھنے والے صرف دنیا کے طلب گار لوگوں نے کہا: قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٧٩﴾ جو لوگ دنیا کی زندگی کے چاہنے والے تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ (مال ودولت) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے۔ واقعی وہ بہت بڑے نصیب والا ہے۔ حسرت ہے لوگوں کی اس سوچ پر جو انہیں خسارے میں دھکیل دیتی ہے!

فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿٨٠﴾ اور جن لوگوں کو دین کا علم عطا ہوا تھا وہ کہنے لگے افسوس! اللہ کا ثواب (اس دنیاوی کروفر سے) بہت بہتر ہے جو ایسے لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملتا ہے۔

وہی جنہیں علم دیا گیا تھا، انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے انعامات کا ملنا بہت بہتر ہے اور وہ موقوف ہے ایمان اور عمل پر۔ عقیدہ درست ہو اور عمل شریعت کے مطابق ہو۔ اور یہ نعمتیں ان کو ملتی ہیں جو صبر کرتے ہیں۔ یہ خوش نصیبی ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی نافرمانی سے رک جاتے ہیں۔ اس آیہ مبارک میں اللہ کریم نے ان لوگوں کو صاحب علم کہا ہے جنہیں دین کا علم حاصل تھا۔ جو لوگ عظمتِ الٰہی کا اقرار کرتے ہیں، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کا اقرار کرتے ہیں، حق کو مانتے ہیں، آخرت کو مانتے ہیں اللہ انہیں صاحب علم کہتا ہے۔ اور جو لوگ مادّی علوم تک ہی

محدود رہتے ہیں، صرف دنیا کے ہی ہو کر رہ جاتے ہیں، دنیا اور آخرت کی حقیقت کو نہیں پہنچاتے، قرآن انہیں صاحب علم نہیں کہتا۔ جو حقیقتِ اشیاء سے آشنا ہے عنداللہ وہی عالم ہے۔ مال و دولت کے حصول کے طریقے جاننا اشیاء کا علم ہے اور اس کے انجام سے باخبر ہونا حقیقتِ اشیاء کا علم ہے۔ ان اہل علم نے اُس سے کہا کہ اللہ کی فرماں برداری کا اجر ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے۔

یہ آیۂ مبارکہ خوشخبری ہے مومنین کے لیے یہ کتنی بڑی شان ہے کہ مومن کا دن رات کا پروگرام آسمانوں سے نازل ہوا۔ وحی سے نازل ہوا۔ اللہ نے قرآن میں بتادیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے اسوۂ حسنہ مومنین کے لیے مشعلِ راہ بنادیا۔ مومن کے لیے اللہ کریم نے طے کر دیا کہ عشاء کے بعد سوؤ گے فجر پر اٹھو گے۔ یہ کام کرو گے۔ ان کاموں سے بچو گے۔ اِس طرح سے کماؤ گے اور اس طرح خرچ کرو گے۔ دن بھر اللہ کے سامنے صلوٰۃ میں حاضر ہو گے اور ہمہ وقت اللہ کی یاد کو دل میں بسائے رکھو گے۔ یہ معمولی بات نہیں۔ اس میں مومن کی عظمت ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق اسے پہنچ گئی۔ اسے تنبیہہ بھی کر دی گئی کہ اللہ کی نافرمانی سے باز آجاؤ، توبہ کرو۔ مال کی زکوٰۃ دو اور گزشتہ نافرمان لوگوں کے انجامِ بد سے ڈرو تو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے تکرار شروع کر دی کہ میری دولت لوٹنے کے لیے یہ ڈھنگ بنالیا گیا ہے۔ میں نے دولت اپنی عقلمندی سے جمع کی میں کسی کو کیوں دوں؟ اس پر زمین نے اسے پکڑ لیا۔ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ۔۔۔ پس ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے گھر (محل سرائے) کو زمین میں دھنسا دیا۔ جیسے ہی زمین نے اسے پکڑا اور آہستہ آہستہ وہ زمین میں دھنسنا شروع ہو گیا تو چلّا اٹھا کہ تم نے میری دولت ہتھیانے کا یہ طریقہ نکالا ہے تاکہ میں زمین میں غرق ہو جاؤں اور تم میری دولت پر قابض ہو جاؤ۔ اللہ کریم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے محلات اور سارے خزانے اٹھا کر اس کے پر سر رکھ دو۔ فرمایا، ہم نے قارون کو اس کے خزانوں اور محلات سمیت زمین میں دھنسا دیا کہ لے جاؤ اپنے خزانے۔ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ﴿۸۱﴾ تو اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ تھی جو اس کی مدد کرتی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔

اس کا کوئی دوست، کوئی ہمدرد، مددگار، نوکر چاکر، حفاظتی گارڈ اس کی مدد نہ کر سکا اسے زمین سے دھنسنے سے نہ بچا سکا۔ اور نہ ہی وہ اس قابل رہا کہ اس کا کسی سے بدلہ لے سکے۔ بے دست و پا، بے بس ہو کر غرق زمین

ہو گیا۔ وَاَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَیَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ وہ لوگ جو کل اس کے مرتبہ کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے بس جی اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں زیادہ رزق دے دیتے ہیں۔ اگر ہم پر اللہ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتے بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو کامیابی نہیں ہوتی۔

قرآنِ کریم راہنمائی فرما رہا ہے کہ محض دولت مند ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ ہاں! حلال ذرائع سے دولت حاصل کرنا، نیکی پر خرچ کرنا، اللہ کی نعمتیں اس کے حکم کی پابندی کے ساتھ استعمال کرنا فضیلت ہے۔ ایسی نیکیاں جو امیر کر سکتا ہے وہ غریب نہیں کر سکتا۔ اللہ کا اپنا نظام ہے۔ ایک کروڑ پتی ایک لاکھ خرچ کرتا ہے اور غریب کے پاس دس روپے ہیں وہ اس میں سے ایک روپیہ خیرات کرتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے ایک روپے پر زیادہ انعام مل جائے کیونکہ اس نے تو کروڑ میں سے لاکھ سواں حصہ دیا۔ غریب نے دسواں حصّہ دیا۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کس کو کتنا نوازتا ہے۔ بات اطاعتِ الٰہی کی ہے، ایمان، عملِ صالح اور خلوص کی ہے۔

# سورۃ القصص رکوع 9 آیات 83 تا 88

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا
فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ
جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزَى الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾
اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ
جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ
الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا یَصُدُّنَّكَ
عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِیْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ
اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾

یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور (اچھا) انجام تو پرہیزگار لوگوں کے لیے ہے ﴿٨٣﴾ جو (آخرت میں) نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو جو بُرے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے ﴿٨٤﴾ بے شک جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (پر عمل اور اس کی تبلیغ کو) فرض فرمایا ہے وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (مکہ مکرمہ) میں پھر ضرور پہنچائے گا آپ ان سے فرما دیجیے میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) سچا دین لے کر آیا اور (اس کو بھی) جو واضح گمراہی میں (مبتلا)

ہے ﴿۸۵﴾ اور آپ کو (اپنے نبی ہونے سے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جائے گی مگر صرف آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (اس کا نزول ہوا) سو آپ کافروں کی ذرا تائید نہ کیجیے ﴿۸۶﴾ اور وہ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے روک نہ دیں بعد اس کے کہ وہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں اور آپ اپنے رب (کے دین) کی طرف بلاتے رہیں اور ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جایئے ﴿۸۷﴾ اور (جس طرح آپ شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو مت پکاریئے (کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں سوائے اس کی ذات کے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے ﴿۸۸﴾

# تفسیر و معارف

## جنتیوں کی صفات:

فرمایا: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ یہ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے ہم خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں نہ فساد کرنا اور (اچھا) انجام تو پرہیز گار لوگوں کے لیے ہے۔

آخرت کا گھر بہترین ہے۔ یہ دائمی گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ اس میں پریشانی نام کی کوئی شئے نہیں۔ اس کی نعمتیں لازوال ہیں۔ یہاں کے باسی ہمیشہ جوان رہیں گے، ہمیشہ خوش رہیں گے۔ وہاں کے موسم اپنے ہیں۔ نہ دنیا کی طرح سردی کہ ٹھٹھرا دے نہ گرمی کہ بے حال کر دے۔ نہ رات کا اندھیرا نہ تپتی دوپہر ہیں۔ ہر چیز پُرلذت ہے جس میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جائے گا۔

یہ گھر ان لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہے جو اپنی بڑائی میں مبتلا نہیں ہوتے اور ایسا کردار نہیں اپناتے کہ اللہ کی زمین پر فساد پھیلے۔ عظمتِ الٰہی کا اقرار کرتے ہیں، اتباع شریعت میں زندگی گزارتے ہیں اور اپنی بڑائی میں گرفتار ہو کر روئے زمین پر فساد کا سبب نہیں بنتے۔ آخرت کا گھر تو متقیوں کے لیے ہے۔ عربی وسیع المعانی زبان ہے۔ اردو کا دامن تنگ ہے لہٰذا تقویٰ کا متبادل لفظ نہیں ملتا۔ اس کے مفہوم کی وضاحت کے لیے تفصیل ضروری ہوتی ہے۔ تقویٰ

دراصل رشتہ ءالفت میں پروئے ہوئے بندۂ مومن کے قلب کی کیفیت ہے۔جس طرح دنیوی رشتوں میں ایک خاص تعلق، احترام کا تقاضا کرتا ہے اورمحبت کرنے والے اپنے بزرگوں، بھائیوں کی پسند ناپسند کے مطابق اپنے فیصلے کرتے ہیں خواہ وہ سامنے موجود ہوں یا نہ ہوں۔ان کی عدم موجودگی میں بھی یہ احترام ملحوظ رکھتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے، ایسا فیصلہ نہیں کرتے، ایسی بات نہیں کہتے جس سے اس شخص کے ناراض ہونے کا خطرہ ہو۔ یہ رشتہ جب ربّ العالمین سے بن جائے تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ بات کرتے وقت، کام کرتے وقت یہ احساس رہے کہ جو میں کر رہا ہوں کہیں اللہ کریم اس کو ناپسند نہ فرمائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے، صاحبِ تقویٰ لوگوں کے لیے نیک انجام ہے۔آخرت کا بہترین گھر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۸۴﴾ جو (آخرت میں) نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو جو بُرے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے۔

## اللہ کریم بھی ہیں اور رحیم:

اللہ کا کرم اتنا وسیع ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔فرماتے ہیں جو بھی اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرتا ہے، وہ اپنی حیثیت کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ اسے اپنی شان کے مطابق نوازتے ہیں۔کریم اتنے ہیں کہ بندے کی نیکی کو قبول کرتے ہیں تو اس کی نیکی سے کئی گنا زیادہ اجر اسے عطا فرماتے ہیں اور رحیم اتنے ہیں کہ برائی کرنے والے کو اتنی ہی سزا دیتے ہیں جتنی اس کی سزا ہے اس کی سزا کو کئی گنا بڑھایا نہیں جاتا۔

اللہ تو رحیم و کریم ہے۔اس کی رحمت کا سمندر ناپیدا کنار ہے لیکن بندے کے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ کس ذات کی نافرمانی کرتا ہے۔عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو تو پتا چلے کہ یہ نافرمانی کس کی ہو رہی ہے! اور یہ جرم کتنا بڑا ہے۔ بندہ اس کی مخلوق ہو کر، اس سے اعضاء و جوارح پا کر، اسی کا دیا کھا کر، اسی کے جہان میں، اسی کے سامنے، اسی کی نافرمانی کرے! پھر نہ کوئی گناہ چھوٹا رہتا ہے نہ نافرمانی۔

اللہ کی نافرمانی پر جو سزائیں مقرر ہیں ان کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ احادیث مبارکہ میں ان کی تفصیل موجود ہے۔مثلاً ایک رکعت (فرض نماز) کے چھوڑنے پر جہنم کے کئی غوطے دیے جائیں گے اور ایک غوطہ پچاس ہزار سال کا ہوگا۔سوچنا چاہیے کہ یہ سزائیں مقرر ہیں۔ نافرمانی کرنے والے کو مقررہ سزائیں ہی ملیں گی۔ بڑھا کر نہیں دی جائیں گی تو کیا کوئی ان سزاؤں کو جان کر بھی نافرمانی کر سکتا ہے!

اللہ نے اپنے کرم کو عام کر رکھا ہے۔ اپنی طرف آنے کے راستے کو آسان رکھا ہے۔ دین میں بہت آسانی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ آج توبہ کر لو۔ گناہ چھوڑ دو۔ باز آ جاؤ۔ میں پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں۔ اس سے بڑی رعایت کیا ہوگی!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف گناہوں کی مختلف سزاؤں کا ذکر فرمایا اور ایک مرتبہ فرمایا: ''پناہ مانگو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جُبِ حزن سے۔ عرض کی صحابہؓ نے کیا چیز ہے ''جُب حزن'' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا: ایک وادی ہے جہنم میں کہ پناہ مانگتی ہے اس سے جہنم ہر دن سو بار۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون داخل ہوگا اس میں۔ فرمایا، قاری جو اپنے عملوں میں ریا کرنے والے ہیں۔ (ترمذی)

یہ سزا ان کے لیے ہے جو دین کو دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ دنیا میں جو بڑے بڑے پیر مرشد، عالم فاضل، اعلیٰ مقرر بنے ہوئے ہیں جن کا مقصد دین پھیلانا نہیں دنیا کمانا ہے۔ جو دین کو دنیا کا ذریعہ بنائے یہ سزا اس کے لیے ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ جس نے کفر و شرک کیا۔ اللہ کو نہ مانا، دین کو نہ مانا، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کیا وہ تو جہنم میں جائے گا لیکن جس نے اس سب کو مان کر بھی اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا وہ کتنا بدنصیب ہے کہ وہ جہنم کے اس مقام پر ہوگا جس سے خود جہنم بھی لرزتا ہے۔

آخرت میں پُل صراط سے تو ہر ایک نے گزرنا ہے۔ غور کریں تو دنیا میں بھی زندگی پُل صراط پر ہے۔ ایک ایک فیصلہ جو ہم کرتے ہیں، ایک ایک جملہ جو ہم بولتے ہیں یہ ہمارا ایک ایک قدم ہے جو ہم پُل صراط پر رکھتے ہیں۔ آج ہم پُل صراط پر چل رہے ہیں۔ وہاں بھی وہی سلامت چلے گا جو یہاں سلامت چلے گا۔ وہاں ایسے لوگ ہوں گے جو بجلی کے کوندے کی طرح گزر جائیں گے۔ ایسے بھی ہوں گے جو پرندوں کی طرح گزر جائیں گے، ایسے بھی ہوں گے جو گھوڑے کی رفتار سے گزر جائیں گے۔ ایسے بھی ہوں گے کہ جب تک اعمال ساتھ دیں گے پُل صراط پر چلیں گے جہاں اعمال ختم ہو جائیں گے وہاں کٹ کر گر جائیں گے۔ یہ زندگی بجائے خود پُل صراط ہے۔ جو یہاں سنبھل کر چلا وہی وہاں بھی سنبھل کر چلے گا۔ اللہ کریم توفیق دیں اور ہم محتاط ہو کر زندگی گزاریں۔

## ہجرت کا سبب:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ۔۔۔ بے شک جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (پر عمل اور اس کی تبلیغ کو) فرض فرمایا ہے، وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (مکہ مکرمہ) میں پھر ضرور پہنچائے گا۔

یہ فتح مکہ کی پیشین گوئی ہو رہی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے محبت تھی۔ بیت اللہ سے بہت پیار تھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ شریف، مکہ مکرمہ چھوڑ کر ہجرت کیوں کرنا پڑی؟ قرآن اور قرآن کی تعلیمات کے نفاذ کے لیے ہجرت کرنا پڑی۔ قرآن پر عمل اور اس کے احکام کا نفاذ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ ٹھہرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فریضے کی ادائیگی میں وطن چھوڑا، گھر بار، جائیدادیں سب کچھ چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں قصر نمازیں پڑھیں۔ کسی صحابیؓ نے فتح مکہ کے بعد اپنی جائیداد (Claim) نہیں کی کہ یہ میرا گھر تھا، میرا باغ تھا یا میری زمینیں تھیں۔ انہوں نے سب کچھ اللہ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے مسافر کی نماز پڑھی کہ جب اللہ کی راہ میں چھوڑ دیا تو پھر چھوڑ دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام، جاںنثار صحابہؓ نے عہدِ اطاعت کیسے نبھایا؟ مکہ مکرمہ میں تیرہ برس کون سی تکلیفیں ہیں جو اُن پر وارد نہ ہوئی تھیں۔ شعبِ ابی طالب کے تین برس کی قربانیاں کبھی پڑھیں۔ پورے شہر نے مقاطعہ کر دیا تھا۔ کھانے پینے کو کچھ دستیاب نہیں تھا پرانے چمڑے جلا کر اُن کی خاک تک پھانکی تھی غذا کی جگہ۔ یہ ساری قربانیاں کس لیے تھیں؟ قرآن کی تعلیمات کے لیے، اسلام کے لیے کہ قرآن کہتا ہے بتوں کی پوجا باطل ہے تو انہیں باطل ہی ماننا ہے۔ کفار و مشرکینِ مکہ جب تکلیفیں دے دے کر تھک گئے تو اس بات پر آ گئے کہ آپ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ آپ بیت اللہ میں نمازیں پڑھیں۔ اپنی عبادات کریں لیکن ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں۔ انہیں غلط نہ کہیں۔

آج بین المذاہب ہم آہنگی پر تحریکیں چل رہی ہیں کہ سب اچھا ہے۔ بت پرستوں کے بت ٹھیک ہیں۔ مشرکین کا شرک گوارا ہے۔ شرک بھی درست، بت پرستی بھی درست۔ بتوں والوں کے بُت سچے ہیں، اللہ والوں کا اللہ سچا ہے۔ یہ ہم آہنگی کفار و مشرکین نے شروع کی تھی کہ آپ اپنے دین پر رہیں اور ہمارے ادیان کو باطل نہ کہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں وہ کہتا ہوں جو قرآن کہتا ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ وحی سے نازل ہو رہا ہے۔ قرآن ہی حق ہے۔ اسلام ہی سچ ہے باقی سب باطل ہے۔ اس سچائی کے برملا اعلان کو جرم سمجھا گیا اور اس جرم کی سزا میں ہجرت کرنے پر مجبور کیے گئے۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جلد ہی خوشخبری سنادی کہ میں جلد ہی وہ شہر آپ کے قبضے میں دے دوں گا۔

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾

آپ ان سے فرما دیجیے میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) سچا دین لے کر آیا

اور (اس کو بھی) جو واضح گمراہی میں (مبتلا) ہے۔

کفار کہتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے (معاذ اللہ) گمراہ ہو گئے اور مشرکین کہتے تھے کہ اسلام کے اعلان سے پہلے سارا شہر پُر امن تھا۔ لوگ اپنے اپنے بتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ انہوں نے آ کر امن ختم کر دیا۔ فرمایا، انہیں بتا دیجیے کہ میرا پروردگار جس نے کائنات کو بنایا ہے، جو اسے پال رہا ہے، چلا رہا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون فساد کر رہا ہے، کون گمراہی میں پڑا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ اور آپ کو (اپنے نبی ہونے سے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جائے گی مگر صرف آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (اس کا نزول ہوا) سو آپ کافروں کی ذرا تائید نہ کیجیے۔

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کیا خبر کہ آپ پر قرآن نازل ہوگا۔ یہ تو اس کی عطا ہے۔ اُس کا کرم ہے یہ اُس کا بہت بڑا احسان ہے، بہت بڑی رحمت ہے کہ اُس نے قرآن نازل فرمایا۔ صرف ایک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دنیا اور آخرت کے سارے کاموں کے لیے کافی ہے۔ ایک کلمہ سارا دین سارا عمل بیان کر دیتا ہے کہ الوہیت اللہ کے لیے ہے اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول، اللہ کے پیغمبر، اللہ کی باتیں پہنچانے والے ہیں۔ بات ختم ہو گئی۔

معبودِ برحق اللہ کیا چاہتا ہے، کس بات سے راضی ہے، کس بات پر خفا ہے یہ بتانا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ ہاں! یہ تو اُس کا احسان ہے کہ اس نے اتنی بڑی کتاب قرآن پاک اپنا ذاتی کلام نازل فرمایا۔

کلام متکلم کی کیفیات کا امین ہوتا ہے۔ ایک جملہ ایک شخص کہتا ہے اس کی کیفیت اور ہوتی ہے۔ وہی جملہ دوسرا کہتا ہے اس کی کیفیت اور ہوتی ہے۔ ہر آدمی کے اپنے اس مقام، کردار اور حیثیت کے مطابق اس میں شیرینی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی گانے والا گاتا ہے تو اس میں اور طرح کی بات ہے۔ کوئی دوسرا گاتا ہے تو لوگ واہ واہ کرتے ہیں۔ گاتا تو وہی ہے گانے والا بھی انسان ہے لیکن کہتے ہیں کہ اس کی لَے اور ہے اس نے حق ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ تقریر میں گانے میں ہر ایک کی کیفیت ہے۔ اگر بندوں کے گانے میں بندوں کی تقریر میں اثر ہے تو اس کا مطلب ہے بیان کرنے والے کی جو حیثیت ہے اس کا پَرتو بھی کلام میں ہوتا ہے۔ جب اللہ کریم کلام فرماتے ہیں تو اُن کی ذاتی تجلیات اور ذاتی حسن جمال کا پَرتو اُس میں ہوتا ہے اس نے کم وبیش ساڑھے چھ ہزار آیات جو نازل فرمائیں۔ ایک ایک جملے میں اُس کے جمال کی نرالی جھلک ہے۔ ایک ایک لفظ میں نرالی لذت ہے ایک ایک حرف میں کرم کے دریا ہیں، اللہ شعور دے اللہ استعداد دے۔ اللہ وہ توفیق دے کہ ہم اس لذت کو جان سکیں۔

ایک ایک لفظ کی لذت جُدا ہے ایک ایک آیت کا حسن جدا ہے ایک ایک جملے کی چاشنی جدا ہے اور فرمایا آپ کو تو خبر نہیں تھی۔ یہ تو اس کا احسان ہے کہ اتنی عظیم کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمائی۔ یہ اس کی رحمت ہے لہٰذا حاملینِ قرآن کو کافروں کا مددگار نہیں ہونا چاہیے۔

بھلا کون مسلمان ہوگا جو بندوق لے کر کافروں کے ساتھ کھڑا ہے؟ جب بھی کوئی کلامِ باری قول رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ کر برائی کرتا ہے تو وہ کفر کی مدد کر رہا ہے۔ جب بھی ہم قرآن کو ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ کر غلط کام کرتے ہیں تو ہم روشنی چھوڑ کر تاریکی بڑھانے میں بھی تعاون کر رہے ہیں کفر کی مدد خواہ مخواہ ہو جاتی ہے جب آپ اللہ کے دین کے خلاف کام کرتے ہیں۔ مرضیاتِ باری کے خلاف کوئی عمل ہم کرتے ہیں۔ کوئی جملہ دین کے خلاف منہ سے نکلتا ہے۔ مرضیاتِ باری کے خلاف نکلتا ہے تو غیر شعوری طور پر یہ کفر کی مدد ہو جاتی ہے تو فرمایا قرآن کے ہوتے ہوئے مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کفر کا مددگار بن جائے۔

## خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو تاکید امت کو:

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ ۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب فرما کر امت کو تاکید کی جا رہی ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی آیات، اللہ کا قرآن نازل ہونے کے بعد آپ کو اُس کی اطاعت سے روک نہ سکے۔ موت آ جائے گی۔ کوئی قتل کر دے گا۔ مار دے گا۔ ملک چھوڑنا پڑے گا۔ ہجرت ہو جائے گی تو کیا مکہ مکرمہ میں لوگ شہید نہیں ہوئے؟ لوگوں نے دین کے لیے جانیں دیں ہجرتیں کیں۔ دین کے لیے بدر میں جانیں دیں۔ احد میں جانیں دیں۔ جہاد کرتے رہے اور قیامت تک جہاد جاری رہے گا۔ جان دینے کا مقصد قرآن کا نفاذ ہے۔ تو فرمایا! دنیا کی کوئی طاقت آپ کو نزولِ قرآن کے بعد اس پر عمل کرنے سے نہ روک سکے اور نہ آپ کو اُس کی طرف بلانے سے روک سکے وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴿۸۷﴾ اللہ کی طرف دعوت دیتے رہو دین کو چھپا کر رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ دین کافر اور مشرک کے لیے بھی دین ہے کہ اسے دعوت دی جائے اس کے لیے بھی اللہ کی بارگاہ کا دروازہ کھلا ہے وہ بھی آ جائے۔ اسلام پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ مخلوقِ خدا کے لیے ہے اُس تک بات پہنچاتے رہو۔ وہ چاہتا ہے تو وہ بھی حق کی چھاؤں میں آ جائے وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔۔۔ اور (جس طرح آپ شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو مت پکاریے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو لائق عبادت سمجھا جائے۔ عبادت رکوع سجود ہی نہیں ہوتا۔ امیدیں وابستہ کرنا ہوتا ہے۔ فرمایا، اللہ کو چھوڑ کر کسی سے امیدیں وابستہ نہ کرو۔ اللہ کے مقابلے میں

کسی کو اپنا معبود نہ بنالو۔ جو وسائل اللہ نے دیے ہیں اور جس طرح اُس نے حکم دیا ہے ان وسائل کو اُس طرح اختیار کرو۔ عربی کا ایک مقولہ ہے: (1) بِئسَ الفَقِيْرُ عَلىٰ بَابِ الْاَمِيْرِ بہت ہی بُرا ہے وہ فقیر جو امیروں کے دروازے پر بھٹکتا پھرتا ہے۔ عالم بنا ہوا ہے، شیخ بنا ہوا ہے، پیر بنا ہوا ہے اور دنیا کے پیچھے دھکے کھاتا پھرتا ہے۔

(2) وَنِعْمَ الْاَمِيْرَ عَلىٰ بَابِ الْفَقِيْرِ اور کتنا اچھا ہے وہ امیر آدمی جو فقراء کے دروازے پر جاتا ہے۔ اس کے پاس اختیارات ہیں دولت ہے آسائش ہیں لیکن پھر وہ اہل اللہ کے دروازے پر جاتا ہے۔ فرمایا، اللہ سے ساری امیدیں رکھو۔ اپنی حاجات پوری کرنے والا سمجھ کر کسی کی غلامی نہ کرو۔ اللہ کے سوا کوئی اس لائق ہے ہی نہیں کہ اسے معبود سمجھا جائے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۸۸﴾ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں سوائے اس کی ذات کے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے۔ یہ جو بڑا تنازعہ چلا آ رہا ہے علما کے مابین وحدۃ الوجود کا اور مدت ہوگئی امت کو اس پر بحثیں کرتے، یہ بات کچھ بھی نہیں تھی بات یہی تھی كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔۔۔ سوائے اللہ کی ذات کے مخلوق ساری نے تباہ ہونا ہے۔ موت کے گھاٹ اترنا ہے، فنا ہونا ہے اور وہیں سے یہ بات نکلی جسے وحدتُ الوجود کہتے ہیں کہ حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے باقی سارے وجود اس کے قائم رکھنے سے قائم ہیں جب وہ مٹادے گا مٹ جائیں گے۔ بات اتنی سی تھی۔ لوگوں نے اُس سے بھٹک کر اسے بنالیا کہ ہر وجود ہی اللہ ہے، ہر وجود باقی رہنے والا ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں تھی بات یہ تھی كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔۔۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذات باری کے۔ وہ ایک حقیقی وجود ہے جس پر فنا نہیں ہے جس کی ابتدا نہیں ہے۔ جس کی انتہا نہیں ہے جو ہمیشہ سے ہے جو ہمیشہ کے لیے ہے۔ باقی وجودوں کی ابتدا بھی ہے انتہا بھی ہے۔ بنے بھی ہیں مٹ بھی جائیں گے لہٰذا اس کے مقابلے میں اُن کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے اس کو حدت الوجود کہا گیا ہے کہ حقیقی وجود اللہ ہے باقی سب عارضی ہیں اور لوگ بھٹک گئے۔ اس کا معانی الٹ گیا اور کہا کہ سارے وجود اللہ ہی ہیں اور ہر کوئی خدا ہے۔ پھر اس کی اصلاح کی گئی اور اسے وحدت الشہود کہا گیا کہ ہر وجود عظمتِ الٰہی پر گواہ ہے ایک ہی گواہی ساری کائنات دے رہی ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے اور یہ بھی یاد رکھو کوئی ذرہ، کوئی پتا نہیں ہلتا اس کے حکم کے بغیر جو کچھ کر رہا ہے وہی کر رہا ہے۔ وہ واحد لاشریک ہے وہ واحد مالک ہے، خالق ہے، قادر ہے، پروردگار ہے۔ اُسی کا حکم ہر جگہ نافذ و جاری ہے۔ خواہ اس کے ذرائع کچھ بھی نظر آئیں۔ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑا غور کیا کہ ہر کام سبب کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ کرتے اللہ ہی ہیں لیکن ہر کام کا سبب پیدا کر دیتے ہیں اُس سبب کے نتیجے میں کام ہوتا ہے۔ بھاپ بنتی ہے بادل بنتے ہیں بارش ہو جاتی ہے۔ بیج ڈالتے ہیں کھیتی کو ہل چلاتے ہیں محنت کرتے

ہیں بارش ہوتی ہے فصل ہوجاتی ہے۔ ہر چیز کے پیچھے کوئی سبب ہے۔ فرمایا بہت سوچا، غور کیا پھر مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ ذاتی طور پر ہر کام کو اللہ جل شانہٗ اپنی ذات سے کرنے لگیں تو ہر چیز فنا ہوجائے۔ تجلیاتِ ذات کو برداشت کرنے کی جرأت کسی میں نہیں لہٰذا وہ سبب بنادیتے ہیں اور سبب کے نتیجے میں چیزیں ہوتی ہیں۔ فرمایا، تمہیں اسباب نظر آتے ہیں حقیقت میں حکم اسی کا چل رہا ہے جو ہورہا ہے اُسی کا ہے وہی کررہا ہے اور جو نہیں ہورہا اسے اسی نے روکا ہوا ہے۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۸۸ اور یہ پکی بات یاد رکھو کہ ہر ایک کی واپسی اُسی کی بارگاہ میں ہے۔

ایک ٹی وی مذاکرے میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ اللہ کریم نے جزا سزا کا نظام کیوں بنادیا؟ کچھ لوگ انعام پائیں گے کچھ کو عذاب ہوگا تو جنہوں نے اطاعت نہیں کی انہیں فنا کردیا جاتا عذاب نہ دیا جاتا تو کیا حرج تھا؟ عذاب دے کر اللہ کریم نے کیا کرنا ہے، اللہ کو کیا مل جائے گا؟ یہ ہمارے اس عہد کی سوچ اور جدید دور جس کو ہم روشنیوں کا دور کہتے ہیں اس کی تاریکیاں ہیں آج کی روشنیاں بھی اندھیروں سے بھری ہوں تو میں نے اسے عرض کیا کہ میرے بھائی کوئی ایسا کام جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو اس کا کرنا کیسا ہے؟ آپ اسے فضول کہیں گے کہ جس کام کا کوئی نتیجہ ہی نہیں وہ کیوں کیا جائے؟ تو جب کوئی بندہ ایسا کوئی کام نہیں کرتا جس کا نتیجہ نہ ہو تو اللہ سے کیوں امید رکھتے ہو کہ وہ ایسا کام کرے جس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ نیکی کا نتیجہ ہے تو برائی کا بھی نتیجہ ہے ہر کام کا نتیجہ تو ہوگا تو اللہ کریم عذاب دے کر خوش نہیں ہوتے۔ ارشادِ باری ہے: وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ۔۔۔ اور ہم نے ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ اللہ کو تو یہ زیبا ہی نہیں کہ ان پر زیادتی کرے وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔۔۔ (ھود: 101) انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا وہ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں جس طرح نیک نیکی کرکے اپنے لیے اجر پیدا کرتا ہے۔ اس طرح بدکار کی برائی کا بھی نتیجہ تو ہونا چاہیے۔ جب دنیا میں ہی بتادیا گیا کہ برائی کا نتیجہ عذاب ہے تو بندے کو چاہیے کہ وہ عذاب نہ خریدے۔ یہ اس دور کے جو ہمارے بے مہار اذہان ہیں ان کی مصیبت ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے اور اللہ قرآن کریم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر یقین کامل اور توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔

# سورۃ العنکبوت رکوع 1 آیات 1 تا 13

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ
مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٤﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٥﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ
عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ وَوَصَّيْنَا
الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ
كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ
اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿١١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ
شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ

اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

الٓمّٓ ﴿۱﴾ کیا لوگوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ وہ ایمان لے آئے ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو آزمایا جائے گا ﴿۲﴾ اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں سو اللہ (ظاہری علم میں) ان لوگوں کو جان کر رہیں گے جو (ایمان کے دعوے میں) سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہیں گے ﴿۳﴾ کیا جو بُرے کام کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔ ان کی یہ بات بہت ہی بے ہودہ ہے ﴿۴﴾ جو اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا (مقرر کیا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿۵﴾ اور جو شخص محنت کرتا ہے تو یقیناً اپنے ہی (فائدے کے) لیے محنت کرتا ہے۔ بے شک اللہ تو سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں ﴿۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ہم ان کے گناہوں کو ضرور ان سے دُور کر دیں گے اور ان کو ان کے کام (اعمال صالحہ) کا (ان کے استحقاق سے) ضرور اچھا بدلہ دیں گے ﴿۷﴾ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تم سے اس بات کی کوشش کریں کہ تم ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہراؤ جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں (نہ ہو سکتی ہے) تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے تو میں تم سب کو تمہارے سارے کام (نیک اور بد) بتا دوں گا ﴿۸﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ضرور ان کو نیک بندوں میں داخل کر دیں گے ﴿۹﴾ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کو ایذا رسانی کو ایسا (بڑا) سمجھ لیتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب۔ اور اگر کوئی مدد آپ کے پروردگار کی طرف سے آ پہنچتی ہے تو اُس وقت کہتے ہیں بے شک ہم تو (دین اور عقیدے میں) تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ کو دنیا بھر والوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں؟ ﴿۱۰﴾ اور اللہ ضرور ان کو بھی معلوم

کریں گے جو (سچے) مومن ہیں اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہیں گے ﴿۱۱﴾
اور کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے راستے پر چلو اور ہم تمہارے
گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا کچھ بوجھ بھی اٹھانے والے نہیں۔
بے شک وہ جھوٹے ہیں ﴿۱۲﴾ اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے
بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی اور جو بہتان یہ باندھتے رہے،
قیامت کے روز اس کے بارے ان سے ضرور پوچھا جائے گا ﴿۱۳﴾

# تفسیر و معارف

سورۃ العنکبوت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مکی اور مدنی سورتوں میں یہ فرق ہے کہ مکی سورتوں میں عقائد پر زیادہ بحث کی گئی ہے گو اعمال کی بات بھی جاری رہتی ہے۔ البتہ مدنی سورتوں میں زیادہ بحث احکام اور اوامر و نواہی پر ہے اگرچہ مدنی سورتوں میں عقائد کی بات بھی ہوتی ہے۔

## حروفِ مقطعات:

الٓمّٓ ① حروفِ مقطعات ہیں جو پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکے ہیں اور ابھی اگلی سورتوں میں بھی آئیں گے۔ ان کے معانی و مفاہیم کیا ہیں؟ اللہ و رسولہٗ اَعْلَمُ، اللہ بہتر جانتے ہیں یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ان کا پڑھنا تلاوت کرنا ضروری ہے کہ اگر چھوٹ جائیں تو تلاوت مکمل نہیں ہوگی۔ یہاں سے علمانے اخذ فرمایا ہے کہ اگر قرآن کا ترجمہ نہ بھی آتا ہو مفہوم سمجھ میں نہ بھی آتا ہو تب بھی اس کی تلاوت باعثِ ثواب ہے۔ ان کا اثر دلوں تک پہنچتا ہے اور دلوں کو روشن بھی کرتی ہے۔ حروفِ مقطعات کے معنی ہمیں نہیں آتے لیکن ہم ان کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کی برکات و فیوضات اللہ کریم عطا فرماتے ہیں۔ قرآن کے معنیٰ جاننا اور سمجھنا بہت بڑی سعادت ہے اور اس پر عمل کرنا اصل مقصد ہے لیکن اگر معنیٰ نہ بھی آتے ہوں تو بھی تلاوت اپنا فائدہ دیتی ہے۔ تلاوتِ قرآن سے اصلاحِ احوال ہوتی ہے دل روشن ہوتا ہے، ایمان تازہ ہوتا ہے۔

## ایمان کو پرکھا جائے گا:

فرمایا: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② کیا لوگوں نے یہ

سوچ رکھا ہے کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ وہ ایمان لے آئے ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا!

فرمایا، لوگوں کا عجیب مزاج ہے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں تو بات ختم ہو گئی، اب ہم پر آسانیاں ہی آسانیاں اور آسائش ہی آسائش ہونی چاہیے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ایسا نہیں ہو گا جب تم دعویٰ کرو گے کہ ہم ایمان لائے تو تمہارے ایمان کو آزمایا بھی جائے گا، پرکھا جائے گا۔ اس لیے نہیں کہ اللہ نہیں جانتے، اللہ تو جانتے ہیں۔ کل روزِ محشر جب تم بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہو گے تو تمہیں بتایا جائے گا کہ تمہارا دعویٰ تو ایمان کا تھا اور کردار یہ تھا۔ ایمان بچانے کے لیے ذرا سی تکلیف آئی تو تم ہار گئے، تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

## ایک سوال اور اس کا جواب:

آج کل تو حالات اس سے بہت آگے جا چکے ہیں۔ اب تو لوگ دعویٰ اسلام کے ساتھ کوئی حرج نہیں سمجھتے خواہ کردار کافروں سے بھی بدتر ہو۔ جھوٹ بولو، لوگوں کو حرام کھلاؤ، نقلی دوائیں، نقلی چیزیں لوگوں کو بیچو اور لوگوں کو تباہ کرو صرف دولت کمانے کے لیے۔ اس سب کے ساتھ دعویٰ اسلام بھی ہے اور اُن برکات کے نزول کی اُمید بھی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نازل ہوئیں۔ یہ سوال بھی پوچھا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں صرف مسلمانوں کا ہی لہو بہہ رہا ہے اُنہی پر مصائب توڑے جا رہے ہیں، اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آج ہم اسلام کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور اُن برکات کی اُمید بھی رکھتے ہیں جو صحابہؓ پر نازل ہوئیں لیکن ہم اپنے کردار کو نہیں دیکھتے۔ ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھیں کہ اسلام کی شان کیا ہے، اسلام کیا ہے؟ مکہ مکرمہ میں نزول وحی ایک ذاتِ بابرکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، پھر ایک خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول کیا اور مردوں میں پہلے مسلمان ہو گئے۔ بچوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ گویا ساری آبادی میں ابتداً یہ چار حضرات، دو مرد، ایک خاتون اور ایک بچہ مسلمان تھے جبکہ روئے زمین کی انسانی آبادی کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ کیا ان نفوسِ قدسیہ نے کوئی سمجھوتہ کیا؟ نہیں! وہ اُسی پر قائم رہے جو اللہ کا حکم تھا۔ اسلام پھیلتا گیا لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ مکہ مکرمہ میں کون سی ایسی تکلیف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر نہیں آئی۔ شعب ابی طالب میں گزارے تین سال مسلمانوں کے لیے کتنے سخت تھے کس قدر مصائب کا سامنا تھا، کتنے دکھ تھے دشمن کا خطرہ تھا۔ فاقہ کشی تھی، پانی کی کمی تھی ہر طرح کی تکلیف کا سامنا تھا۔ اس کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں گزارے سال اسی مصیبت میں گزرے حتیٰ کہ شہر چھوڑنا پڑا۔ گھر اور جائیدادیں چھوڑنی پڑیں، دنیا کا سب کچھ

چھوڑ دیا لیکن انہوں نے ایمان اور اسلام کو نہیں چھوڑا۔

آج ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حلیے سے لے کر کردار تک، ہمارا کوئی کام اسلام کے تابع نہیں ہے جبکہ وہ مسلمان تعداد میں کم تھے، طاقت کے اعتبار سے کمزور تھے، دولت ان کے پاس تھی ہی نہیں لیکن اسلام اور اسلام کے احکام پر وہ جمے ہوئے تھے۔ اُن کا طرزِ حیات اسلامی تھا، اُن کا حلیہ اپنا تھا، اُن کے لباس اپنا تھا، طرز زندگی اپنا تھا، عبادات اپنی تھیں۔ اُن کے نظریات سے لے کر کردار تک ایک ایک چیز قرآن وسنت کے مطابق تھی۔ ہمارا کیا ہے قرآن وسنت کے مطابق؟ لباس اور حلیے سے لے کر کردار تک میں ہم نے کفار کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا حلیہ اور لباس کافروں جیسا ہو۔ ہمارا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، گفتگو کا انداز بھی اُن جیسا ہو اور اس سب پر ہم اسلام سے بھی چمٹے ہوئے ہیں، نماز بھی کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں۔ دولت کے معاملے میں ہم کافروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یاد رہے جو کسی کے پیچھے چلتا ہے اُسے انگریزی میں Follower کہتے ہیں اور Follower رہبر یا لیڈر تو نہیں بن سکتا۔ پیچھے چلنے والا امام نہیں بن سکتا۔ جب مسلمانوں نے کافروں کے پیچھے چلنا شروع کیا تو پھر سربراہی اور قیادت کافروں کے پاس ہے وہ انہیں ماریں یا زندہ رکھیں بھوکا رکھیں یا کھانا دیں، ذلیل کریں یا عزت دیں یہ اُن کی مرضی ہے۔

فرمایا، لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم کہہ دیں گے کہ ہم مسلمان ہیں تو ساری برکات اور رحمتیں، ہر چیز ہم پر بارش کی طرح برسنے لگ جائے گی۔ بھئی ایسا نہیں ہوگا بلکہ آپ کی مسلمانی کو پرکھا جائے گا تاکہ خود آپ کو بھی اندازہ ہو سکے کہ آپ کتنے مسلمان ہیں۔ اللہ کریم تو جانتے ہیں، پرکھ کر جاننے کے محتاج نہیں ہیں۔ سو مشکلات آئیں گی، مصیبتیں آئیں گی آزمائش آئے گی اور ایک ایک کام پر جانچا جائے گا کہ کیا واقعی مسلمان ہو یا رسماً مسلمان ہو۔

فرمایا: وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔ اور یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے بھی تاریخِ انسانیت میں جتنے لوگ گزر چکے ہیں، سب کی آزمائش ہوئی ہے۔ جنہیں سب سے بہتر سمجھتے ہیں، اُن کی آزمائش بہت زیادہ ہوئی۔

اُمت کے سب سے اعلیٰ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے اُن کی آزمائش سب سے زیادہ ہوئی۔ اُنہیں آزمایا گیا اُن پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے لیکن وہ عجیب لوگ تھے کہ انہوں نے لا الہ الا اللہ صرف زبانی نہیں کہا تھا بلکہ وہ بات ان کے نہاں خانۂ دل میں اتر گئی تھی۔ الفاظ میں ایک کیفیت ہوتی ہے جو دل میں بس جاتی ہے۔ وہی مقصد ہوتی ہے، خالی الفاظ مقصد نہیں ہوتے۔

مکہ مکرمہ میں اسلام کی پہلی شہید، ایک خاتون حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے گھر کے چاروں افراد

کو ابو جہل ظلم و ستم کا نشانہ بناتا رہتا۔ گلی میں رسیوں سے باندھ کر لِٹا دیتا اور مارتا پیٹتا۔ بالآخر ایک دن کہنے لگا کہ تم ایک بوڑھی عورت ہو اور میں اس وادی کا سردار ہوں میں تمہیں مار مار کر تھک گیا ہوں۔ تم مسلمان ہی رہو لیکن میرا بھرم رکھنے کے لیے زبانی ہی کہہ دو کہ تم اللہ کو نہیں مانتی، بتوں کو مانتی ہو کہ آخر لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ اُن کا جواب تھا کہ وہ (اللہ) ایک ہے یہ صرف میرے ماننے کی بات نہیں ہے وہ ہے ہی ایک تو میں کیسے کہہ دوں ایک نہیں ہے۔ یعنی توحید کا اقرار کرنے کی کیفیت دل میں بس چکی تھی۔ وہ کہتی تھیں میں اس حقیقت کا انکار کیسے کر دوں۔ جو میرے سامنے ہے جسے میں پا رہی ہوں وہ ہے ہی واحد و لاشریک تو میں کیسے انکار کر دوں بالآخر شہید ہو گئیں۔ حالانکہ شریعت میں گنجائش موجود ہے کہ اگر کافر کے ہاتھوں قتل ہونے کا، موت کا خطرہ ہو تو دل میں ایمان کو مضبوط رکھو اور زبانی اس کافر کی بات مان لو۔ اس سے تمہارا ایمان ضائع نہیں ہوگا۔ حضرت سُمیّہ رضی اللہ عنہا یہی کہتی رہیں کہ جب وہ ہے ہی ایک تو میں کیا کروں یعنی ایمان ان کے دل میں یوں جم چکا تھا کہ آپؓ اس کے سوا کچھ کہہ نہیں پائیں۔ اسلام اسی کیفیت کا نام ہے۔ ہماری چونکہ زباں پہ رہتا ہے، دل میں نہیں اترتا اسی لیے ہم دنیوی مفاد کے لیے کافروں کے حلیے سے لے کر کردار تک کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا حاصل کرنے کے لیے اُن جیسے کام کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات کافر بھی وہ کام نہیں کرتے جو ہم کر گزرتے ہیں تو پھر یہ کون سا اسلام ہے؟

فرمایا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں ان کی بھی آزمائش کی گئی۔ فرمایا: فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۞ اللہ کریم نے سچوں اور جھوٹوں کو الگ الگ کر دیا، ظاہر کر دیا، ان کو بھی علم ہو گیا۔ اللہ کریم تو جانتے ہی ہیں خود لوگوں کو بھی پتا چل گیا کہ وہ اپنے دعوے میں کتنے سچے ہیں۔ سیّد عطا اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ زندگی تو فرعون کی چاہتے ہیں لیکن موت (انجام) موسیٰ علیہ السلام کی چاہتے ہیں کہ زندگی میں تو فرعون کی طرح موجیں کریں اور جب موت آئے تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح ملے۔ فرمایا ایسا تو نہیں ہو سکتا جیسی زندگی تھی موت بھی ویسی آئے گی۔

## مجرموں کی غلط فہمی:

فرمایا: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا۔۔۔ کیا جو بُرے کام کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔ جو لوگ جرائم کرتے ہیں یا برائی کرتے ہیں اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی نہیں پکڑے گا يَّسْبِقُوْنَا۔۔۔ ہماری گرفت سے نکل جائیں گے۔ آج وطنِ عزیز میں بھی برائی حد سے بڑھ گئی ہے۔ لوگ چند سکّوں کے لیے انسانیت کو تباہ کر رہے ہیں۔

گوشت میں حرام گوشت ملایا جا رہا ہے مُردار کھلایا جا رہا ہے۔ گاڑیوں میں ڈالنے والا تیل تک نقلی بیچا جا رہا ہے۔ بریک آئل نقلی بنایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں حادثات ہوتے ہیں۔ لوگ مرتے ہیں۔ نقلی تیل سے گاڑیوں کے انجن خراب ہو جاتے ہیں اور لوگوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح قیمتی ادویات بھی نقلی بنائی جا رہی ہیں۔ مریض کے پیسے بھی لگتے ہیں لیکن دوا اثر نہیں کرتی اور وہ بے چارہ مر جاتا ہے۔ یہ کون سی مسلمانی ہے؟ فرمایا جرائم کرنے والے کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری گرفت سے نکل جائیں گے؟ فرمایا: سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ان کی یہ سوچ بہت ہی غلط ہے، بہت ہی برا سوچتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنے کردار کا جواب دینا پڑے گا۔

## یہ ہے مومن کی زندگی:

فرمایا: مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۔۔۔ جو کوئی یہ اُمید رکھتا ہے کہ اسے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور وہ بلوغت سے لے کر موت تک اس ملاقات کی تیاری میں رہتا ہے تو درحقیقت یہی مسلمانی ہے۔ دنیا میں کسی بڑے عہدیدار سے ملنا ہو تو کتنا اہتمام کیا جاتا ہے، کتنی تیاری کی جاتی ہے کہ لباس ٹھیک ہو، حلیہ درست ہو، ماحول ٹھیک ہو۔ جسے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے وہ کتنی تیاری کرے گا؟

فرمایا، ایمان یہ ہے کہ مومن ساری زندگی وصالِ الٰہی کی امید پر جیتا ہے کہ کیا خبر کس لمحے وہ وقت آ جائے اور مجھے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، اللہ سے ملاقات کرنی ہے۔ فرمایا، جو ہماری ملاقات کی امید رکھتے ہیں یقین رکھیں کہ اللہ کا وعدہ آنے والا ہے۔ اللہ نے ہر ایک کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ جب تمہاری باری آئے گی تمہیں بھی بُلا لیا جائے گا۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کافر کے لیے جو بہت خوفناک نظر آتی ہے وہی موت جب مومن پر آتی ہے تو اس کے انتظار کی گھڑیاں ختم کر کے اللہ سے ملاقات کروا دیتی ہے۔ موت مومن کے لیے حضوری کی گھڑی اور نویدِ مسرت ہوتی ہے۔

کسی بزرگ نے کہا تھا 'اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ' کہ یعنی موت وہ پُل ہے جو عاشق کی محبوب سے ملاقات کرا دیتا ہے، موت وہ پُل ہے جو دوست کو دوست کی بارگاہ میں پیش کر دیتا ہے۔ بندے کو اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دیتا ہے۔ گویا مومن کی زندگی اس طرح گزرتی ہے کہ وہ ہر لمحہ حضورِ حق میں پیش ہونے کے لیے تیار رہتا ہے۔

## اللہ کریم سننے والے جاننے والے اور بے نیاز ہیں:

فرمایا: وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑤ وہ قادرِ مطلق سنتا بھی ہے، جانتا بھی ہے۔ ساری باتیں جو کہی جاتی ہیں اُن کو بھی سنتا ہے اور جو نہیں کہی جاتیں، سینوں میں چھپی ہیں، اُن کو بھی جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کون اُس سے ملاقات کے لیے تیاری میں ہے اور فرمایا: وَمَنْ جَاهَدَ ۔۔۔ بعض لوگ بڑا مجاہدہ کرتے ہیں، بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو ایک رات میں ہزار رکعتیں پڑھتے ہیں، بعض تلاوت میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں قرآن کریم کو ساتھ ساتھ لیے رکھتے ہیں جہاں فرصت ملی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بعض لوگ تسبیحات میں مصروف رہتے ہیں۔ لوگ بہت نیک کاموں میں مجاہدہ کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، محنت کرتے ہیں، سو جو مجاہدہ کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ پر احسان کر رہے ہیں یا اللہ کے دین پر احسان کر رہے ہیں۔ فرمایا: فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۭ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑥ جو شخص محنت کرتا ہے تو یقیناً اپنے ہی (فائدے کے) لیے محنت کرتا ہے۔ بے شک اللہ تو سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں۔

اللہ کریم ان کے سجدوں اور سخاوت کا محتاج نہیں ہے بلکہ دین دار جو مجاہدے کرتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کو ہوتا ہے، وہ اپنے لیے کرتا ہے۔ اسے یہ خیال کبھی نہیں آنا چاہیے کہ میں نے بڑی قربانیاں دیں اس لیے کہ مجاہدے کی توفیق، محنت کی، خرچ کرنے کی توفیق اللہ کریم نے دی تو اُسے چاہیے کہ اللہ کریم کا مزید شکر کرے کہ اُس کی دی ہوئی توفیق سے وہ اپنے لیے خزانے جمع کر رہا ہے۔ اللہ پر یا اللہ کے دین پر احسان نہ کرے، اس غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہ ہو کہ میں نے دین پر بڑا احسان کیا ہے۔ یہ باتیں تو دنیا داروں کی ہیں کہ کام اپنے مفاد کے لیے کرتے ہیں اور احسان دوسروں پر جتاتے ہیں۔

سو فرمایا بندہ جو بھی مجاہدہ کرتا ہے، خرچ کرتا ہے، جہاد کرتا ہے، یہاں تک کہ جاں بھی دے دیتا ہے تو اس نے اپنے لیے دی کہ اللہ تمام جہانوں سے مستغنی ہے، وہ محتاج نہیں ہے۔ اُسے کسی کے سجدوں کی احتیاج نہیں ہے۔ روئے زمین پر بسنے والی ساری انسانیت اگر کفر اختیار کرلے تو اُس کی عظمت میں رائی برابر فرق نہیں آتا اور سارے انسان ولی اللہ ہو جائیں تو اس کی عظمت بڑھتی نہیں ہے۔ وہ مخلوق کی احتیاج سے بالاتر ہے، مخلوق کا محتاج نہیں ہے۔ اُسے کسی کے مجاہدوں کی، کسی کی تقریروں کی، کسی کے سجدوں یا اعتکاف کی، کسی کی نیکیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کوئی اگر کچھ کرتا ہے اپنے لیے کر رہا ہے۔

## ایمان اور صالح کردار پر اللہ کی عطا:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یعنی یا اُن کا عقیدہ بھی درست ہوتا ہے اور اعمال بھی صحیح ہوتے ہیں کردار بھی پاکیزہ ہوتا ہے لیکن انسان ہونے کے ناتے اُن سے بھی بھول چوک ہو جاتی ہے۔ اس عالمِ آب وگِل میں رہتے ہیں، فرشتے نہیں ہیں بنی آدم ہیں، اُن سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، خطائیں ہو جاتی ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنا عقیدہ درست کر لیا اور کردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ڈھال لیا اس پر تو اللہ تعالیٰ ایسا کرم فرماتے ہیں کہ: لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۔۔۔ ہم اُن کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ گویا عبادات اور مجاہدے کرنے کے بعد، جہاد اور سخاوت کر کے بھی انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں تو فرمایا کہ ہم اس کے مجاہدے کے محتاج نہیں بلکہ ہمارا کرم تو اس کو تھام لیتا ہے۔ اس سے جو خطائیں ہوتی ہیں اُن کو معاف کر دیتے ہیں۔ فرمایا: وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ اور جو کچھ اس نے کیا ہے، اُس کے اعمال صالحہ کا ان کے استحقاق سے بہت زیادہ اجر، بہت زیادہ معاوضہ، بہت زیادہ انعام دیں گے۔ اللہ مستغنی ہے، انسان بہرحال محتاج ہے۔

## والدین سے حُسنِ سلوک:

فرمایا: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۔۔۔ ہم نے انسان کو اپنے والدین سے حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

دنیا میں سب سے قریب تر، محبوب تر رشتہ اور سب سے قابلِ احترام رشتہ والدین کا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے خود والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک، عزت واحترام اور اُن کے احکام کی بجا آوری کا حکم دیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (بنی اسرائیل:23) کبھی زبان سے والدین کی پسند کے خلاف کوئی لفظ نہ نکالو۔ اُردو زبان میں بھی ایک محاورہ ہے 'اُف تک نہ کرو' لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیزیں اُنہیں پسند نہ آئیں، جو باتیں اُنہیں تکلیف دیں، جو لفظ سُن کر وہ بیزار ہوں، ایسا کوئی لفظ منہ سے نہ نکالو۔ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا ۔۔۔ یہ بھی مت کرو کہ زبان سے خوشامد کرتے رہو اور دل سے اُکتا جاؤ کہ یہ بڑھیا، بوڑھا مرتے بھی نہیں۔ فرمایا، ایسا مت کرو، دل میں اُکتاہٹ نہ آئے۔ والدین انسان کو دنیا میں لانے کا سبب بنے، اس کو بچپن میں، محتاجی میں پالا کتنی محنت سے جوان کیا۔ انسان کا بچہ پالنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ جب جوان ہو گیا تو اب وہ والدین سے نفرت کرنے لگے یا انہیں جھڑکنے لگے، ہرگز نہیں۔

غزوۂ بدر میں ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے باپ کے مقابلے میں جاؤں اور میں اُسے قتل کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرے لیے دنیا میں آنے کا سبب بنا ہے، تو اس کے دنیا سے جانے کا سبب نہیں بن سکتا۔ عبداللہ ابن اُبی نے ایک دفعہ یہ بات کہی کہ ذلیل لوگ ہمارے شہر میں آ گئے ہیں ہم واپس مدینہ پہنچیں گے تو ہم انہیں شہر سے نکال دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس نے انکار کر دیا کہ اُس نے ایسا کچھ نہیں کہا، جواب میں قرآن کی آیات نازل ہو گئیں کہ اس نے یہی کہا ہے۔ عبداللہ ابن ابی کے بیٹے سچے اور پکے مسلمان تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں اس کا سر اُڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، فرمایا جیسا بھی ہے تمہارا باپ ہے تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔

فرمایا، والدین اگر کافر بھی ہوں تو بحیثیت والدین تمہیں اُن کی عزت کرنا ہوگی البتہ جب بات اللہ پر ایمان کی آئے تو وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔۔۔ اگر والدین بھی زور لگائیں کہ اسلامی نظریہ چھوڑ دو، اسلامی عقیدہ چھوڑ دو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ، غیر اسلامی نظریات اپناؤ تو ان باتوں میں ہرگز اُن کی اطاعت مت کرو۔ اُن کی خدمت کرتے رہنا گستاخی نہ کرنا، انہیں تکلیف نہ دینا لیکن اللہ پر ایمان کے معاملے میں اُن کی بات نہ ماننا۔ عقیدہ وہی ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، کسی اور کی کیا حتیٰ کہ والدین جنہوں نے پالا پوسا ہے، اس معاملے میں اُن کی بھی اطاعت نہیں ہوگی۔

اب تو ایسا دور آ گیا ہے کہ مغرب کی طرح یہاں بھی لوگ والدین کو اولڈ ہوم (Old Home) میں چھوڑ آتے ہیں اور عید پر بھی کم ہی ملنے جاتے ہیں۔ خود بچے بڑے امیر بنے ہوتے ہیں، بڑی گاڑیاں رکھی ہوتی ہیں، محلات میں رہتے ہیں لیکن ماں یا ماں باپ لوگوں کی خیرات اور زکوٰۃ پر پل رہے ہیں کہ Old Homes عموماً لوگوں کی زکوٰۃ اور خیرات پر چلتے ہیں۔ بیٹا قیمتی گاڑیوں میں گھوم رہا ہے، شاندار محل میں رہتا ہے اور والدین اولڈ ہوم میں رہتے ہیں۔ سو جو لوگ ماں باپ کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں انہیں کیا خبر کہ ماں باپ کی بات ماننی چاہیے یا مانی جائے۔

## سب کو لوٹ کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے:

فرمایا: اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۸ یہ بات یاد رکھو کہ تمہیں واپس میری ہی

بارگاہ میں آنا ہے۔ کچھ بھی کر لو تم اس دنیا سے واپس جاؤ تو اور کوئی راستہ نہیں ہے تمہارے پاس جہاں سے بچ کر نکل جاؤ۔ دنیا میں تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ہمیشہ نہیں رہا سو تمہیں بھی نہیں رہنا، مر کر کہاں جاؤ گے؟ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ ۔۔۔ تم نے واپس میری ہی بارگاہ میں آنا ہے۔ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾ میں تمہیں تمہارے کرتوتوں سے آگاہ کروں گا۔ اللہ تم سے تمہارے اعمال پوچھنے کا محتاج نہیں ہے بلکہ جب تم واپس میری بارگاہ میں آؤ گے تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو۔

## ایمان اور اعمال صالح کا انجام:

کائناتِ بسیط کا ایک مکمل اور جامع نظام ہے اور یہ ساری کائنات صرف حضرتِ انسان کی خدمت پر لگی ہے۔ تخلیقِ انسانی بے مقصد نہیں ہے۔ یہ ساری کائنات جس کی خدمت پر لگی ہوئی ہے اس میں عالمِ امر کی روح ہے، امر کو فنا نہیں ہے لہٰذا انسان کبھی فنا نہیں ہوگا۔ اللہ کریم نے پیدا فرمایا ہے اور اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔ دنیوی علوم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ وہ صرف دنیوی زندگی پر بحث کرتے ہیں، انسان کی پیدائش پر بحث کرتے ہیں۔ دنیوی علوم صحت و بیماری کا تجزیہ کرتے ہیں، جوانی و بڑھاپے کے احوال بیان کرتے ہیں لیکن موت اور مابعد الموت کا تجزیہ کرنا یہ دنیوی علوم کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کی خبر انسان تک انبیاؑ نے پہنچائی۔ اس کا حال مخبرِ صادق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت تک پہنچایا اللہ کریم نے انسان کو حواسِ خمسہ دیے جو علم کو جاننے کے ذرائع ہیں۔ ہم سُن کر جانتے ہیں، دیکھ کر جانتے ہیں، پڑھ کر جانتے ہیں، چُھو کر جانتے ہیں، چکھ کر جانتے ہیں اور سونگھ کر جانتے ہیں۔ ان حواس سے اوپر عقلِ انسانی ہے۔ ان ذرائع سے جب دھوکا لگتا ہے تو عقل راہنمائی کرتی ہے مثلاً گاڑی میں سفر کر رہے ہوں، باہر دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ درخت بھاگ رہے ہیں۔ انسانی عقل برتر ہے وہ اس کی اصلاح کرتی ہے کہ درخت نہیں بلکہ گاڑی بھاگ رہی ہے۔ ہم چاند کو دیکھتے ہیں کہتے ہیں چاند آسمان پر چل رہا ہے سفر کر رہا ہے۔ عقل کہتی ہے نظر کو دھوکا لگ رہا ہے بادل چل رہے ہیں چاند اپنی جگہ پر ہے۔ جب بات ان حسیات سے آگے نکل جائے، عقل بھی دھوکا کھا جائے یا عقل جواب دے جائے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے مثلاً موت آتی ہے لوگوں کی کثیر تعداد روزانہ زیرِ زمین جا رہی ہے، یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا زندگی کا یہی انجام ہے کہ جیا اور مر گیا اور بات ختم ہوگئی؟ عقل تو یہاں تک ہی پہنچتی ہے۔

عقل سے آگے ایک اور ذریعہ ہے 'خبرِ صادق' اور یہ خبرِ صادق انبیاؑ سے ملتی ہے۔ انسان بھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو عموماً ہر کام کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور ایسا کام جس کا کوئی مقصد نہ ہو، اُسے فضول کام کہتے

ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ شخص وقت ضائع کر رہا ہے۔ اگر انسان کے لاحاصل کاموں کو فضول اور بیکار سمجھا جاتا ہے تو اللہ کریم کی شان سے تو یہ بعید ہے کہ کوئی ایسا کام کریں جس کا کوئی نتیجہ ہی نہ ہو کہ یہ تو خامی ہے کمزوری ہے۔ کوئی انسان بھی ایسا کرے تو اس کی خامی سمجھا جاتا ہے، اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اللہ کریم تو ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہیں۔ اتنی بڑی کارگاہِ حیات کو انسان کی پرورش و تربیت پر لگا دیا اور پھر وہ بس جیا اور مر گیا اور بات ختم، تو یہ اللہ کی شان سے بعید ہے کہ اس سارے کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ وہ نتیجہ آخرت ہے جس کی خبر اللہ کے انبیاؑ نے دی، اللہ کی کتابوں نے دی اور جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی قرآنِ کریم نے دی۔ یہ خبرِ صادق ہے، سچی بات اور اس سے بالاتر، انسان کے پاس کوئی ذریعہ علم نہیں ہے۔

فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ﴿٩﴾ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے کردار کو بھی صالح کر لیا یعنی جن کا عقیدہ بھی درست تھا اور عمل بھی نیک کیا وہ جب دنیا سے جائیں گے تو ہم انہیں اپنے نیک بندوں میں شامل کریں گے۔ یعنی جس کا عقیدہ صحیح ہوگا اور وہ نیکی کرے گا اس کے رہنے کی جگہ خوبصورت ہو گی اور جس کا عقیدہ غلط ہوگا اور کردار صحیح نہیں ہوگا اس کے رہنے کی جگہ بھی اس کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ گو عذاب و ثواب کا فیصلہ تو قیامت کے روز ہوگا لیکن برزخ جو ایک انتظار گاہ ہے جہاں مرنے سے لے کر قیامِ قیامت تک ہر فرد ایک انتظار گاہ میں منتظر ہے۔ اس انتظار گاہ میں بھی جس درجے کا انسان ہوگا ویسا ہی وہاں اہتمام ہوگا۔ برزخ میں بھی نیکوں کا مقام اُن کی حیثیت کے مطابق ہوگا، اس میں نعمتیں ہیں، انعامات ہیں، جنت کی روشنی، جنت کی خوشبوئیں ہیں جنت کی معطر ہوائیں ہیں۔ فرمایا، جو اپنا ایمان درست کر لے اور عمل صحیح کر لے تو جب وہ دنیا سے جاتا ہے تو ہم اُسے اپنے نیک بندوں کے ساتھ اعلیٰ درجے کی انتظار گاہ میں داخل کریں گے۔

## صحتِ عقیدہ اور منافقین کا حال:

فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔۔۔ زبانی تو ہر کوئی کہہ لیتا ہے بے شمار لوگ دعویٰ کرتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن پتا تب چلتا ہے جب آزمائش آتی ہے فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ۔۔۔ جب اللہ کی راہ میں اُن کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے تو لوگوں کی ایذا رسانی سے اتنا ڈرتے ہیں جتنا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ دنیا میں لوگ جتنا بھی ظلم کر لیں اس کا مداوا موجود ہے، اس کا علاج ہو سکتا ہے، کوئی مدد کر سکتا ہے کسی طریقے سے اس سے نکلا جا سکتا ہے۔ بندہ بھاگ سکتا ہے گھر یا شہر چھوڑ سکتا ہے۔ اس سے بچنے کے بہت سے طریقے ہیں لیکن اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے جس پر جو عذاب آئے گا بھگتنا ہوگا۔ کوئی اس

کی مدد کو آئے گا نہ کوئی اس کی سفارش کو آئے گا اور نہ ہی وہ بچ سکے گا کیونکہ کفر کے لیے کسی کی سفارش ہے نہ دعا ہے۔ کافر کے لیے دعا کرنا بھی منع ہے۔ فرمایا، لوگ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں جب تھوڑی سی سختی آتی ہے تو پھر دنیوی مصیبتوں سے اتنا ڈرتے ہیں جتنا عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔ جب اُن پر کفر کا دباؤ آتا ہے تو ڈر جاتے ہیں۔

اگر آج دیکھا جائے تو عالمِ اسلام کا یہی حال ہے کہ بحیثیتِ مسلمان ہم کہاں کہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم نے کتنی شدت سے سود حرام کیا ہے اور اتنا حرام کیا ہے کہ فرمایا: فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ:279) جو سود کھاتا ہے اس کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ جنگ ہے۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائے لیکن مسلمان کھا رہے ہیں۔ کیوں سود لے رہے ہیں؟ کافروں کو خوش رکھنے کے لیے، اُن کی پیروی کرنے کے لیے۔ آج کے سیاستدان اور دانشور کہتے ہیں کہ اگر سود ختم کر دیں تو ہم آج کی دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے کہ پوری دنیا کا معاشی نظام سودی ہے۔ ہم دنیا سے الگ کیسے رہ سکتے ہیں؟

اعلانِ نبوت کے وقت روئے زمین پر ہر طرف سود تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی سود تھا تو کیا جو لوگ اسلام لائے انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم کیسے زندہ رہیں گے، سودی نظام کو اپنائے رکھا؟ پھر کیا وہ صرف زندہ رہے یا انہوں نے سود خوروں کو شکست دے کر روئے زمین پر بلا سودی نظام رائج کیا؟ تو یہ ایمان ہے، یہ اسلام ہے اور ایک مسلمان ہم ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم سود کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔

فرمایا، یہ کیسے لوگ ہیں جب آزمائش آتی ہے تو دعویٰ اسلام کے باوجود پھر کفر میں ڈھل جاتے ہیں۔ ہمارا عالم تو یہ ہے کہ ہم کافر معاشرے کے سامنے لیٹ ہی گئے ہیں۔ ہم نے تو اپنی حیثیت ہی ختم کر دی ہے۔ ہم نہ صرف کافروں کے تابع ہو گئے ہیں ہمارے لباس، ہمارے حلیے، طور اطوار بالکل غلاموں جیسے ہیں۔ اسلام یہ ہے کہ کفر سے مقابلہ کیا جائے۔ یہ اسلام نہیں ہے کہ کفر سے سمجھوتے کے ساتھ زندہ رہا جائے۔ اسلام اپنی الگ شناخت، اپنا عقیدہ، کردار اور اپنی تہذیب الگ رکھتا ہے۔

جب برصغیر پر انگریز قابض ہوا تو اس نے بہت سے کام کیے مثلاً ہمارا تعلیمی نظام تباہ کیا اور اپنا نظامِ تعلیم رائج کیا۔ ہماری تاریخ مسخ کر کے اپنی پسند کی تاریخ لکھ دی۔ مسلمان حکمرانوں کو ظالم و جابر لکھ کر ڈاکو اور لٹیروں کو بہت دلیر اور بہادر لکھا۔ افسوس کہ نصف صدی کے بعد بھی ہم اس تاریخ کی اصلاح نہیں کر سکے اور بچوں کو وہی پڑھا رہے ہیں جو انگریز نے لکھا تھا۔

ہمارے ٹی وی پروگراموں کے میزبان بھی مسلمان حکمرانوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ کبھی کسی ہندو راجہ، کسی انگریز کا مذاق نہیں اڑایا جاتا بلکہ مسلمان حکمرانوں کا مذاق اڑانا ہی بڑا کمال سمجھتے ہیں اور پھر انگریزوں کی کتابوں کے

حوالے دیتے ہیں کہ فلاں میں یہ لکھا ہے۔

اسی طرح جب برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت تھی تو بادشاہ تک پگڑی پہنا کرتے تھے، امراء وزراء اور شرفا پگڑیاں پہنتے تھے، پگڑی کی بہت عزت تھی۔ انگریزوں نے پگڑی کو رسوا کرنے کے لیے جو امرا کا لباس تھا وہ دربانوں اور چپڑاسیوں کو پہنایا۔ عدالت کا چپڑاسی ہو یا اسمبلی کا چپڑاسی پگڑی پہنے نظر آتا، اس لیے کہ انگریز پگڑی کو رسوا کرنا چاہتا تھا۔

آج انگریز سے آزاد ہوئے ستر سال گزرنے کو آئے لیکن آج بھی چپڑاسی اور چوکیدار، خواہ اسمبلی کے ہوں عدالت کے ہوں یا ہوٹل کے دروازے پر کھڑے ہوں وہ پگڑیاں پہنے ہوئے نظر آئیں گے۔ یعنی ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ پگڑی کی تضحیک ہی بند کر سکیں جبکہ یہ پگڑی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں، مکہ مکرمہ بھی بھاگ بھاگ کر جاتے ہیں۔ محض مکہ مکرمہ جانے سے کیا ہوگا؟

کیا مکہ مکرمہ میں کفار اور مشرکین نہیں تھے؟ کیا مکہ والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں نہیں دی اور مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا؟ صرف مکہ میں رہنا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ڈھل جائے۔ سو فرمایا، بہت لوگ زبانی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن جب مشکل آتی ہے تو اس سے اتنا ڈرتے ہیں جتنا عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہم کافروں کی مشابہت اختیار کر کے عذابِ الٰہی کو دعوت دیں اور کافر کی سختی سے ڈریں۔ کیسی عجیب بے وقوفی ہے کہ کافر سختی سے ڈر کر اللہ رب العالمین کے عذاب کا راستہ اپنا لیا جائے تو یہ کون سی بچت ہے؟ ڈرنا تو عذابِ الٰہی سے چاہیے۔

فرمایا:۔ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۔۔۔ اور اگر اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی مدد آجائے، مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہو تو پھر کہتے ہیں کہ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے ہم بھی تو کلمہ گو ہیں۔ یعنی جہاں مسلمان غالب آجائیں وہاں یہ مسلمان بن جاتے ہیں جہاں کفر غالب آجائے وہاں کفر کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

## اللہ کریم دلوں کے احوال جانتے ہیں:

فرمایا: اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ۞ کیا اللہ کو سب لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم نہیں؟ تم انسانوں کو تو دھوکا دے سکتے ہو لیکن اللہ تمہارے ظاہری کردار پر تمہارے ساتھ معاملہ نہیں کرتے بلکہ وہ

تو تمہارے دل کے اندر جو کچھ ہے وہ جانتے ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو، کیا کرتے ہو، تمہارا ایمان کس درجے کا ہے اور کردار کیا ہے، یہ سب اللہ کریم جانتے ہیں۔

فرمایا: وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿11﴾ اللہ کریم اُن لوگوں کے حال سے بھی واقف ہیں جو صحیح العقیدہ اور ایمان میں پختہ ہیں اور اللہ پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی عظمت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کریم منافقین کو بھی جانتا ہے۔ منافقین انہی لوگوں کو کہا گیا ہے کہ جو دنیوی سہولتوں کے لیے کافر معاشرے یا کافر تہذیب کو اپنا لیتے ہیں، اُن کا مقصد دنیوی مفاد ہوتا ہے۔

کافروں کے تو بڑے حربے ہوتے ہیں لیکن ہم مسلمانوں میں بھی ایک عجیب بات در آئی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کافر معاشرہ بڑا خوشحال ہے، جاپان نے بڑی ترقی کی ہے، جرمنی نے اپنے آپ کو جنگِ عظیم کے بعد بہت جلدی پھر تعمیر کر لیا، امریکہ اور یورپ میں بہت سہولتیں اور بے پناہ آسائشیں ہیں، چین نے بہت ترقی کر لی ہے۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن اگر تاریخی حقائق کا تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت مغرب کس حال میں تھا۔ اُس عہد کے مورخ امریکہ وغیرہ کو "The Wild Wild West" لکھتے ہیں یعنی وحشی وحشی مغرب، دو مرتبہ وحشی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس عہد کی یورپین اقوام کو مورخ "The Cave Man" یعنی غاروں میں رہنے والے لکھتا ہے کہ انہیں مکان بنانے کا شعور نہیں تھا۔ اسی طرح دیگر اقوام کا حال تھا، انسان انسانوں کو مار کر کھاتے تھے۔ ہر طاقتور غریب کو لوٹ لیتا تھا۔ برصغیر میں عورتوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا، بچوں کو بتوں کے استھانوں پر ذبح کیا جاتا تھا، کیا تھا انسانوں کے پاس؟

اسلام نے انسانیت کو روشنی دی۔ اسلام نے ہی وہ طریقے سلیقے سکھائے جن سے دنیا میں بھی آرام سے رہا جا سکتا ہے۔ جب اسلام پھیلا اور دنیا میں اس کا ڈنکا بجنے لگا تو کفار نے یہ اندازہ لگایا کہ اس میں کچھ تو ہے جو ہر بندہ مسلمان ہوتا جا رہا ہے اور اعلانِ نبوت کے پچیس برس بعد ہی روئے زمین پر انقلاب آ گیا ہے۔ کفار نے مسلمانوں کا عقیدہ تو نہیں اپنایا لیکن وہ اعمال دیکھے جو مسلمان کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ مسلمان کاروبار میں دیانتداری کرتے ہیں اس لیے انہیں بہت منافع ہوتا ہے۔ آج عملاً غیر مسلم اقوام نے اسلام کے اس اصول کو اپنایا ہوا ہے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ جاپان ہو یا چین، امریکہ ہو یا یورپ وہ کاروبار میں دیانتداری کرتے ہیں۔ اس لیے خوشحال ہیں کہ وہ دو نمبر چیزیں نہیں بیچتے اور معیار، Quality پر بھی چیک ہے اور Quantity پر بھی چیک ہے۔ یورپ میں اگر آپ ایک جوتا خریدتے ہیں، گھر آ کر دیکھتے ہیں کہ اس میں کوئی نقص ہے تو آپ دکاندار کو فون کرتے ہیں کہ اس میں یہ عیب ہے تو وہ کہتا ہے کہ ابھی ہم نیا بھیج رہے ہیں، آپ یہ جوتا لوٹا دیں۔ وطن عزیز میں چیز خریدنے پر جو رسید ملتی ہے اگر اس کو اُلٹ

کر دیکھیں تو لکھا ہوگا ''خریدا ہوا مال واپس نہ ہوگا'' سو عملاً اسلام کے اس طریقے کو غیر مسلموں نے اپنایا ہے۔ غیر مسلم اقوام نے اپنے امور میں اسلام کو اپنانے کی کوشش کی ہے اور جہاں جہاں انہوں نے اسلام چھوڑا ہے وہاں وہ مصیبت میں گرفتار ہیں۔ مثلاً عورت اور مرد کے جنسی تعلقات میں انہوں نے اسلام کے اصولوں کی پروانہیں کی، اب پریشان ہیں اور اس دلدل سے نکل نہیں سکتے۔ اسی طرح انہوں نے شراب پر پابندی نہیں لگائی سو ان اقوام میں شراب عام ہو گئی جس کے نتیجے میں اب حد درجہ پریشان ہیں کہ اس مصیبت سے کس طرح جان چھوٹے۔ یعنی جہاں جہاں انہوں نے بھی اسلام کی خلاف ورزی کی ہے وہاں وہ بھی اتنے ہی رسوا ہیں۔

یہ کون سی مسلمانی ہے کہ ہم ان کو دیکھ کر کام کریں؟ ہم کیوں نہ قرآن سے راستہ تلاش کریں؟ کیوں نہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اپنائیں؟ یاد رہے ہر عمل پر دو نتیجے مرتب ہوتے ہیں۔ ایک فوراً جو اس دنیا میں ملتا ہے اور ایک وہ جو آخرت میں ملتا ہے۔ یہ جو فوری نتیجہ ہے اس کے لیے مومن یا کافر کی قید نہیں ہے۔ مثلاً دھوپ میں جو کھڑا ہوگا اسے گرمی لگے گی سایہ میں چلا جائے گا تو گرمی سے بچ جائے گا۔ اسی طرح کافر ہو یا مومن جسے پیاس لگے گی، جب پانی پیئے گا تسکین پائے گا: سو دنیوی نتیجہ ہر ایک کو یکساں ملتا ہے اس میں کافر یا مومن ہونا شرط نہیں ہے۔ کافر بھی اگر کاروبار میں دیانتداری کرے گا، باتوں میں سچا ہوگا، عدالتوں میں انصاف کرے گا تو ان اعمال کے فوائد دنیا میں ضرور حاصل کرے گا۔ مومن اگر یہ اعمال اختیار کرے گا تو دنیا اور آخرت کے فوائد حاصل کر لے گا۔

ہم کافر معاشرے کی پیروی کرنے کے بجائے سیدھا کیوں نہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر چلیں تاکہ دنیا میں بھی نعمتیں ملیں اور آخرت کی کامیابی بھی نصیب ہو۔

## کفار کی پیشکش:

فرمایا کہ کچھ کمزور ایمان لوگ کفار کی کروّفر دیکھ کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور کفار مسلمانوں کو مختلف ترغیبات بھی دیتے رہتے ہیں۔ کبھی انہیں پیسے کا لالچ دیتے ہیں کبھی عسکری امداد کا۔ کہتے ہیں کہ ہم تمہاری حفاظت بھی کریں گے تم سے دوستی بھی نبھائیں گے۔ یہ سارے حربے وہ آزماتے ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اُن کی باتوں میں نہیں آتے، اُن پر یہ حربے کارگر نہیں ہوتے۔ سو یہ کافر اُن سے کہتے ہیں: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۔۔۔ کہ ایمان والو تم ہمارا راستہ اختیار کر لو۔ تم بھلا آخرت سے کیوں ڈرتے ہو، تمہارے گناہ ہم اپنے ذمے لے لیں گے۔ تم ہمارے ساتھ آؤ تمہارے گناہوں کے ہم ذمہ دار ہیں ہم اپنے سر لے لیں گے۔

## کفر کا بارِ گراں:

فرمایا: وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِیۡنَ مِنۡ خَطٰیٰهُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۲﴾ حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا کچھ بوجھ بھی اُٹھانے والے نہیں، بے شک وہ جھوٹے ہیں یہ دوسروں کے بوجھ کو ذرہ برابر بھی نہیں اٹھا سکیں گے یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فرمایا یہ دوسرے کا بوجھ کیسے اٹھائیں گے کہ: وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَهُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِهِمۡ۔۔۔ ان کے اوپر تو اِن کے اپنے گناہوں کا بے پناہ بوجھ ہوگا اور اِن کے کفر کا بوجھ بھی ہوگا۔ اس بوجھ کے ساتھ کفر کو پھیلانے کی کوشش کا بوجھ الگ سے ہوگا۔ ایک تو کفر اور کافرانہ کردار کا بوجھ ہوگا پھر جو کفر کو پھیلانے کے لیے مسلمانوں کو بہکانے کے لیے کوششیں کر رہے ہیں اس کا بوجھ الگ ہوگا۔ گویا کفر کو پھیلانا بھی کفر ہے۔ جس طرح دین کو پھیلانا دین کا اعلیٰ ترین کام ہے کہ دین پر عمل کرنا بھی الحمد للہ بہت اچھا ہے لیکن عمل کے ساتھ اسے دوسروں تک پھیلایا جائے تو اس کا اجر کتنا زیادہ بڑھ جائے گا۔ اسی طرح کفر اختیار کرنا ایک بوجھ ہے اور اس کفر کو پھیلانے کی کوشش کرنے سے یہ بوجھ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ سو فرمایا، ان کفار پر ان کے کفر کا بوجھ ہے، کفر کو پھیلانے کا بوجھ بھی ہے پھر یہ کسی دوسرے کا بوجھ کہاں اُٹھائیں گے۔

فرمایا: وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ اور یہ تو خود اپنی جوابدہی میں جکڑے ہوئے ہوں گے تمہارا بوجھ کہاں اٹھائیں گے۔ روزِ محشر کو جو بہتان یہ باندھتے تھے، کفر کو پھیلانے کی کوشش کرتے تھے تو کفر کی جوابدہی کے ساتھ اس کی جوابدہی بھی دینا پڑے گی۔ خود چھوٹیں گے تو کسی کا کچھ کر سکیں گے انہیں تو اپنے بوجھ کی جوابدہی سے ہی فرصت نہیں مل سکے گی۔

## سورۃ العنکبوت رکوع 2 آیات 14 تا 22

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَلَبِثَ فِیۡهِمۡ اَلۡفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ
عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوۡفَانُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَاَصۡحٰبَ
السَّفِیۡنَةِ وَجَعَلۡنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبۡرٰهِیۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهِ اعۡبُدُوا
اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡکًا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
لَا یَمۡلِکُوۡنَ لَکُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡکُرُوۡا
لَهٗ ؕ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنۡ تُکَذِّبُوۡا فَقَدۡ کَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِکُمۡ ؕ
وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰهُ
الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ
فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿ۚ۲۰﴾ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَرۡحَمُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیۡهِ
تُقۡلَبُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَکُمۡ
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿ؑ۲۲﴾

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ایک ہزار برس رہے (ان کو تبلیغ کرتے رہے مگر وہ نہ مانے) پس ان کو طوفان نے آ پکڑا اور وہ بڑے ظالم تھے ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے ان (نوح

علیہ السلام) کو اور کشتی والوں کو نجات بخشی اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لیے عبرت بنا دیا ﴿۱۵﴾ اور ابراہیم (علیہ السلام) کو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۱۶﴾ تم اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پُوج رہے ہو اور (اس کے بارے) جھوٹی باتیں تراشتے ہو۔ بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پُوج رہے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ کے ہاں سے رزق تلاش کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر ادا کرو، (کہ) تم کو اُسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۷﴾ اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھو تو یقیناً تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے ﴿۱۸﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتے ہیں پھر وہی اس کو دوبارہ لوٹائیں (پیدا کریں) گے۔ بے شک یہ اللہ پر (بہت ہی) آسان ہے ﴿۱۹﴾ پھر آپ ان سے فرمایئے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ اس (اللہ) نے مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا فرمایا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا فرمائیں گے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۲۰﴾ جسے چاہیں عذاب دیں اور جس پر چاہیں رحم فرمائیں اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿۲۱﴾ اور تم نہ زمین میں (چھپ کر اللہ کو) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار ﴿۲۲﴾

# تفسیر و معارف

## تاریخ کی گواہی:

فرمایا، یہ کوئی پہلی بار نہیں ہے کہ ایمان والوں پر سختیاں آئی ہوں بلکہ تاریخ اٹھا کر دیکھ لو۔ فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا۔۔۔ ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور انہوں نے ساڑھے نوسو سال تبلیغ کی یعنی ساڑھے نوسو سال کفر کا مقابلہ کیا۔ یہ وہ عرصہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے پہلے قوم میں گزارا اور اُنہیں تبلیغ کرتے رہے۔ بعض

حضرات نے آپؑ کی عمر جو طوفان کے بعد وہ زندہ رہے چودہ سو برس لکھی ہے۔ فرمایا کہ کون سی تکلیف ہے جو انہوں نے نہیں اٹھائی اور وہ بھی ایک یا دو دن نہیں، سال نہیں، سو سال نہیں بلکہ ساڑھے نو سو سال کفر کا مقابلہ کیا کہ سارے لوگ کفر میں بتلا ہو چکے تھے۔ اس وقت دنیا کی آبادی اتنی ہی تھی جسے قومِ نوحؑ کہا گیا ہے اور روئے زمین پر ساڑھے نو سو سال کے مقابلے، محنت مجاہدے تکلیفیں سہنے، مار کھانے کے بعد جب طوفانِ نوحؑ آیا تو صرف اسی یا بیاسی بندے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہوئے۔ گویا ساڑھے نو سو سال میں سو بندوں نے بھی آپؑ کی بات قبول نہیں کی۔ کیا حضرت نوح علیہ السلام نے اس عرصے میں اسلام میں یا ایمان میں کوئی لچک دکھائی؟ کیا انہوں نے کفر سے سمجھوتہ کیا؟ ایمان اس کا نام ہے۔

ہماری تو عمریں ہی بہت کم ہیں ہم تو پچاس سال میں ضعیف ہو جاتے ہیں کہ پہلے بچپن اور پھر لڑکپن پھر بعد کے پندرہ بیس سال کے بعد ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ مکلف یا بالغ ہونے سے لے کر بڑھاپے تک ہماری عمریں ہی کتنی ہیں۔ ہمیں تو جلد ہی ضعفِ پیری آلیتا ہے جبکہ اللہ کے نبیؑ اور وہ چند لوگ جو اُن کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے کتنا مقابلہ کیا اور کتنی سختیاں سہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم اتنی ایذائیں دیتی، مار مار کر جب بے ہوش ہو جاتے تو اُن کو پھینک جاتی، طعنے دیتی تھی، تکلیفیں پہنچاتی تھی۔

بالآخر جب آپؑ کو کشتی بنانے کا حکم ہوا تو آپؑ تختے چیرتے اور کشتی بناتے تھے تو قوم مذاق اڑاتی تھی۔ کہتے تھے کہ بابا جی صحرا میں کشتی چلائیں گے، ہم نے محاورہ سنا تھا ریت میں کشتی نہیں چلتی۔ ذرا انہیں دیکھو کہ یہ جانتے ہیں کہ ہم ریگستان کے باسی ہیں اور یہ کشتی بنا رہے ہیں ریت پر چلانے کے لیے!

یہاں بعض عجیب واقعات نقل کیے گئے ہیں جنہیں اسرائیلیوں نے داخل کر دیا ہے اور اسرائیلیات کہلاتی ہیں۔ ان واقعات کی تصدیق ممکن ہے نہ ہی ان کی تکذیب کی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا بھی آسان نہیں ہے کہ یہ غلط ہے۔ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا غلط ہے، وہ غلط ہے۔ جن کے بارے حدیث میں کوئی تصدیق نہیں ملتی ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب کی جاسکتی ہے۔

اسرائیلیات میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ جب کشتی مکمل ہوگئی اور بہت بڑی کشتی تھی، قوم کے سرداروں نے قوم سے کہا کہ اس کشتی میں رفع حاجت کیا کریں چنانچہ لوگوں نے یہ تماشہ بنالیا کہ جسے رفع ءحاجت کی ضرورت پیش آتی وہ کشتی میں جا کر بیٹھ جاتا اور انہوں نے کشتی کو غلاظتوں سے بھر دیا۔ اللہ کریم کی شان، ساری قوم کو کوئی جلدی بیماری ہوگئی، خارش پڑ گئی۔ سارا دن خارش کرتے رہتے تھے دوائیں کھا کھا کر بھی ٹھیک نہ ہوتے تھے۔ ایک دن کوئی بندہ کشتی میں رفع حاجت کی غرض سے گیا اس کا پاؤں پھسلا اور وہ غلاظت میں گر گیا،

باہر نکلا اور نہایا تو اس کی بیماری ٹھیک ہوگئی۔ اس نے کہا کہ یہ تو بڑا موثر علاج ہے لہٰذا ساری قوم نے غلاظت میں غوطے لگانا شروع کردیے اور یوں کرتے کرتے ساری غلاظت قوم نے اپنے اوپر مَل لی۔ جو لوگ رہ گئے اُنہوں نے غلاظت کھرچ کھرچ کر کھانی شروع کردی پھر کہا جاتا ہے کہ وہ تختوں کو زبان سے چاٹتے تھے کہ کہیں کوئی غلاظت کا ذرّہ ہو تو اُن کی بیماری کا علاج بن جائے۔ سو انہوں نے پوری کشتی اپنی زبانوں سے چاٹ کر صاف کر دی، پاک کردی۔ اللہ قادر ہے، انہی لوگوں سے اللہ نے کشتی صاف کروادی۔ وہ ہر بات پر بندوں کو دکھا دیتا ہے کہ تم کچھ نہیں ہو میں جو چاہوں کرتا ہوں۔

فرمایا، ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا اور وہ ساڑھے نو سو سال اُن میں رہے، سختیاں برداشت کرتے رہے۔ جب اُن کی قوم نہیں مانی اور حد سے گزر گئی تو: فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ پس اُن کو طوفان نے آ پکڑا اور وہ بڑے ظالم تھے۔ انہیں اللہ کے طوفان نے پکڑ لیا اور وہ سب غرق ہو گئے اس لیے کہ وہ خود ظالم تھے اور اپنی تباہی خود مول لی۔

فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ ہم نے نوح علیہ السلام کو اور اُن نفوسِ قدسیہ کو بھی جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے، بچا لیا۔ ہم نے انہیں تمام جہانوں کے لیے، آنے والے لوگوں کے لیے ایک نشانی بھی بنا دیا کہ لوگ دیکھ لیں کہ آبادی اور کامیابی بہرحال اطاعتِ الٰہی میں ہے، کفر کی پیروی میں کامیابی نہیں ملتی۔

یہ جو ہمارا رویہ بن گیا ہے کہ کافروں کی پیروی کرو، اُن کی معاشرت اپناؤ اُن کی تہذیب اپناؤ تو تم کامیاب ہو گے اس کی نفی ہو رہی ہے۔ فرمایا، کفر میں کامیابی نہیں ہے بالآخر کفر میں تباہی، پریشانی اور خرابی ہے، خواہ کچھ بھی ہو جس طرح قومِ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال ظلم کرتے رہے لیکن بالآخر تباہ ہوئے۔ اسی طرح کامیابی صرف ایمان اور عملِ صالح کا نتیجہ ہے کہ کامیاب وہ ہی ہوئے جو ایمان لائے اور کشتی میں سوار ہوئے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام اور جدوجہد:

فرمایا: وَاِبْرٰهِيْمَ ۔۔۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دیکھ لو۔ جس گھر میں پیدا ہوئے اُن کے والد سرکاری بت خانے کے سربراہ تھے اور خود بت بناتے بھی تھے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے ان کی معاشرت نہیں اپنائی۔

فرمایا: اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۔۔۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتی تھی جبکہ بادشاہ یعنی نمرود خود کو خدا کہلواتا تھا لیکن بتوں اور ستاروں کی پوجا بھی کرتا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ انسان خدائی کا دعویٰ بھی کرے اور ساتھ بتوں کو بھی پوجے مثلاً فرعون بھی خدائی کا دعوے کرتا تھا لیکن بتوں کو بھی پوجتا تھا۔ اسی طرح نمرود نے بھی خدائی دعویٰ کر رکھا تھا لیکن بتوں اور ستاروں کو بھی پوجتا تھا۔

یہ فلسفہ بھی عجیب ہے کہ جب خدائی دعوے کر رہے ہو تو پھر بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے کی ضرورت کیا ہے؟ دراصل حقیقت اپنی جگہ کھٹکتی رہتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ مخلوق ہے خدا نہیں ہے لہٰذا خدائی دعویداروں کو خود اپنے دل میں بھی یہ تسلی نہیں ہوتی کہ وہ خدا ہیں۔ اسی لیے وہ سمجھتے تھے کہ کوئی اور غیبی طاقت ہونی چاہیے جو ہماری مدد کرے اور اس طاقت کو وہ بتوں میں تلاش کرتے ستاروں اور سیاروں میں یا کہیں اور تلاش کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، لوگو! دربدر کیوں بھٹکتے ہو، ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ کی فرمانبرداری کرو تاکہ اللہ سے تمہارا تعلق بن جائے، وَاتَّقُوْهُ۔۔۔ ایک تعلق قائم کرلو۔ تمہارا رشتہ اس کے ساتھ عبادت کا ہوگا، اُس کا رشتہ تمہارے ساتھ رحمت، اجر اور انعامات کا ہوگا۔ یاد رکھو ستاروں سے تمہاری دوستی ہوسکتی ہے نہ ہی تعلق بن سکتا ہے نہ بتوں کو کوئی دھوپ چھاؤں کی تمیز ہے۔ سو تم اللہ کی عبادت کرو اس سے دوستی کا، محبت کا رشتہ قائم کرلو۔

فرمایا: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۱۶﴾ اور یہ رویہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ یہ راستہ کامیابی کا راستہ ہے، بہت بہترین راستہ ہے اگر تم کوئی علم رکھتے ہو کیونکہ جہالت، لاعلمی، بے خبری بہت بڑی مصیبت ہے۔ اگر تم میں کچھ شعور ہے کچھ علم ہے اور تم تجزیہ کرسکتے ہو، کچھ دیکھ سکتے ہو تو یہ راستہ بہترین راستہ ہے۔

## اتفاق و یگانگت صرف اسلام میں ہے:

فرمایا: اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا۔۔۔ تم اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج رہے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو کہ اس پوجا کے کرنے کی تمہارے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے اس لیے تمہیں مختلف باتیں تراشنا پڑتی ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیائے کفر میں کبھی دو کافر ایک عقیدے پر متفق نہیں ہوسکتے۔ ایک ہی بت کے دو پجاری دو نظریات رکھتے ہیں، دس پجاری ہیں تو دس نظریات رکھتے ہیں۔ پھر کوئی ایک بت کی پوجا کرتا ہے دوسرے کی نہیں کرتا، کوئی تیسرے بت کو مانتا ہے الغرض کافر کسی ایک عقیدے پر متفق نہیں ہوتا۔

جو لوگ محض دعوے کے مسلمان ہیں اور عملی طور پر اسلام کو چھوڑ چکے ہیں ان میں بھی دو بندوں کا ایک

عقیدہ نہیں ہوتا۔ اسلام کے نام پر جو گمراہ فرقے ہیں اگر ان کے لوگوں سے پوچھا جائے تو سب کا عقیدہ الگ الگ ہے۔ دراصل یگانگت، اتفاق اور اتحاد صرف اسلام میں ہے اس لیے کہ اسلام حقیقت ہے اور حقیقت پر اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تصورات اور تراشی ہوئی باتیں ہوں، وہاں ہر بندہ کوئی نہ کوئی بات خود تراش لیتا ہے۔ یہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھائی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بتوں کی پوجا تو تم سب مل کر کرتے ہو لیکن تم میں سے ہر ایک نے اس کے مختلف نتائج سوچے ہوئے ہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ساری قوم ایک بت کی پوجا کر رہی ہے لیکن ہر بندے کا نظریہ الگ ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو تم سب ایک بات پر متفق ہوتے۔ اللہ کی عبادت حق ہے سارے مومن ایک عقیدے پر متفق ہوتے ہیں ایک جان ہوتے ہیں اللہ واحد ہے لاشریک ہے، اللہ کا نبیؐ سچا ہے برحق ہے، اللہ کی کتاب سچی ہے برحق ہے، نیکی پر ثواب ہوگا برائی پر عذاب ہوگا۔ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ تم بتوں کی پوجا کرتے ہو اور اس کے لیے تمہیں مختلف باتیں گھڑنا پڑتی ہیں اور جس سے پوچھو وہ ایک الگ انجام تصور کیے ہوئے ہے۔ کوئی کہتا ہے پوجا سے یہ فائدہ ہوگا، دوسرا کہتا ہے وہ فائدہ ہوگا۔ ہر کسی نے اپنا نتیجہ تصور کر رکھا ہے۔

## دنیا کا فائدہ بھی اللہ کی اطاعت میں ہے:

فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَمْلِکُوْنَ لَکُمْ رِزْقًا۔۔۔ بے شک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تمہیں دنیا کی ہی طلب ہے، خوشحالی چاہتے ہو دنیا کی عظمتیں چاہتے ہو رزق میں فراخی چاہتے ہو تو یہ بت بھلا تمہیں کیا دے سکتے ہیں کہ یہ تو خود بے جان پتھر ہیں، لکڑی سے تراشے ہوئے ہیں، تصویر بنی ہوئی ہے، یہ بھلا تمہیں کیا دیں گے۔ ان کے پاس ہے کیا دینے کو؟ انہیں لات مارو گے تو گِر جائیں گے، آگ لگا دو تو جل جائیں گے اگر توڑ دو تو ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ یہ تو خود کو بچانے کی استعداد نہیں رکھتے، اپنے بھلے برے کے مالک نہیں ہیں تو تمہارا کیا کریں گے۔ اگر تمہیں دنیا ہی چاہیے تو: فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰہِ الرِّزْقَ۔۔۔ پس اللہ کے ہاں سے رزق تلاش کرو۔ دنیا بھی اللہ کی بارگاہ میں ہی تلاش کرو۔ جہاں سے دین ملے گا دنیا بھی وہیں ملے گی۔ اگر تمہیں دنیوی کامیابیاں چاہیں، فتوحات چاہیں، ایک مضبوط معاشرہ چاہیے، خوشحالی چاہیے تو: وَاعْبُدُوْہُ وَاشْکُرُوْا لَہٗ۔۔۔ اللہ کی اطاعت کرو، عبادت کرو۔ عبادت کیا ہے؟ اطاعت کو ہی عبادت کہتے ہیں کہ جو کام بھی اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے وہ عبادت شمار ہوتا ہے۔ فقط نماز، روزہ ہی عبادت نہیں ہے بلکہ مومن کی دنیا بھی دین ہے وہ جو دنیا کا کام شریعت کے مطابق

کرتا ہے وہ اس کی عبادت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بیوی بچوں کو جو کھانا کھلاتا ہے وہ بھی اس کا صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو اس کی ذمّہ داری ہے تو فرمایا اللہ کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داری پوری کرنا ہی تو عبادت ہے۔

فرمایا، اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے یہ توفیق ارزاں کی اور اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ بالآخر تمہیں اسی کی بارگاہ میں آنا ہے کہ اور کوئی راستہ نہیں ہے تم کسی دوسری طرف جا ہی نہیں سکتے۔

وطنِ عزیز میں بھی اگر اسلام کے مطابق وسائل میں توازن ہو تو یہاں مفلسی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ملک اللہ کا انعام ہے اس میں دنیا کی ہر نعمت ہر وقت موجود ہے۔ اس میں دنیا کا ہر موسم ہر وقت موجود ہے کہیں برسات ہے کہیں خشکی ہے کہیں گرمی ہے کہیں سردی ہے۔ ریگستان سے لے کر سطح سمندر سے لے کر دنیا کی بلند ترین چوٹیاں اس میں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سارا سال یہاں سارے موسم رہتے ہیں اور جہاں سارے موسم ہوں وہاں ساری اجناس پیدا ہوتی ہیں۔ وہاں سارے پھل پیدا ہوتے ہیں، دنیا بھر کی معدنیات ہوتی ہیں زیر زمین خزانے ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان ملکی وسائل کو جو آج تک دستیاب ہیں اسلام کے مطابق انصاف سے تقسیم کریں تو ملک میں کوئی بھوکا نہ رہے۔ یہ ملک دنیا کے بہترین ممالک میں سے ہے۔

## ہر دور میں انبیاؑ کی تکذیب کی گئی:

فرمایا: وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اگر سب دلائل کے باوجود اگر لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت قبول نہیں کرتے آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) رنجیدہ نہ ہوں کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پہلی امتوں نے بھی ایسا سلوک کیا کہ اُن کی تعلیمات کا انکار کیا۔

تکذیب یا انکار کرنا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک انکار تو یہ ہے کہ سرے سے تعلیماتِ نبویؐ کو قبول ہی نہ کیا جائے، اقرار ہی نہ کیا جائے، مانا ہی نہ جائے تو یہ بہت کڑا انکار ہے۔ ایسا انکار کرنے والے کو کافر کہتے ہیں۔ دوسرا انکار یہ ہے کہ صورتاً، زبانی تو مان لیا جائے لیکن عمل نہ کیا جائے۔ یہ بھی بہت شدید تر ہے کہ ایسا ماننے والے مسلمان تو کہلاتے ہیں لیکن عملاً انکار کرنا کہ زندگی ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گزارنا ایسا معاملہ ہے جو اللہ کریم کے پاس ہے۔ وہ چاہے تو معاف فرما دے لیکن اگر حساب ہوا تو بہت کڑا ہوگا۔

یہی تو امتحان ہے کہ آدمی جب دنیا میں آتا ہے تو مادّی وجود پاتا ہے اور روح اس عالم میں بدن کے تابع ہے اور مادّی وجود براہ راست مکلف ہے۔ دنیا میں خواہشیں مادّی وجود کے ساتھ ہوتی ہیں، روح اس کے تابع ہے۔ روح ان اچھائیوں برائیوں کو محسوس کرتی ہے لیکن براہ راست معاملہ بدن کے ساتھ ہوتا ہے۔ موت کے بعد، برزخ میں براہ راست مکلف روح ہو جاتا ہے اور بدن اس کے تابع ہوتا ہے۔ عذاب وثواب براہ راست روح کو ہوتا ہے اور روح سے ہو کر بدن کو پہنچتا ہے جیسے دنیا میں بدن کے اعمال کی راحت یا تکلیف بدن سے ہو کر روح کو پہنچتی ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو دونوں برابر کے مکلف ہو جائیں گے۔ جسے جنت نصیب ہوگی اس کی روح اور بدن دونوں جنت کی راحتوں کو محسوس کریں گے۔ جسے سزا ملے گی تو سزا کے دکھ بھی دونوں محسوس کریں گے۔ چونکہ بدن مادّی ہے اس کی زیادہ توجہ مادّی لذات کی طرف رہتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی دامنِ نبوتؐ تھام لے اور روح کو اتنا مضبوط کرلے کہ اس مادّی دنیا میں مادّی لذات کی بجائے روحانی لذات زیادہ مرغوب ہو جائیں۔ مادّی بدن کو تکلیف بھی ہو تو پروانہ کرتے ہوئے روحانی لذتوں کو نہ چھوڑے۔

## انبیاؑ کی ذمہ داری:

فرمایا اگر یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرتے ہیں انکار کرتے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بے شمار انبیاؑ کا کفار نے انکار کیا لیکن اس سے انکار سے نبیؐ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا کہ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۸﴾ انبیاؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ اللہ کی بات پہنچانا ہے، منوانا اُن کی ذمہ داری نہیں ہے۔ انبیاؑ کے ذمے اتنا ہی ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کو نہایت واضح انداز میں پہنچادیں۔ اللہ کریم نے ہر فرد کو ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا ہے اس تک بات پہنچانا انبیاؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذمہ داری ہے۔ ہر نبیؐ نے پوری دیانت اور امانت کے ساتھ اللہ کریم کا پیغام پہنچایا اسی راہ میں شہید بھی ہوئے، تکلیفیں بھی اٹھائیں دکھ بھی سہے لیکن بات پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں جو پوری انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تبلیغ کا حق ایسے ادا کیا کہ آج پندرہ صدیوں بعد بھی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اسلام کا پیغام نہ پہنچ رہا ہو، پہنچایا نہ جا رہا ہو بیان نہ کیا جا رہا ہو۔ اب اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

## تخلیقِ باری میں غور کرنا:

فرمایا: اَوَلَمۡ یَرَوۡا كَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ۔۔۔ کیا لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اللہ کریم مخلوق کو کیسے پیدا فرماتے ہیں؟ کائناتِ بسیط میں ہر لحہ تخلیق کا عمل جاری ہے، کوئی شمار ہی نہیں کرسکتا کہ مزید کتنی مخلوق ہر لحہ دنیا میں آرہی ہے۔ بارش، بادل، ہوا، سورج کی روشنی چاند اور ستاروں سے لے کر زمین کی روئیدگی درختوں کا اُگنا، جانوروں کی افزائش الغرض بے شمار مخلوق ہے کہ کوئی گن ہی نہیں سکتا اور تخلیق کا عمل مسلسل جاری ہے۔ جب کچھ نہیں تھا تو اتنے جہاں کس نے پیدا کردیے اور کتنی ترتیب سے پیدا فرمارہا ہے: ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ ۔۔۔ پھر انہیں لوٹائے گا کہ پیدا ہو ہو کر تباہ ہو رہے ہیں، مر رہے ہیں ختم ہو رہے ہیں لیکن وہ پھر ہر چیز کو واپس لائے گا۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ بے شک یہ اللہ کے لیے بہت ہی آسان ہے۔ جب کچھ نہیں تھا تو اس قادرِ مطلق نے بنایا تو بنی ہوئی چیز اگر بگڑ گئی تو اسے دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔

انسان بھی گھر بناتا ہے تو ایک ایک اینٹ ایک ایک پتھر، لکڑی وغیرہ نئی لاتے ہیں۔ اگر وہ بنا بنایا مکان گر جائے تو سارا میٹریل تو موجود ہوتا ہے دوبارہ بنایا جاسکتا ہے۔

فرمایا: قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ۔۔۔ زمین پر چل پھر کر دیکھو اللہ کریم کس طرح مخلوق کو پہلی بار بنا رہے ہیں ذرا اس کا اندازہ کرو۔ یہ تحقیق کرنا مسلمان اُمت کا کام ہے کیونکہ مسلمانوں کو تحقیق کا، Research کا حکم دیا جا رہا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سب سے پہلے ان چیزوں پر تحقیق مسلمانوں نے ہی کی لیکن چونکہ آج ہم اپنا راستہ چھوڑ کر کفار کے پیروکار بن چکے ہیں ہم نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ کلمہ بھی پڑھ لیتے ہیں کبھی کبھار نمازیں بھی پڑھ لیتے ہیں لیکن ہماری تہذیب، ہماری زندگی، ہمارا سب کچھ کفار کے تابع ہے۔ ہم کفار کے پیچھے چل پڑے ہیں اور پیچھے چلنے والے لوگ غلام ہوتے ہیں۔ غلاموں کو کوئی کھانا دے نہ دے پانی دے نہ دے لباس پہنائے جیسا چاہے پہنائے مارے یا زندہ رکھے۔ اب ہمیں شکوہ تو ہے کہ روئے زمین پر مسلمان ہی مارے جا رہے ہیں، قتل ہو رہے ہیں لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ کون مار رہا ہے اور کیوں مار رہا ہے۔ ہمیں کافر مار رہا ہے کیونکہ ہم اس کے پیروکار اور غلام بن چکے ہیں، ہمارے نام مسلمانوں جیسے ہیں لیکن حلیے اور کردار کافروں جیسے ہیں۔

اسلام نے روزِ اوّل سے قرآن حکیم میں حکم دیا کہ کائنات میں پھر کر اللہ کی مخلوق پر تحقیق کرو۔ دیکھو ایک طرح کے Cell کیسے پیدا کرتا ہے، کن Cells کو کس انداز میں جوڑ کر کیا بناتا ہے۔ کس طرح درخت بنتا ہے، پھول کیسے بنتا ہے، پھل کیسے بنتا ہے انسانی وجود کیسے تخلیق پاتے ہیں۔ کس کس طرح سے کہاں کہاں کے ذرّات آ کر ایک انسانی وجود میں شامل ہوتے ہیں یہ کیسا عجیب نظامِ قدرت ہے۔ اس پر تحقیق کرنے کا حکم ہے۔ جب اللہ کریم پہلی بار بنانے پر قادر ہیں تو دوبارہ بنانا کون سا مشکل ہے۔ وہی اللہ کریم جو پہلی بار پیدا فرما رہے ہیں وہ ہر چیز کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے کہ: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ یقیناً اللہ جل شانہ ہر چیز پر قادر ہیں۔

## اللہ کریم کی مرضی:

فرمایا: يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾ اللہ کریم مالک و مختار ہے جسے چاہے عذاب دے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس پر چاہے رحم فرمائے کوئی اس کی رحمت کے آگے بند نہیں باندھ سکتا۔ تمہیں ہر حال میں اسی کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ کریم نے قرآن کریم میں جا بجا ارشاد فرمایا ہے کہ عذاب وثواب کا قاعدہ وقانون کیا ہوگا۔ وہ قادر ہے اگر ساری کائنات کو تباہ کر دے تو یہ کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ مالک ہے اُس نے خود پیدا کی، خود تباہ کر دی۔ اس کی تخلیق میں کوئی حصہ دار نہیں۔ اگر چاہے ساری کائنات کو آباد رکھے اُسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اگر ساری مخلوق کو عذاب دے تو یہ زیادتی نہیں ہوگی کہ اس کی اپنی مخلوق ہے جو چاہے کرے لیکن اس نے یہ مخلوق پر چھوڑ دیا ہے کہ فرمایا اس عالم میں تمہیں بے شمار نعمتیں دے کر لذتیں اور راحتیں دے کر ان سے روکوں گا نہیں۔ کسی کام سے نہیں روکوں گا البتہ ہر کام کو کرنے کا طریقہ متعین کر دیا گیا ہے۔ اگر میری کائنات میں میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رہو گے تو دو فائدے ہوں گے۔ تمہیں دنیا میں بھی آسانیاں اور عزت نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی کامیابی ملے گی لیکن اگر میری کائنات میں تم ایک ادنیٰ سا فرد ہوتے ہوئے اپنی مرضی نافذ کرو گے، جو جی چاہے کرو گے تو سزا پاؤ گے یہ ہے وہ قاعدہ جو اللہ کریم نے طے کر دیا ہے۔

اسلام نے زندگی کی کسی راحت سے روکا نہیں ہے بلکہ اس کے حصول اور استعمال کا طریقہ بتایا ہے۔ یہ بڑی واضح حقیقت ہے کہ شرعی طریقے سے نعمتوں کے حصول اور استعمال دونوں میں راحت ہے جبکہ غیر شرعی طریقے سے حصولِ نعمت میں بھی مشکلات ہیں اور استعمال کرنے میں بھی مشکلات ہیں۔

## اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں:

فرمایا: وَمَآ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۚ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۝۲۲ اور لوگو! تم اللہ کی بارگاہ سے بھاگ نہیں سکتے۔ کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ اس قدرتِ کاملہ کی بارگاہ سے باہر چلے جاؤ، زمین میں چھپ کر نہ آسمانوں میں چڑھ کر۔ اے کفار! اگر تم سارا زور لگا لو تم اللہ کے نظام اور اس کی قدرت کو نافذ ہونے سے نہیں روک سکتے زمین پر اور نہ آسمانوں میں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کی نافرمانی کر کے اللہ کے مقابلے میں کوئی تمہاری مدد کر سکتا ہے نہ ہی کوئی دوست ہو سکتا ہے۔ جو بھی اس کی بارگاہ کو چھوڑے گا وہ تنہا ہو جائے گا۔

ہم یہ اکثر دیکھتے ہیں کہ بے دین آدمی کو، بُرے آدمی کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی اولاد تک چھوڑ دیتی ہے اور دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ بڑے امیر لوگوں کو بھی اُن کی اولادیں Old Homes میں جمع کرا دیتی ہے جہاں وہ زکوٰۃ اور خیرات پر پلتے ہیں۔

یاد رکھو تم اللہ کریم سے اور اس کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتے۔ اس کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق، نافرمانی پر سزا پاؤ گے اور اطاعت پر انعامات پاؤ گے۔ پھر ایسی کوئی ہستی ہی نہیں ہے جو تمہیں اللہ کریم کی گرفت سے بچا سکے۔

# سورۃ العنکبوت رکوع 3 آیات 23 تا 30

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ
حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ
اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ
النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ۙ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ
النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا
سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ
اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ
انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٣٠﴾ؒ

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے منکر ہوئے وہ ہماری رحمت
سے ناامید ہو گئے ہیں۔ اور ان ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۲۳﴾
پھر ان کی قوم کا (آخری) جواب یہ تھا کہ کہنے لگے اس کو قتل کر دو یا اسے جلا دو پھر اللہ

نے ان کو آگ سے بچا لیا بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے دلائل ہیں ﴿۲۴﴾ انہوں نے فرمایا بے شک تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے۔ (یہ) تمہارے دنیا کے آپس کے تعلقات کی وجہ سے ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا ﴿۲۵﴾ پس ان پر (ایک) لُوط (علیہ السلام) ایمان لائے اور ابراہیم (علیہ السلام) فرمانے لگے بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بے شک وہ غالب، حکمت والا ہے ﴿۲۶﴾ اور ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام، بیٹا) اور یعقوب (علیہ السلام، پوتا) عطا فرمائے اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب (کے سلسلہ) کو قائم رکھا اور ان کا صِلہ ان کو دنیا میں (بھی) دیا اور وہ آخرت میں (بھی بڑے درجے کے) نیک بندوں میں ہوں گے ﴿۲۷﴾ اور لُوط (علیہ السلام) جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم عجیب بے حیائی کے مرتکب ہوئے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے ایسا نہیں کیا ﴿۲۸﴾ کیا تم مَردوں (لونڈوں) سے فعل کرتے ہو اور تم ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔ تو ان کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو پھر ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں ﴿۲۹﴾ انہوں نے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے ان فسادی لوگوں پر غالب فرمایئے ﴿۳۰﴾

# تفسیر و معارف

## رحمتِ الٰہی سے مایوسی کا مفہوم:

فرمایا: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہیں لاتے، اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے اور جنہیں قیامت اور آخرت میں اللہ کے روبرو حاضری پر یقین نہیں ہے وہ لوگ درحقیقت

رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو چکے ہیں۔

رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے لیے زندگی میں بھی کوئی آرام نہیں رہا بلکہ بے چینی اور بے قراری انہیں گھیرے ہوتی ہے۔ اولاد ہے تو وہ آزمائش بنی ہوئی ہے، دوست ہیں تو دھوکا دے رہے ہیں اور کوئی لمحہ سکون کا انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ مختلف عذابِ الٰہی انہیں گھیرے رکھتے ہیں، عجیب و غریب بیماریاں چمٹ جاتی ہیں کیونکہ ان کی زندگی میں رحمتِ الٰہی کا عمل دخل نہیں رہتا تو ہر حال میں پریشان اور بے سکون رہتے ہیں۔

دنیا آخرت کا پرتو ہے، ظِل ہے، سایہ ہے اور اس کی حقیقت اتنی سی ہے کہ اللہ نے اسے بنایا اور جب تک چاہیں گے قائم رکھیں گے پھر یہ مٹ جائے گی کہ فی نفسہٖ مٹنا ہی اس کا مقدر ہے۔ آخرت کو اللہ کریم نے ہمیشہ کے لیے پیدا فرمایا ہے اس میں دوام ہے۔ آخرت چونکہ دائمی ہے طاقتور ہے لہٰذا وہ فانی کو، کمزور کو متاثر کرتی ہے۔ جب کوئی کفر کرتا ہے انکار کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے آخرت میں دوزخ بھڑکتی ہے چنانچہ اُس کے اثرات اِس کی دنیا کو بھی متاثر کرتے ہیں اور اس کی زندگی جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اس کا دل دکھی اور پریشان ہی رہتا ہے اور لڑتے بھڑتے روتے پیٹتے گلے شکوے کرتے زندگی گزار کر مر جاتا ہے۔

اس کے برعکس جو ایمان لا کر اتباعِ رسالت اختیار کرتا ہے تو اس کی آخرت سنورتی ہے جس کے اثرات دنیا کی زندگی میں آتے ہیں اور وہ راحت اور سکون محسوس کرتا ہے اطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے۔

فرمایا، جن لوگوں نے آخرت کا اور اللہ کے حضور پیش ہونے کا انکار کیا اور اللہ کی آیات کو نہیں مانا اور رحمتِ الٰہی سے نا اُمید ہو چکے ہیں۔ اس دنیا میں بھی دکھ جھیل رہے ہیں لیکن آخرت میں تو بہت ہی دردناک عذاب ہوگا۔

## ایک سوال:

یہاں ایک خیال پیدا ہوتا ہے، یہ سوال آتا ہے کہ دکھ تکلیفیں تو نیک لوگوں پر بھی آتی ہے۔ انبیاؑ جیسی برگزیدہ ہستیاں شہید کی گئیں۔ نیک لوگوں پر بیماریاں بھی آتی ہیں، قتل بھی کر دیے جاتے ہیں۔ اُن پر دکھ بھی آتے ہیں، اولاد کے دکھ بھی آ جاتے ہیں۔ اولاد نافرمان ہو جاتی ہے یا فوت ہو جاتی ہے تو یہ ساری تکلیفیں نیکوں پر بھی آتی ہیں۔

یاد رہے کہ تکلیفوں کی اپنی اپنی قسمیں ہوتی ہیں۔ نیک بندوں پر جو دکھ آتے ہیں وہ تلافیٔ مافات کا سبب بن جاتے ہیں کہ ان سے مومن کی بھول چوک، خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ جو تکلیف تلافیٔ مافات بنتی ہے اس کا دکھ دل کو محسوس نہیں ہوتا اور دل پر سکون رہتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اگر مسلمان کے پاؤں میں کانٹا بھی چُبھ جائے تو بہت سے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔ بظاہر تو تکلیف ہوئی لیکن نتیجے کے اعتبار سے اس کے حق میں بہت اچھا ہوا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ ایسے لوگ جو مقربینِ بارگاہ ہوتے ہیں، ولی اللہ ہوتے ہیں اُن پر جو تکلیفیں آتی ہیں وہ ترقیٔ درجات کا سبب بن جاتی ہیں۔ قربِ الٰہی کی بعض منازل ایسی ہیں جن پر تکلفیں لازم ہیں مثلاً شہادت جو قربِ الٰہی کا بہت بڑا مقام ہے اُسے پانے کے لیے قتل سے گزرنا پڑتا ہے، قتل ہوتا ہے تو شہید ہوتا ہے۔ مقاماتِ قرب تک پہنچنے کے لیے بعض تکلیفیں لازم ہیں لیکن اثر کے اعتبار سے وہ دل کو سکون بخشتی ہیں۔

کافر، گنہگار پر جو دکھ آتا ہے وہ از قسم عقوبات ہوتا ہے یعنی بطور سزا ہوتا ہے۔ بدن کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور دل کو بھی دکھ پہنچتا ہے بلکہ کافر کے بدن کو اتنی تکلیف نہیں پہنچتی جتنا دکھ اس کے دل میں اُتر جاتا ہے۔ سو یہ خیال نہ کیا جائے کہ تکلیف کے معاملے میں مومن و کافر ایک جیسے ہیں کہ دونوں کو بخار ہوتا ہے دونوں کو سردی گرمی لگتی ہے دونوں کو بھوک ستاتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے دونوں کی صحت بیماری، گرمی، سردی، بھوک میں نتیجے اور اثر کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔

ہم بعض اوقات صحت کے لیے کڑوی دوا بھی کھا لیتے ہیں تو وقتی طور پر منہ کو کڑوی لگتی ہے لیکن اس سے صحت درست ہو جاتی ہے بخار اتر جاتا ہے تو ہمیں وہ کڑواہٹ محسوس ہی نہیں ہوتی بلکہ راحت محسوس کرتے ہیں کہ صحت بحال ہوئی۔ اگر ہم میٹھا شربت بھی پی کر تے کرنے لگ جائیں تو اس شربت کی لذت بھول جاتی ہے اور تکلیف سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح کافر کو بظاہر دنیوی دولت اور راحتیں بھی ملیں تو اندر سے اس کو دکھی کرتی چلی جاتی ہیں جبکہ مومن کو دنیا کی تکلیف آئے تو اس کے اندر راحت پیدا کرتی چلی جاتی ہے یا تو اس کے گناہوں کی تلافی ہوتی ہے یا ترقیٔ درجات کا باعث بنتی ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا رویہ:

فرمایا: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ حضرت ابراہیم نے تبلیغ دین میں بہت محنت کی کہ جس گھر میں پیدا ہوئے اس گھر سے ہی مقابلہ شروع ہو گیا۔ آپ علیہ السلام نے تبلیغ کی ابتدا اپنے والدِ گرامی سے کی پھر اُن سے بات بڑھتے بڑھتے قوم تک اور بادشاہ تک گئی۔ اس سارے محنت مجاہدے خلوص اور نیک نیتی کا جواب قوم نے یہ دیا، کہنے لگے کہ اس کو قتل کر دو یا اسے جلا دو۔ یہ شخص ہمارے آبائی دین کو، ہمارے بتوں کو، ہمارے بت کدوں اور رسم و رواج کو غلط کہتا ہے۔ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے یا آگ میں پھینک کر زندہ جلا دیا جائے لیکن انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کیا بگاڑ لیا کہ اللہ کریم نے اُن کو آگ سے سلامت نکال لیا۔ وہ ایسا قادر ہے کہ آگ کو ہی حکم دے دیا کہ تُو ساری عمر

جلاتی رہی ہے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کے لیے بادِ بہاری بن جا۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ آگ بجھ گئی، بعض علما نے لکھا ہے درخت سرسبز ہو گئے بہت سی باتیں اس ضمن میں ملتی ہیں لیکن قرآن کریم کی آیت: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیآ:69) سے یہ سمجھ آتی ہے کہ اللہ کریم نے آگ کو بجھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا، اے آگ ابراہیم علیہ السلام کے لیے سلامتی کا سبب بن جا اور جلانا چھوڑ کر راحت پہنچانے کا سبب بن جا گویا آگ کو بجھنے کا حکم نہیں دیا۔ آگ جلتی رہی شعلے آسمان سے باتیں کرتے رہے لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لیے وہی آگ بادِ بہاری بن گئی۔ کسی نے خوب کہا ہے:

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ و باحق زندہ اند

یہ مٹی، ہوا، آگ پانی یہ اللہ کی مخلوق ہے، ہمارے لیے بے جان سہی لیکن اللہ کے سامنے تو زندوں کی طرح مکلف ہیں۔ اس کا حکم سنتے بھی ہیں اور اس کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔ قوم نے کہا کہ انہیں زندہ آگ میں ڈال دو، ہم نے آگ کو حکم دیا کہ تُو اسے راحت پہنچا، ٹھنڈک پہنچا یہ میرا محبوب ہے۔ الاؤ کی لکڑیوں کو جلاتی رہ لیکن ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے بادِ بہاری بن جا۔

فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۲۴﴾ جنہیں ایمان نصیب ہوتا ہے اُن کے لیے اس میں بڑے دلائل ہیں۔ بظاہر دکھ، دکھوں کی صورت میں ہی رہتے ہیں لیکن ان کے اندر راحت ڈال دی جاتی ہے۔ اللہ کے بندوں کو دکھ، بیماریاں، پریشانیاں بھی سکون اور راحت عطا کرتی ہیں جبکہ اللہ کے نافرمانوں کو بظاہر آرام دہ محلات اور خواب گاہیں بھی دکھ دیتی ہیں۔ بڑے عالیشان محلوں میں قیمتی بستروں پر لیٹتے ہیں لیکن نیند نہیں آتی تو نیند کی گولی کھاتے ہیں۔ تب جا کر کہیں ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں، اس لیے کہ ان کے اندر سکون نہیں ہے۔ پریشانیاں ہیں۔ اندر کی پریشانیوں کا علاج کیسے کریں۔ اگر اندر سکون ہو تو راحت ہی راحت ہے۔

## دنیادار کی دوستی کی حقیقت:

فرمایا: وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴿۲۵﴾

فرمایا دنیاداروں کا بھی عجیب حال ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کو، بتوں کو اور اُن سے منسوب غلط امیدوں کو

اپنی دوستی کا سبب بنا رکھا ہے یعنی انکی دوستی بھی عجیب ہے۔ دنیاداروں کی دوستی کی حقیقت یہی ہے کہ کسی دنیوی فائدے کے لیے کسی کے ساتھ چپکے رہتے ہیں اس پر جانثاری کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔

یہ مشاہدہ تو بار ہا ہوا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ گزرے جن کے پیچھے بہت مخلوق تھی جوان کے اشاروں پر جان دینے کا دم بھرتی تھی لیکن جب وہ لوگ معزول ہوئے، اُنہیں تباہی کا سامنا کرنا پڑا تو جانثاری کے دعویداروں کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ گرا۔ یہی نہیں بلکہ وہ لاتعلقی کا اظہار کرنے لگے۔

فرمایا، دنیادار کی دوستی بھی غیر اللہ کے ساتھ ہے، اللہ کو چھوڑ کر بتوں کے ساتھ دوستی کرتا ہے یہ خواہشوں اور آرزوؤں کے بت ہیں اور دنیادار کا خیال ہوتا ہے کہ ان آرزوؤں کی تکمیل کے لیے میں اس سے چپکا رہوں گا، اس سے مجھے یہ ملے گا وہ ملے گا لیکن جب وہ ناامید ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ نہیں مل رہا تو دوستی ختم کر کے دوسری طرف بھاگ پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر پتھر کے بتوں کو، خواہشات کے بتوں کو دوستی اور تعلقات کا سبب بنالیا ہے تاکہ دنیا کی زندگی میں مزے کرو۔ یاد رکھو یہ تو دنیا ہے کل جب بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگے، قیامت کا دن ہوگا تو تم ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کردو گے۔ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ۔۔۔ تو ایک دوسرے کا انکار کردو گے، کہو گے اے اللہ! میرا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں بلکہ صرف یہی نہیں: وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔۔۔ بلکہ تم ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر، میں اس مردود کا دوست نہیں ہوں۔ دنیا کی دوستی، دنیوی خواہشات کے بتوں کی ہے، اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے ہے اور یہ کفر ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے اُمید رکھنا شرک ہے۔ فردائے قیامت (کل قیامت کو) یہ لوگ آپس میں لعنت ملامت اور بیزاری کا اظہار کریں گے لیکن فائدہ نہیں ہوگا کہ: وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ تم سب کو دوزخ میں جانا ہے اور کوئی تمہارا مددگار بھی نہیں ہے۔ اللہ کے کلام کا انکار کیا انبیاؑ کا انکار کیا، کفر کا راستہ اختیار کیا اور دنیوی لذات کے لیے کفر سے لپٹے رہے پھر دنیاداروں کے قدموں اور جوتیوں سے لپٹے رہے تو فردائے قیامت بھاگنے کی کوشش یا ایک دوسرے پر لعنت ملامت سے فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہیں جہنم میں جانا ہوگا وہاں جا کر ایک دوسرے کو گالیاں دیتے رہنا۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ اور کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرسکتا کہ کفر تو ایسی بلا ہے کہ اس کا تو کوئی معاون ہی نہیں کوئی پُرسانِ حال ہی نہیں۔

مومن اگر گنہگار بھی ہوگا تو اسے امید ہوگی، معصوم بچے بھی اس کے حق میں سفارش کریں گے، نیک لوگ، نیک دوست سفارش کر سکیں گے، اہلِ علم اور اہل اللہ سفارش کر سکیں گے، قرآنِ کریم سفارش کرے گا نمازیں اور روزے سفارش کریں گے اور انبیاؑ سفارش فرمائیں گے۔ نورِ ایمان کے ساتھ یہ اُمید رکھی جا سکتی ہے کہ جو بندہ اللہ کی عظمت اور حق کا قائل ہے اس کے پاس معافی حاصل کرنے کے ذرائع تو ہیں، اس کی نجات کی گنجائش تو ہے اور اس کی شفاعت کرنے والے لوگ بھی ہیں۔ کافر کا کوئی معاون و مددگار ہی نہیں ہے۔

## اللہ کی راہ میں ہجرت:

فرمایا: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ۔۔۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پر لوط علیہ السلام ایمان لائے جبکہ ساری قوم نے انکار کر دیا اور آگ میں پھینک دیا۔ صرف اکیلے لوط علیہ السلام نے ساتھ دیا اور اس پر اللہ کریم نے انہیں بھی نبوت کے اعزاز سے نوازا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۶﴾ بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں یہ پہلی ہجرت تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی۔ اُن کے ہمراہ اُن کی اہلیہ محترمہ اور حضرت لوط علیہ السلام تھے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ۔۔۔ میں یہ ہجرت کسی شہر، کسی ملک، کسی علاقے کی طرف نہیں کر رہا بلکہ میں دارالکفر سے اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کر رہا ہوں اور وہ جہاں چاہے گا مجھے لے جائے گا۔ میں اللہ کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جو غالب ہے، جو چاہے کر سکتا ہے اور حکمت والا ہے، جہاں بہتر ہوگا، لے جائے گا۔ میں تو اس کے دستِ کرم کے تابع ہوں۔

قوم نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکال دیا، بے وطن و بے آسرا کر دیا لیکن اللہ کریم نے انہیں ایسے نوازا کہ فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے انہیں ایسا نوازا کہ اسحٰق علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ہمیشہ کے لیے نبوت لکھ دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاؑ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے مبعوث ہوتے رہے تا آنکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی

اولاد میں سے مبعوث ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ گویا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر رہتی دنیا تک نبوت ان کے خاندان میں لکھ دی گئی۔ نمرود نے یا قوم نے اگر وطن سے نکالا تو ان کا کیا بگاڑا کہ اللہ نے انہیں وطن بھی عطا فرمایا گھر بھی عطا فرمایا اور ایسی اولادیں عطا فرمائیں جو رہتی دنیا تک اعلائے کلمۃ الحق کا سبب بن گئیں۔ ان میں اللہ کے اولوالعزم رسولؑ، رسولؑ اور نبیؑ ہوئے اور پھر آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم ہستی انہی کی نسل سے تشریف لائے۔ نمرود اور اس کی قوم اور ان کافروں پر تب سے لے کر قیامت تک لعنت آئی اور آخرت میں بھی ان کے حصے میں لعنت ہی آئی۔ جبکہ دنیا کے بہترین مناصب یعنی مناصبِ نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں منتقل کر دیے گئے۔ نبی کریم کا ارشادِ عالی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم ہیں کہ چار پشت میں مسلسل نبوت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نبیؑ حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام نبیؑ اور اُن کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نبیؑ ہیں۔ یہ چار پشت تو مسلسل نبوت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کی نسل سے ہوئے گویا ساری نبوت انہی کے خاندان سے چلی۔ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنا عظیم انعام دیا۔ یاد رہے جب انبیاؑ علیہ السلام ہجرت کرتے ہیں تو نقصان انبیاؑ کا نہیں ہوتا بلکہ اُس دارالکفر یا اُس زمین کا ہوتا ہے کہ اللہ اُسے انبیاؑ کی برکات سے محروم کر دیتے ہیں۔

کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ آج اگر مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے ساتھ روضۂ اطہر بھی ہوتا تو کیا بہاریں ہوتیں؟ اہلِ مکہ نے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کیا تو سرزمین مکہ کو گنبد خضرا سے محروم کر دیا۔ نقصان کس کا ہوا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گو اُن کی قوم نے ہجرت پر مجبور کیا تو اللہ کریم نے اس سے بہتر زمین پر انہیں رکھا، بہترین اولاد سے نوازا اور قیامت تک نبوت ان کی نسل میں منتقل کر دی۔ حضرت یوسف علیہ السلام تک تو چار پشتوں میں مسلسل نبوت چلی۔

غیر انبیاؑ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایسی ہستی ہیں جن کی چار پشتوں کو صحبتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ خود صحابیؓ، آپؓ کے والد صحابیؓ، آپؓ کے بیٹے صحابیؓ اور آپؓ کے پوتے صحابیؓ تھے۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا۔۔۔ دیکھ لو ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے دنیا میں کن مرتبوں سے نوازا اُن کی اُس استقامت پر جو انہوں نے اُن بت پرستوں کے مقابلے میں دکھائی۔ انہوں نے آگ میں گرنا قبول کیا لیکن بت پرستوں کی بات کا ردّ کرتے رہے، مقابلہ کرتے رہے۔ اس کا بدلہ ہم نے انہیں دیا کہ دنیا میں بھی کتنے انعامات عطا

فرمائے۔ یعنی استقامت علی الدین اور دین پر عمل کرنے کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے، آخرت میں تو ملتا ہی ہے دنیا میں بھی آرام وراحت عزت وآبرو اتباعِ دین میں ہے۔ دین سے باہر انسان ایسے جیتا ہے کہ شہر میں رہتے ہوئے بھی جیسے کوئی ویرانے میں، جنگل میں اکیلا جی رہا ہو۔

الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں اللہ ہمیں ہدایت دے لیکن جب سے ہم نے عملاً دین چھوڑ دیا ہے کیا ہمارے شہر جنگل نہیں بن گئے؟ ایک گھر میں کوئی مرے جیئے دوسرے گھر کو پتا ہی نہیں۔ ایک گھر میں میّت رکھی ہے تو دوسرے گھر میں شادیانے بج رہے ہوں گے۔ کسی کو پتا ہی نہیں کہ کون مر گیا ہے، کون لُٹ گیا ہے، کون سلامت ہے، عجب لاتعلقی کا عالم ہے۔ ہمارے شہر بھی جیسے ویرانے بن گئے ہیں۔ اگر دین داری ہو اور لوگ پانچ وقت مل کر اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کریں، جمعہ پڑھیں، عیدین پڑھیں، ملیں جلیں تو ایک دوسرے کی خبر رہے اور ہمیشہ خیر اور راحت ہو۔ دنیا میں بھی راحت دین میں ہے۔ فرمایا، ہم نے انہیں دنیا میں بھی اس کا بہترین بدلہ دیا اور وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷ آخرت میں بھی وہ اللہ کے نیک بندوں کی صف میں ہوں گے۔

## قومِ لوطؑ اور اُن کا حال:

حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے مہاجر تھے اللہ کریم نے اُن کو بھی نبوت عطا فرمائی اور جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ لوگ از حد گمراہ اور بدترین تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو سمجھایا اور فرمایا: وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡمَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم عجب بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا میں ایسی برائی سنی بھی نہیں ہے۔ روئے زمین کی بڑی قومیں گزر چکی ہیں جن کے حالات تاریخ میں موجود ہیں لیکن جو ظلم تم کرتے ہو یہ کسی قوم نے نہیں کیا، تمہاری عقلیں کیوں ماری گئی ہیں، یہ تم کس عذاب میں گرفتار ہو گئے ہو؟

فرمایا: اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۔۔۔ تم ہم جنس پرستی کرتے ہو یہ ایسی بدکاری ہے کہ یہ تو راہِ حیات کو منقطع کرنے والی بات ہے۔ انسانی نسل کے توالد وتناسل کو ختم کرنے والی بات ہے۔ تم کیسی عجیب قوم ہو۔ فرمایا: وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۔۔۔ تم ایسے عجیب لوگ ہو کہ ایک تو برائی کرتے ہو پھر اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس پر فخر بھی کرتے ہو۔ یہ بہت ہی عجیب جرم ہے۔ گناہ کرنا جرم ہے لیکن ہو سکتا ہے کبھی گناہ کرنے والے کے دل میں احساسِ ندامت آجائے اور اللہ کریم توبہ کی توفیق دے دیں مگر یہ کتنا عجیب جرم ہے کہ گناہ کرنے کے بعد پھر مجالس میں بیٹھ کر اس پر فخر کیا جائے!

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ڈاکے ڈالتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں وہ پھر دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر بڑے فخر سے اپنے قصّے سناتے ہیں کہ میں نے فلاں جگہ یہ کیا۔ میں نے بہت بڑا کام کیا میں بہت بہادر ہوں۔ ان جرائم پر بھی فخر کرنا توبہ کے دروازے بند کر دیتا ہے اور بندہ اسی پر قائم ہو جاتا ہے اور اس سے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

فرمایا، تم ایسے بدکار ہو کہ ایک تو برائی کرتے ہو انسانیت کی حیات کی رگ ہی کاٹ لیتے ہو اور پھر اپنی مجالس میں ان پر فخر بھی کرتے ہو۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ تو اُن کی قوم کا صرف یہ جواب تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو پھر ہم پر اللہ کا عذاب لے آئیں۔

انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اگر ہم ان کاموں سے باز نہیں آئیں گے تو ہم پر اللہ کا عذاب آ جائے گا تو لے آئیں وہ عذاب کہ ہم تو آپ کی بات ماننے والے نہیں، جس عذاب سے آپ متنبہ کر رہے ہیں اگر سچے ہیں تو اسے لے آئیں تاکہ پتا چل جائے کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں یا نہیں کیونکہ ہم تو آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ گمراہی کا تیسرا درجہ ہے۔ ایک درجہ ہے جرم کرنا، دوسرا درجہ ہے اس پر فخر کرنا اور تیسرا درجہ ہے کہ کرلو جو تم سے ہوتا ہے۔ فرمایا کہ قوم نے اللہ کے نبیؑ کا انکار کیا مذاق اُڑایا، برائی کا راستہ اپنایا، ہم جنس پرستی شروع کر دی۔ آج کی مہذب قوموں نے ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ دے دیا ہے۔ یہ بھی اُسی طرف جا رہے ہیں اور اس پر ان قوموں کو فخر ہے کہ ہمارے ہاں آزادی ہے۔ یہ کون سی آزادی ہے؟ برائی اور جرم پر آزادی، آزادی نہیں ہوتی بلکہ جرم اور برائی میں غرق ہونے کی طرف ایک قدم ہے۔

فرمایا: قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ انہوں نے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے ان فسادی لوگوں پر غالب فرمائیے۔ فرمایا، یا اللہ! یہ قوم مجھے اب اس طرح طعنے دیتی ہے کہ کہاں ہے تمہارا اللہ اور کہاں ہے تمہارے اللہ کا عذاب؟ تم عذاب لے آؤ تو ہم تمہیں سچا مان لیں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دعا کی، اے رب! اب تو میری مدد فرما رَبِّ انْصُرْنِيْ ۔۔۔ ربوبیت اللہ کی وہ صفت ہے جو کارگاہ حیات کے سارے نظام کو چلاتی ہے۔ انہوں نے 'رب' کہہ کر پکارا، اللہ کہہ کر نہیں کیونکہ یہ نظام ربوبیت کے تابع ہے۔

فرمایا، اے نظام کو چلانے والے اب ذرا ان کا کوئی فیصلہ کر دے کہ یہ باز نہیں آتے اور یہ فسادی قوم ہے۔ اللہ کریم نے جب فیصلہ فرما دیا تو فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور جو انہیں بارگاہِ الٰہی سے حکم ملا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچایا اور پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کی خبر دی۔

## سورۃ العنکبوت رکوع 4 آیات 31 تا 44

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ
الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۳۱ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ
اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۤ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۳۲
وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا
تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۳۳
اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ۳۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۳۵ وَاِلٰى مَدْيَنَ
اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۳۶ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۳۷ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ
لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۳۸
وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ
فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۴۰ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ

دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ
الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو ان فرشتوں نے کہا کہ ہم یقیناً اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ وہاں کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں ﴿۳۱﴾ تو انہوں نے فرمایا بے شک اس میں تو لُوط (علیہ السلام) بھی ہیں انہوں نے عرض کیا جو وہاں (رہتے) ہیں ہم کو سب معلوم ہے ہم ان کو اور ان کے متعلقین کو بچا لیں گے سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی ﴿۳۲﴾ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لُوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو وہ ان (کے آنے) کی وجہ سے ناخوش اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے اور انہوں ے عرض کیا آپ کوئی خوف اور رنج نہ کریں یقیناً ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بچا لیں گے سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی ﴿۳۳﴾ یقیناً ہم اس بستی والوں پر ان کی بدکاری کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں ﴿۳۴﴾ اور بے شک ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہری نشان (اب تک) رہنے دیے ان لوگوں کو عبرت کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ﴿۳۵﴾ اور مدین کی طرف ان کے (قومی) بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن (کے آنے) کی امید رکھو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ﴿۳۶﴾ پھر انہوں نے ان کو جھوٹا سمجھا سو ان کو زلزلے نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۳۷﴾ اور عاد اور ثمود کو بھی (ان کے کردار کی وجہ سے

ہلاک کر دیا) اور یہ (ان کی تباہی) تم کو ان کے رہنے کی جگہوں سے نظر آ رہی ہے اور شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کو خوبصورت کر کے دکھائے تو ان کو سیدھے راستے سے روک دیا حالانکہ وہ صاحبِ نظر لوگ تھے ﴿۳۸﴾ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (ہلاک کر دیا) اور یقیناً ان کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے تو وہ زمین پر مغرور ہو گئے مگر وہ ہمارے قابو سے جانے والے نہ تھے ﴿۳۹﴾ تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا۔ سو ان میں سے بعضوں پر تو ہم نے تیز ہوا بھیجی اور بعض کو ہولناک آواز نے آ دبوچا اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے (پانی میں) غرق کر دیا اور اللہ کو شایاں نہ تھا کہ ان پر زیادتی کرتے ولیکن وہ (گناہ کر کے) اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے ﴿۴۰﴾ جن لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز تجویز کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے کہ وہ بھی (ایک طرح کا) گھر بناتی ہے اور بے شک تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ (اس بات کو) جانتے ﴿۴۱﴾ جس چیز کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں خواہ وہ کچھ ہی ہو بے شک اللہ اس کو جانتے ہیں۔ اور وہ غالب، حکمت والے ہیں ﴿۴۲﴾ اور ہم ان مثالوں کو لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے بیان فرماتے ہیں اور بس علم والے لوگ ہی سمجھتے ہیں ﴿۴۳﴾ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درست طور پر پیدا فرمایا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لیے اس میں (بھی) بڑی دلیل ہے ﴿۴۴﴾

# تفسیر و معارف

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد:

وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی ۔۔۔ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر آئے۔ انہیں حضرت اسحٰق (علیہ السلام) کی بشارت دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس

وقت عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ بعض علما نے اُن کی عمر اس وقت ایک سوبیس برس اور اُن کی اہلیہ محترمہ کی عمر نوے برس لکھی ہے۔ فرشتوں نے انہیں بشارت دی کہ اللہ آپ کو بیٹے سے نوازیں گے تو وہ حیران ہو گئے۔ فرشتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لائے تو انہوں نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا بس یہی کام تھا یا کچھ اور بھی کرنے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں آپ کو خوشخبری بھی دینی تھی، اصل کام ہمارا قومِ لوط (علیہ السلام) کے ساتھ ہے، ہم اُدھر جا رہے ہیں۔

فرمایا: قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱ ہم یقیناً اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ وہاں کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاقے اور حضرت لوط علیہ السلام کے علاقے کے درمیان میں ایک دریا یا نہر تھی۔ دریا کے اس طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت اور شریعت تھی تو دوسری طرف حضرت لوط علیہ السلام کی شریعت کا دائرہ کار تھا۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ کو یہ خوشخبری سناتے جائیں، اصل کام تو ہم وہاں کرنے جا رہے ہیں۔ اس بستی کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں کہ وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ انہوں نے جرم کرنا نہیں چھوڑا بلکہ جرم پر فخر کیا اور اب یہاں تک کہتے ہیں کہ کرلو جو کرنا ہے۔ سو اللہ نے فیصلہ کر دیا، ان کا جو کرنا ہے وہ ہو جائے گا۔

فرمایا: قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۔۔۔ انہوںؑ نے فوراً کہا کہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں اللہ کے نبیؑ ہیں، میرے عزیز ہیں تو تم کیا کرنے جا رہے ہو۔ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۔۔۔ فرشتوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں، ہمیں اللہ نے بتا دیا ہے کہ وہاں کون کون ہے، لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۔۔۔ ہم لوط علیہ السلام کو اور اُنؑ کے پیروکاروں، اُنؑ کے اہل کو جو اُنؑ کے دامن سے وابستہ ہیں سب کو بچا لیں گے، سوائے اُنؑ کی بیوی کے۔ اُنؑ کی بیوی کے علاوہ اُنؑ کے متعلقین کو بچا لیں گے۔

## نتائج کا انحصار قلبی فیصلوں پر ہے:

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ یہ خاتون اللہ کے نبیؑ کی بیوی تھیں، اللہ کے نبیؑ کے ساتھ رہتیں، اُن کے ساتھ کھاتی پیتیں، اُنؑ کی خدمت کرتیں لیکن دلی محبت کفار سے تھی، اُن کفار کے ساتھ چہ مگوئیاں بھی کرتی تھیں یا مہمان آتے تو انہیں خبر کر دیتی تھیں۔ چونکہ فیصلے دلی تعلقات پر کیے جاتے ہیں تو فرمایا جہاں جس کا دل اٹکا ہو گا اس کا انجام وہیں ہو

گا۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمیں پتا ہے اللہ کریم نے ہمیں سب بتا دیا ہے، آپ علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام کی بات کر رہے ہیں ہم تو اُن سب کو بھی بچا لیں گے جو دل سے لوط علیہ السلام کے ساتھ ہیں۔ البتہ اُن کی بیوی نہیں بچ پائے گی: كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہے گی چونکہ اس کا قلبی میلان کافروں کی طرف ہے سو وہ اس طرف رہ جائے گی۔

اس ضمن میں فرعون کی بیوی کی مثال قابلِ غور ہے۔ اللہ کریم نے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعریف فرمائی اور اُن کو اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے بہترین خاتون فرمایا۔ وہ رہتی فرعون کے گھر میں تھیں لیکن محبت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی، دلی رغبت موسیٰ علیہ السلام سے تھی تو انجام بھی انؑ کی طرف ہوا، جنت کی طرف ہوا۔

## قومِ لوطؑ پر عذاب:

فرمایا: وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ۔۔۔ جب فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو نوجوان لڑکوں کی صورت میں آئے۔ لوط علیہ السلام نے نوجوان لڑکے دیکھے تو وہ بہت پریشان ہوئے، بہت گھبرائے کہ یہ میرے گھر مہمان بن کر آئے ہیں اور قوم شہوت پرست ہے۔ لڑکوں کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ اگر قوم کو خبر ہوئی تو وہ آجائے گی اور ان سے زیادتی کی مرتکب ہوگی جو بہت ظلم ہوگا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا دل اس خیال سے بہت پریشان ہوا، تنگ ہوا کہ نجانے کیا ہوگا!

وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۔۔۔ تب فرشتوں نے عرض کی کہ آپؑ ڈریں نہیں ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، وَلَا تَحْزَنْ ۔۔۔ آپؑ ہماری فکر نہ کریں۔ یہاں حزن کا لفظ دوسرے کے دکھ کے لیے آیا ہے۔ سوانہوں نے عرض کی کہ آپؑ ہماری فکر نہ کریں۔ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ ہم آپؑ کو بحفاظت یہاں سے نکال لیں اور اُن سب لوگوں کو بھی جو آپؑ کے دامن تھامے ہوئے ہیں۔ آپؑ اور آپ کے پیروکاروں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ یاد رہے آل اور اھل انہیں کہا جاتا ہے جو دامن تھام لیں جو ساتھ دیں جس طرح قرآن میں فرعون کے پیروکاروں کے بارے ارشاد ہے: وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ (البقرہ:50) فرعون اور فرعون کا دامن تھامنے والوں کو ہم نے غرق کر دیا۔ فرشتوں نے کہا آپؑ کو اور آپؑ کے ماننے والوں کو بحفاظت نکال لیں گے لیکن آپؑ کی اہلیہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی اس لیے کہ جدھر اس کا دل دھڑکتا ہے اِدھر ہی جائے گی۔

فرمایا: اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾
یقیناً ہم اس بستی والوں پر ان کی بدکاری کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ ہم اس شہر کے رہنے والوں پر آسمان سے مصیبت اور عذاب لانے والے ہیں اس لیے کہ یہ بہت بدکار ہیں۔ اللہ کریم نے ان پر عجیب عذاب نازل فرمایا۔

تفاسیر میں ملتا ہے کہ ان کے چار بڑے شہر تھے جن میں مرکزی شہر سدون تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل امین سے پوچھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا تو میں نے اُن کے علاقے کو زمین کی گہرائی تک اکھیڑ کر اُٹھایا اور آسمان کے قریب لے گیا۔ پھر جہاں سے مرغ کی اذان سنائی دیتی ہے وہاں سے میں نے الٹ کر اسی گڑھے میں پھینک دیا۔ پھر اُن پر آسمان سے پتھر برسائے گئے اور ہر پتھر پر کچھ لکھا ہوا تھا جو ان کے لیے خاص تھا۔ جب زمین پر یہ لوگ گرے تو دھنس گئے اور وہاں ایک گڑھا بن گیا۔ اس گڑھے میں دریا بھی آکر گرتے رہے تو پانی جمع ہو گیا، اُسے بحیرہ مردار کہتے ہیں کہ آج تک اس پانی میں زندگی کا کوئی اثر نہیں۔ اس میں مینڈک یا کوئی مچھلی کوئی بھی چیز زندہ نہیں رہتی۔ سیاہ پانی ہے جو اس قدر نمکین ہے بھاری ہے کہ کوئی چیز اس کی سطح پر پھینک دی جائے تو وہ ڈوبتی نہیں۔ اگر اس میں بندہ اتر جائے تو ڈوبتا نہیں جہاں تک مرضی تیرتا پھرے کہ نمکیات اس کو اٹھائے رکھتی ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ اسباق میں یہ بات گزری ہے کہ یہودیوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ اس پانی کی تہہ میں جو کیچڑ ہے اس میں جلدی امراض کی شفا ہے اور اس سے خوب پیسے کما رہے ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ پر بھی یہی بات دہرائی گئی کہ اس کی تہہ میں جو مٹی ہے اس میں شفا ہے۔ جو جگہ باعثِ عبرت تھی جہاں عذاب نازل ہوا اور جہاں سے بچ کر گزرنا چاہیے تھا اُسے یہودیوں نے پیسہ کمانے کے لیے مبارک قرار دے دیا اور ہمارے ٹی وی والے بھی انہی کی زبان بول رہے تھے۔ جہاں سارے بدکار ہم جنس پرست غرق ہوئے تھے، اُن پر پتھر برسے تھے۔ الٹا کر غرق کر دیے گئے تھے ان کی نظر میں کیا اس لیے وہاں برکات ہیں؟ پتا نہیں یہ کس قسم کے مسلمان ہیں، ان کو شرم نہیں آتی ایسی بات کہتے ہوئے۔ انہیں اپنی معلومات پر بڑا فخر ہے جو کافروں سے لیتے ہیں۔ چونکہ یہودیوں نے کہہ دیا کہ اس میں شفا ہے تو ہمارے ٹی وی پر ایک میزبان بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ میں نے اس پر بہت تحقیق کی ہے کہ اس کے نیچے جو کیچڑ ہے اس میں شفا ہے۔ یہ کیسی مسلمانی ہے کہ اپنی اُس Knowledge پر جو کافروں سے ملے فخر کیا جائے حالانکہ کافروں سے صرف جہالت ملتی ہے۔ علم لینا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے لو۔ علم لینا ہے تو اللہ کے قرآن سے لو۔ دنیا کو قرآن کی اور شریعت کی نظر سے دیکھو ورنہ تو جہالت ہی جہالت ہے۔ ذرا غور کریں جہاں بڑے بڑے شہر غرق ہوئے اُن پر آگ

اور پتھر برسائے گئے کہ آج تک وہاں زندگی کی رمق نہیں ہے۔ اس کا نام ہی بحیرہ مردار اور انگریزی میں Dead Sea ہے تو اس میں شفا کہاں سے آ گئی؟ اللہ ہمیں معاف کریں اور ہدایت دیں۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اور بے شک ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہری نشان (اب تک) رہنے دیے اُن لوگوں کی عبرت کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔

قرآن اس کے بارے میں یہ بتا رہا ہے کہ یہ بدترین جگہ ہے اور اللہ نے ہمیشہ کے لیے اسے موت اور تباہی کا گڑھا بنا دیا اور عقلمندوں کے لیے اس میں نشانیاں رکھ دیں۔ اسے بعد میں آنے والوں کے لیے باعثِ عبرت بنا دیا۔ یہاں زندگی نام کی کوئی چیز نہیں۔

## حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت:

فرمایا: وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ۔۔۔ ہم نے مدین والوں کی طرف اُنہی میں سے اُن کے بھائی حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور اُن کی دعوت بھی یہی تھی کہ لوگو، اللہ کریم کی عبادت کرو یعنی صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔

یاد رہے عبادت سے مراد ہے نفع کی امید پر یا نقصان کے ڈر سے کسی کی غیر مشروط اطاعت کرنا۔ اگر یہ اُمید غیر اللہ سے وابستہ کر لی جائے تو شرک ہوگا چنانچہ ہر نبیؑ کی بنیادی دعوت یہ تھی کہ لوگوں کو اللہ کریم سے وابستہ کر دیں تا کہ وہ اپنی امیدیں اللہ کریم سے ہی وابستہ کریں اور اللہ کریم کی غیر مشروط اطاعت کریں۔ فرمایا: وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۔۔۔ اور آخرت کے دن (کے آنے) کی امید رکھو یعنی نتائج کے اعتبار سے محض دنیا کو نہ دیکھو بلکہ کردار کو آخرت کے نتائج کے اعتبار سے دیکھو کہ آخرت میں اس کا کیا کیا نتیجہ ہوگا۔ قیامت کے دن کی اُمید رکھو، جو کام بھی کسبِ معاش کے لیے کرتے ہو اس سے دنیا تو ملتی ہی ہے لیکن صرف دنیا ہی نہیں اگر حلال ذرائع سے شرعی طریقے سے کماؤ گے تو اس کے ساتھ آخرت کے انعامات بھی ہیں۔ اگر غلط کاری کرو گے، ناجائز ذرائع اختیار کرو گے تو شاید دنیا سے بھی محروم رہ جاؤ اور آخرت بھی ضائع کر بیٹھو۔ یہ جو دنیوی نتائج ہیں یہ مقصد نہیں ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ آخرت میں کردار کا، اعمال کا نتیجہ کیا ہوگا۔

فرمایا: وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ اور اللہ کی زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ اللہ کی زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو یعنی ہر وہ کام جو اخروی نتیجے سے بے بہرہ ہو، جس میں آخرت کی تعمیر نہ ہو، جس پر آخرت میں نیک اجر مرتب نہ ہو وہ کام دنیا میں بھی فساد پھیلانے کا سبب بنتا ہے۔ جو کام بھی خلافِ شریعت کیا جائے، غلط طریقے

سے کیا جائے وہ دنیا میں فساد پیدا کرتا ہے اور دنیا میں امن نہیں رہتا۔ لوگ اپنے خیال میں کام سنوار رہے ہوتے ہیں جب غلط طریقے سے کر رہے ہوتے ہیں لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں ہر وہ کام جو خلافِ شریعت ہے فساد پیدا کرتا ہے زمین پر بگاڑ پیدا کرتا ہے۔

## عہدِ حاضر کی اک مثال:

آج لوگ جب اقوامِ عالم کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ غیر مسلم اقوام بہت خوشحال ہیں حالانکہ انہوں نے دنیا تو دین کے خلاف عمل کر کے کمائی ہے۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ لوگ بے پناہ مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اُن کی اقدار تباہ ہو چکی ہیں۔ اُن میں آبرو نام کی کوئی شئے باقی نہیں رہی، کسی کی عزت محفوظ ہے نہ مال۔

ایک دفعہ امریکہ کے شہر نیویارک میں نو گھنٹے برقی نظام معطل رہا۔ بجلی چلی گئی اور سارا شہر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اس دورانیہ میں غالباً چھتیس ہزار مقدمے زنا بالجبر کے درج ہوئے اور نہ جانے کتنی ایسی خواتین ہوں گی جنہوں نے مقدمہ درج نہ کرایا ہوگا۔ اسی طرح بے شمار گھر لوٹے گئے، مال و آبرو لوٹے گئے۔

اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد عرب کے شاہ فیصل مرحوم کا دورۂ امریکہ تھا تو اُن سے وہاں یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے آج بھی اپنی قوم کو وہ قانون اور دستور دے رکھا ہے جو چودہ سو سال پرانا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ اور مہذب دور میں اتنا پرانا ملکی آئین و دستور دے رکھا ہے۔ اس پر شاہ فیصل مرحوم نے فرمایا کہ تمہارے شہر میں نو گھنٹے بجلی بند ہونے پر کتنے مقدمے درج ہوئے ہیں؟ تمہارے آئین و دستور اور قانون میں اتنی سی طاقت ہے کہ اس کے پیچھے جو چاہے کرتے رہو۔ تمہاری ساری قوم آوارہ ہو گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا اگر عرب میں ہمیشہ کے لیے بھی بجلی بجھا دو تو ایک جرم نہیں ہوگا۔ ہمارے قانون اور اپنے قانون کا موازنہ کر لو۔

## حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا جواب اور انجام:

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے نتائج پر نظر رکھو۔ انہیں سمجھایا کہ اللہ کی زمین پر فساد نہ پھیلاؤ فَكَذَّبُوهُ ۔۔۔ پھر انہوں نے اُنکو جھوٹا سمجھا، اُن کی دعوت کا انکار کر دیا اور بات نہ مانی۔ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿٣٧﴾ سو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ایسا زلزلہ آیا کہ قوم کا کوئی ایک فرد بھی بچ نہ سکا، سب تباہ ہو گئے۔ اپنے اُن گھروں میں جو اُنہوں نے اپنی حفاظت کے لیے، اپنے آرام کے لیے بنائے تھے اُن ہی گھروں میں اوندھے، مرے پڑے تھے، لاشیں متعفن ہو

رہی تھیں۔ اُن کے مضبوط خوبصورت گھر اُن کی لاشوں کا مسکن بن گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کہ بعثتِ عالی کے بعد روئے زمین پر اجتماعی تباہی نہیں آئی جس طرح پہلی اقوام پوری کی پوری تباہ ہوگئیں، غرق ہوگئیں۔ ہمیں یاددہانی کرانے کے لیے کچھ نہ کچھ اللہ کریم دکھاتے رہتے ہیں، کبھی سیلاب آجاتے ہیں کبھی زلزلے آجاتے ہیں۔ جب قومیں گمراہ ہوجاتی ہیں اور اُن پر سیلاب یا زلزلے آتے ہیں، تباہی آتی ہے تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اُن کی عقلیں تباہ ہوجاتی ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے نتائج سے بے پرواہو کر محض دنیا ہی طلب کرتے ہیں اور انہیں ڈر بھی نہیں لگتا۔ متاثرین کی امداد کے لیے بھیجی گئی اشیا تک بیچ کھاتے ہیں۔

## عاد وثمود کا حال:

فرمایا: وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۔۔۔ اسی طرح قومِ عاد اور ثمود کے پاس بڑے زور آور جوان تھے، وہ بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے انبیا کی تعلیم کو نہیں مانا۔ سو اُن کی رہائش گاہیں آج بھی زبانِ حال سے تمہیں وہ تاریخ سنا رہی ہیں۔

اُن کے مکانوں کو جو پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے آج لوگ جا کر دیکھ سکتے ہیں، تصاویر تو بہت عام ہیں۔ آج کے مشینی دور میں مشینوں کی مدد سے بھی اتنے خوبصورت ستون اور محرابیں نہیں تراشی جاسکتیں جیسی وہ پہاڑوں میں تراش لیتے۔ سو فرمایا، ان کے چھوڑے ہوئے مکان اور بستیاں آج بھی زبانِ حال سے وہ قصے سنا رہی ہیں۔

فرمایا: وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ۔۔۔ شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کو خوبصورت کر کے دکھائے تو ان کو سیدھی راہ سے روک دیا۔ شیطان نے برائی کو بنا سنوار کے ان کے سامنے پیش کیا انہیں کہا تم نے ڈاکہ ڈالا تم بہت دلیر ہو، تم نے اتنے قتل کر دیے تم بہت طاقتور ہو تم نے اتنی دولت لوٹ لی، تم جیسا دنیا میں کون ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ سو شیطان نے اُن کی برائیوں کو سجا سنوار کر اُن کے سامنے رکھا۔ آج بھی ایسے لوگ ملتے ہیں جو دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ ہم نے فلاں جگہ ڈاکہ ڈالا، فلاں کو یوں قتل کیا۔ اپنے کردار پر فخر کرتے ہیں دراصل یہ بات شیطان سکھا رہا ہوتا ہے کہ برائی پر فخر کرو۔

چنانچہ جب انہیں برائی کا راستہ اچھا لگا تو شیطان نے انہیں برائی کی طرف لگا کر سیدھے راستے سے بھٹکا دیا، سیدھا راستہ ان کے لیے بند کر دیا حالانکہ: وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝۳۸ وہ اچھے بھلے صاحب نظر لوگ تھے، دیکھنے

سننے والے لوگ تھے۔ اللہ نے انہیں حواسِ ظاہری بھی دیے تھے، دل بھی دیے تھے اور دلوں میں استعداد بھی رکھی تھی۔ یہ اچھے بھلے جاننے، سمجھنے سمجھانے والے کھلی آنکھوں والے لوگ تھے۔

## قارون، فرعون اور ہامان کا حال:

فرمایا: وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ۔۔۔ قارون کا قصہ دیکھو کس طرح دولت کے انباروں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اسی طرح فرعون اور ہامان کتنے سمجھدار لوگ تھے انہوں نے کتنی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں بنائیں ایسے بڑے نظام بنائے اور بے پناہ مخلوق کو اپنے زیر اثر رکھا۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ۝۳۹ ان سب کے پاس بھی موسیٰ علیہ السلام بڑے واضح دلائل لے کر آئے اور بہت پیار سے انہیں دعوت الیٰ اللہ دی۔ انہیں سمجھانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے بہت محنت کی تھی اور بھرپور کوشش کی تھی لیکن وہ اپنے تکبر میں ہی رہے۔ اسی بات پر مصر رہے کہ جو وہ جانتے ہیں وہی صحیح ہے وہ زیادہ جانتے ہیں اور جو وہ کرتے ہیں وہ ٹھیک ہے۔ انہوں نے تکبر کیا اور خود کو منوانے پر مُصر رہے لیکن اس سارے تکبر، مال و دولت، خزانوں لاؤلشکر، حکومت اور اقتدار و اختیار سمیت وہ اللہ کی گرفت سے بھاگ نہ سکے۔ ہماری گرفت سے وہ بچ نہ سکے۔ دنیا کی کوئی دولت، کوئی تدبیر، کوئی طاقت، انہیں اللہ کی گرفت سے بچا نہ سکی۔ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ۔۔۔ ہر ایک کو اس کے گناہوں کے مطابق گرفت نے آلیا اور سب اپنے اپنے جرائم میں پکڑے گئے، ان پر کوئی زیادتی نہیں کی گئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں لادا گیا بلکہ یہ اپنے گناہوں میں پکڑے گئے کسی کو آندھی اور طوفانوں نے آلیا، کسی پر پتھر برسائے گئے کسی کو ہولناک آواز نے آلیا، ایک چنگھاڑ ایسی فضا میں بلند ہوئی جس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور وہ تباہ ہو گئے۔ کچھ ایسے تھے جن کے لیے زمین پھٹ گئی اور وہ زمین میں دھنسا دیے گئے۔ بعض ایسے تھے جن پر بارش کے پانی کا طوفان بھیج دیا اور انہیں بپھرتی موجوں کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ تباہ کر دیے گئے غرق کر دیے گئے۔

## اللہ کریم کسی پر ظلم نہیں کرتے:

فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝۴۰ اللہ کو شایان نہیں کہ اُن پر زیادتی کرتے کہ اللہ کریم کو یہ زیبا ہی نہیں کہ عاجز مخلوق پر زیادتی یا ظلم کرے۔ اللہ کریم ایسا نہیں کرتے وہ تو اپنی مخلوق پر بے پناہ رحم فرماتے ہیں۔ کوئی انسان نیکی کرنے کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کر سکے تو نیکی کا ارادہ کرنا بھی ایک

نیکی لکھ دی جاتی ہے اور عمل کرے تو کم از کم دس گنا لکھ دیا جاتا ہے۔ اگر برائی کا ارادہ کرے اور عمل نہ کرے تو وہ معاف کر دیا جاتا ہے اور اگر گناہ کر گزرے تو اتنا ہی لکھا جاتا ہے جتنا اس نے جرم کیا ہے۔

اس قانون کے باوجود ان لوگوں نے اتنے جرائم کیے کہ دنیا میں وہ عذابوں میں گرفتار ہو گئے حالانکہ اصول تو یہ ہے کہ محاسبہ موت کے بعد ہوگا لیکن ہر ظلم کی حد ہے۔ جب لوگ اس حد سے بڑھتے ہیں تو پھر دنیا میں بھی گرفت آجاتی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا۔ اللہ کریم نے تو انبیاءؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت کی طرف دعوت دی لیکن ان لوگوں نے اپنے اندر جو قبولِ حق کی استعداد تھی اُسے ضائع کر دیا۔ چنانچہ گمراہی اور برائی کی طرف، نافرمانی کی طرف اس انتہا کو پہنچے کہ دنیا میں ہی اس کی سزا ان پر وارد ہوگئی، کسی کو زلزلوں نے تباہ کیا تو کوئی سیلابوں میں غرق ہوا۔ بعض کے لیے زمین شق ہوئی اور وہ اس میں دھنسا دیے گئے۔ سو اللہ کریم نے اُن کے ساتھ زیادتی نہیں کی بلکہ وہ اپنے ساتھ خود زیادتی کرتے رہے، اللہ کی نافرمانی کر کے خود پر ظلم کرتے رہے اور نتیجتاً تباہ ہو گئے۔

## کمزور سہارے:

فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ جو لوگ اللہ جل شانہٗ کو چھوڑ کر اللہ کے علاوہ کہیں پناہ چاہتے ہیں، بتوں کے دامن میں پناہ چاہتے ہیں، انسانوں کی پوجا کرنے لگتے ہیں یا خواہش نفس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ بظاہر وہ سمجھتے ہیں کہ میری بڑی حمایت ہے، بہت تحفظ حاصل ہے۔ میرے پاس اتنے وسائل ہیں یا اتنی دولت حاصل ہے یہ بچا لے گی۔ کوئی سوچتا ہے فلاں میرا جاننے والا ہے، فلاں کی میں اتنی خدمت کرتا ہوں تو میں محفوظ رہوں گا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ان کی مثال اس مکڑی جیسی ہے جو جالا بُنتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ میں ایک مضبوط قلعے میں بیٹھی ہوں، میرا گھر بڑا مضبوط ہے۔ چھوٹے چھوٹے مچھر مکھیاں اس میں پھنستے رہتے ہیں تو وہ سمجھتی ہے کہ میرا جال بہت مضبوط اور بڑا ہے جس میں بہت محفوظ ہوں۔

فرمایا: وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۔۔۔ حالانکہ گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ ذرا سا کسی چیز سے الجھے تو تباہ ہو جاتا ہے، ذرا تیز ہوا چلی تو تباہ ہو گیا، بے حد کمزور ہوتا ہے لیکن مکڑی اس میں بہت اکڑ کر بیٹھی ہوتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنے مضبوط گھر میں بہت محفوظ ہے۔ درحقیقت ہر کوئی جانتا ہے کہ سب سے کمزور جالا مکڑی کا ہی ہوتا ہے۔

لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ کاش یہ باتیں یہ لوگ سمجھ جاتے، جان جاتے۔ جس طرح تم بھی شریعت کے علاوہ وسائل اختیار کرتے ہو ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرتے ہو، بڑے بڑے محل بناتے ہو، بڑے لوگوں سے تعلقات استوار کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میں محفوظ ہوں تو وہ مکڑی کے گھر کی طرح ہے کہ ذرا تیز ہوا چلی تو تباہ ہو جائے گا۔ زلزلہ آئے گا تباہ ہو جائے گا، طوفان آئے گا سیلاب آئے گا بہا لے جائے گا۔ اللہ کی گرفت آئے گی تو سب ریزہ ریزہ ہو جائے گا کچھ نہیں بچے گا۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ ۔۔۔ اللہ کے سوا جس کو بھی تم پکارتے ہو جس سے بھی اُمید رکھتے ہو خواہ وہ کوئی بھی ہو، کسی بادشاہ سے، کسی امیر سے کسی حکمران سے، کسی پتھر سے کسی خیالی بت یا اپنی خواہشاتِ نفس سے۔ اللہ کریم کا حکم توڑ کر اس سے باہر جو کوئی پناہ ڈھونڈتا ہے، اللہ کریم جانتے ہیں۔ اللہ کریم سے بات چھپتی نہیں ہے۔ جو کچھ تم سوچتے ہو، جو تم کرتے ہو، جو تمہارے دلوں میں ہے اور جو تمہارے دلوں میں آنے والا ہے سب اللہ کے علم میں ہے۔

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۴۲﴾ وہ غالب ہے اگر چاہے تو تمہیں پہلی خطا پہ پکڑ لے لیکن اس کی حکمت ہے وہ تمہیں مہلت دیتا ہے۔ تمہارے پاس انبیاؑ بھیجتا ہے، کتابیں بھیجتا ہے، تمہیں حق کی طرف دعوت دیتا ہے اور فرصت دیتا ہے۔ قرآنِ کریم میں دوسری جگہ آتا ہے کہ اگر ہر گناہ پر گرفت ہوتی تو روئے زمین پر کوئی زندہ نہ رہتا کہ ہر کسی سے کہیں نہ کہیں خطا ہو جاتی ہے تو کون زندہ رہ سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے کہ درگزر فرماتا ہے اور پھر انبیاؑ مبعوث کر کے نیکی کی راہیں روشن کرتا ہے اُن کے فوائد بتاتا ہے۔ نیکی اختیار نہ کرنے کے نقصانات بیان فرماتا ہے اور گزشتہ اقوام کی تاریخ سے مثالیں دے کر بتاتا ہے۔ برائی کرنے والوں کا انجام بتا کر برائی کے نتائج سے ڈراتا ہے اور نیکوکاروں کا نیک انجام بتا کر ترغیب دیتا ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ ہدایت کے بے پناہ اسباب و وسائل بندے تک پہنچاتا ہے ورنہ وہ عزیز ہے، غالب ہے اگر پہلی ہی خطا پر پکڑے تو اس کے دستِ قدرت کو کون روک سکتا ہے۔

## علم والے کون ہیں:

فرمایا: وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ ایسی ہی خوبصورت مثالیں، لوگوں کو سمجھانے کے لیے، ہم بیان کرتے ہیں لیکن بات صرف علم والے کی ہی سمجھ میں آتی ہے۔ یہاں علما نے بڑی خوبصورت بحث فرمائی ہے کہ علم والے کون لوگ ہیں۔

متقدمین کے مطابق 'العلم' یعنی پورا علم یہ ہے کہ بندے کے پاس علمِ دین اور علمِ دنیا، دونوں ہوں۔ اُسے دین کا شعور بھی ہو اور دنیوی علم پر بھی دسترس رکھتا ہو۔ علم کے دو یہ شعبے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ علم کے دو حصے ہیں۔ ایک علم وہ ہے جو دل میں اترتا ہے اور ایک علم وہ ہے جو زبان تک رہتا ہے۔ جو حصہ دل میں اترتا ہے وہ نافع ہے اور اللہ کا انعام ہے اور جو محض زبان پر رہتا ہے وہ علم بندے پر اللہ کی حجت ہے۔ قیامت کے دن وہ بہانہ نہیں کر سکے گا۔ یہ اس پر گواہی بن جائے گی کہ تجھے علم تو تھا۔ سو علم کیا ہے؟ علمائے حق فرماتے ہیں کہ علمِ دین سراسر معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے لیکن اگر دنیوی علم کو بھی کھوجا جائے، اس پر تحقیق کی جائے تو ہر شے کی جتنی اصلیت کھلتی جائے گی اتنی عظمتِ الٰہی پر دلیل بنتی جائے گی، ذات باری پر دلیل بنتی چلی جائے گی سو علمِ دینی تو ہے ہی دل کے لیے، دنیوی علم سے بھی اگر دل میں اس کی کیفیات اتریں اور عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو تو وہ 'علم' ہے اگر اللہ کی کتاب بھی پڑھی جائے اور اس کی کیفیات دل میں نہ اتریں اور کتاب اللہ کو بھی ذریعۂ معاش ہی بنا لیا جائے۔ اس سے دولت کمانے، دنیا کے لیے بیچا جائے غلط فتوے دیے جائیں، لوگوں کو غلط باتیں سکھائیں جائیں تو پھر یہ علم نہیں، جہالت بن جاتی ہے۔ یہ بھی جہالت ہے کہ انسان دنیا کے علوم میں اتنا کھو جائے کہ عظمتِ الٰہی پر توجہ ہی نہ کرے۔ ہر وہ بات جو عظمتِ الٰہی کی طرف دلالت کرے وہ علم ہے اور ہر وہ بات جو اللہ سے دور کرے وہ جہالت ہے کیونکہ تمام علوم کا مقصد اور حاصل عظمتِ الٰہی کا ادراک ہے۔

سو فرمایا، ایسی مثالیں تو اللہ کریم بیان فرماتے ہیں اور اپنی قدرت اور عظمت کے دلائل بھی دیتے ہیں۔ نیکی کا نیک انجام اور برائی کے برے انجام سے ڈراتے ہیں لیکن یہ ساری مثالیں ساری وضاحتیں اہلِ علم کے لیے ہیں۔ اہلِ علم سے مراد ڈگری ہولڈرز نہیں ہے کہ کسی نے اتنے ایم۔ اے کر لیے کسی نے پی۔ ایچ ڈی کر لی یا کتنی ڈگریاں ہیں کسی کے پاس یعنی محض ڈگریوں کا بوجھ اٹھائے پھرنا علم نہیں ہے۔ علم یہ ہے کہ جو جانتا ہو اس کی کیفیات دل میں اتریں اور اس کے نتیجے میں عظمتِ الٰہی کا ادراک ہو۔

## مومنین کے لیے دلیل:

فرمایا: خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۝ اللہ نے یہ کائنات، یہ ارض وسما حق پر بنائے ہیں یعنی ان میں انصاف ہوگا، نتائج ہوں گے اور انصاف یہ ہے کہ برائی کا برا نتیجہ آئے، نیکی کا نیک نتیجہ آئے۔ سو فرمایا یہ کائنات اللہ نے فضول پیدا نہیں کر دی کہ بلا وجہ زمین و آسمان بنا دیے کہ اب جو نیکی کر کے مرے اور برائی کر کے مرے وہ برابر ہو گئے، ایسا نہیں ہوگا۔ یہ تو انصاف نہیں ہے۔ ایک بندہ ساری عمر ذکر اللہ کرتا رہا، نیکی کرتا رہا، لوگوں کی بھلائی کے لیے کوشش کرتا رہا۔ دوسرا بندہ ساری عمر لوگوں کو لوٹتا رہا، ظلم و جور کرتا رہا، مر کر دونوں برابر ہو جائیں تو پھر یہ حق تو نہ ہوا۔ یہ تو انصاف نہیں ہے جبکہ اللہ نے تو ارض وسما کو برحق قائم کیا ہے

سو حق ہوگا انصاف ہوگا اور ہر عمل کا اجر اس کے مطابق ملے گا۔

انسان عاجز مخلوق ہو کر کوئی کام بلا مقصد نہیں کرتا، ایک چھوٹی سی چیز بھی جو بناتا ہے اس کا بھی مصرف ہوتا ہے کہ وہ کہاں استعمال ہوگی تو پھر انسان اس بات سے کیوں بے خبر ہے کہ اللہ کریم نے اتنی بڑی کائنات بلا مقصد نہیں بنائی، یہ حق پر قائم ہے، انصاف پر قائم ہے، عدل پر قائم ہے۔ سو دیکھ لو کہ تم آج کیا کر رہے ہو، کل اس کے مطابق نتائج آئیں گے۔

اس ساری حکایت میں، ان ساری مثالوں میں، واقعات میں بہت بڑی دلیل ہے لیکن صرف اُن کے لیے جن کو نورِ ایمان نصیب ہو۔

ایک خوبصورت نظارہ ہے لیکن انسان کے پاس آنکھیں ہوں، نظر ہو تو دیکھ سکے گا لیکن اگر کوئی اپنی آنکھیں ہی پھوڑ لے تو پھر اسے حسن کہاں سے نظر آئے گا، خوبصورتی کیسے دیکھ سکے گا؟ سو کفر یہ ہے کہ کوئی اپنی آنکھیں ہی پھوڑ لے تو عظمتِ الٰہی نظر ہی نہیں آتی ورنہ تو ہر پتا، پانی کا ہر قطرہ، ہوا کا ہر جھونکا اللہ کی عظمت پر گواہ ہے۔ کائنات کا سارا نظام، ان کا آپس میں تعلق، ستاروں، سیاروں، سورج چاند اور زمین کا آپس میں رشتہ، ان کے سفر کرنے کی راہیں، ان کے فاصلے، ان کی گرمی سردی، روشنی اندھیرے کی آمد و رفت یہ اتنا مضبوط نظام ہے جو اللہ کریم نے بنایا ہے اور یہ مسلسل رواں دواں ہے۔ آج تک اس میں کوئی خرابی نہیں آئی، تعطل نہیں آیا، کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔ اگر سورج ذرا ذرا سا بھی اپنے راستے سے ہٹ کر زمین کے قریب ہوتا تو آج تک ہر چیز جل کر بھسم ہو چکی ہوتی۔ یہی سورج اگر ذرا ذرا زمین سے دور ہوتا جاتا تو زمین پر اتنی ٹھنڈک ہو جاتی کہ ہر شئے جم کر مر جاتی لیکن سورج کی چال میں رائی برابر فرق نہیں آیا۔

کسی کے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ کب سے انسان زمین پر آباد ہے، ہزاروں یا کروڑوں سال سے ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ انسان سے پہلے زمین، سورج چاند ستارے موجود تھے۔ جب سے انسان آیا تب سے اب تک سارا نظام بغیر کسی رکاوٹ کے، بغیر کسی حادثے یا غلطی کے مسلسل چل رہا ہے تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہر چیز میں توازن ہے، ہر چیز کا ایک نتیجہ اور انجام ہے؟ فرمایا، لیکن کفر دلوں کو اندھا کر دیتا ہے اور واضح دلائل ہونے کے باوجود کافر کو سمجھ نہیں آتی۔ کفر دلوں کو تاریک کر دیتا ہے۔

ان دلائل سے ہدایت حاصل کرنا بھی اُنہی کو نصیب ہوتا ہے جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے۔ نورِ ایمان دل میں حیات پیدا کرتا ہے، اس کی آنکھوں کو بینا کرتا ہے، اس کو دیکھنے بولنے اور سننے کی قوت عطا کرتا ہے سمجھنے کا شعور عطا کرتا ہے۔ اس لیے بنیادی نعمت ایمان ہے اور اللہ کا دیا ہوا نورِ ایمان بہت بڑا انعام ہے۔

الحمدللہ

# بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

## www.QuranTafseer.net

## حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔